فقہی رسائل و مقالات
کا نادر مجموعہ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مضمون صفحہ

تفصیلی فہرستِ مضامین

جواہر الفقہ جلد چہارم

كتاب الحج

اليواقيت في أحكام المواقيت

مضمون — صفحہ

مضمون	صفحہ

مضامین | صفحہ

مضمون | صفحہ

مضمون | صفحہ

مضمون | صفحہ

کتاب النکاح

مضمون | صفحہ

مضمون | صفحہ

حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج

فصل فی الاولیاء والاکفاء

مضمون | صفحہ

نہایات الارب فی غایات النسب

مضمون | صفحہ

فصل فی الجہاز والمہر

(۵۹) اقامۃ العرف مقام الثبوت فی سقوط بعض الحق بالسکوت

مضمون صفحہ

کتاب الوقف

کتاب البیوع

مضمون | صفحہ

فصل فی الحقوق المجردة

اباحة التقطيف من ثمرات الصنعة و التاليف

کتاب الربا و القمار

مضمون صفحہ

مضمون — صفحہ

الیواقیت فی احکام المواقیت

مواقیتِ احرام

اوران کے مسائل

تاریخ تالیف ـــــــ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ (مطابق ۱۹۶۸ء)

مقام تالیف ـــــــ دارالعلوم کراچی

اس مقالے کا اصل مقصد اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ ہندوپاک سے جانے والے عازمین حج کو کس جگہ سے احرام باندھنا چاہئے اور کیا اُن کے لئے جدہ داخلِ میقات ہے؟ اس کے ضمن میں دوسرے متعلقہ احکام اور مسائل بھی جمع کر دیئے گئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مواقیتِ احرام کا مسئلہ

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی:

اما بعد:

حق تعالیٰ جل شانہ نے تمام عالم میں سے بیت اللہ کی زمین کو عزت و شرف کے لئے مخصوص فرما کر اس پر اپنا بیت بنایا، جو دنیا میں سب سے زیادہ معظم و مکرم ہے، اس کی تعظیم و شرف کے اظہار کے لئے اس کے گرد یکے بعد دیگرے کئی حلقے قائم فرمائے، اور ہر ایک حلقے کے ساتھ کچھ آداب و احکام مخصوص فرمائے۔

سب سے پہلا اور بیت اللہ سے متصل حلقہ مسجد حرام کا ہے، جس کے اندر بیت اللہ واقع ہے، اس کے خاص آداب و احکام ہیں، جن میں کچھ تو وہ ہیں، جن میں دنیا کی دوسری مساجد بھی شریک ہیں، اور کچھ اس مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہوتا ہے، بیت اللہ کا طواف مسجد کے اندر ہوتا ہے، اور مسجد حرام سے باہر کوئی سات چکر لگائے طواف ادا نہیں ہوگا۔ (غنیۃ الناسک)

دوسرا حلقہ پہلے سے زیادہ وسیع شہر مکہ مکرمہ کا ہے، اسکے بھی خاص آداب و احکام اور پابندیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ پورا شہر مکہ بھی مسجد حرام کی طرح عام پناہ گاہ ہے، اس میں کسی مجرم کو بھی جو حرم سے باہر جرم کر کے حرم میں داخل ہوگیا، وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ حرم سے نکلے، نکلنے کے بعد سزا دی جائے گی، اس میں کسی جانور کا شکار جائز نہیں، اس کے درختوں کا اور عام گھاس کا کاٹنا بھی جائز نہیں، مگر اس کی پابندیاں پہلے حلقے یعنی مسجد حرام سے کم ہیں۔

تیسرا بڑا حلقہ حرم کا ہے، جو پہلے دونوں حلقوں پر مشتمل ہے، حرم شریف کے حدود مکہ مکرمہ کے چاروں طرف حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے معین ومحدود ہیں۔

جدہ کی طرف سے جانے والوں کے لئے حدِ حرم حدیبیہ(۱) کے قریب ہے، جہاں دو(۲) ستون علامت حرم کے لئے قائم کئے ہوئے ہیں، اس تیسرے حلقے کے احکام وآداب اور شرعی پابندیاں بھی تقریباً وہی ہیں، جو دوسرے حلقے کی بیان ہو چکی ہیں، البتہ شرف مکانی کے درجات بیت اللہ کے قرب وبعد کے اعتبار سے متفاوت ہوں گے۔

حدودِ حرم مکہ مکرمہ کے چاروں طرف متعین ہیں، کسی طرف کم اور کسی طرف زیادہ، سب سے زیادہ قریب حدحرم تنعیم ہے، جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، اور سب سے بعید نو میل پر ہے۔

چوتھا حلقہ ان سب سے وسیع تر ہے، جس میں یہ پہلے تینوں حلقے سمائے ہوئے ہیں، وہ حدود مواقیت ہیں، مواقیت میقات کی جمع ہے، حرم محترم کے تمام

(۱) آج کل اس جگہ کو شمیسیہ کہتے ہیں ۱۲

باطراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مقامات متعین فرمادیئے ہیں، جہاں سے مکہ مکرمہ میں آنے والے پر لازم کیا گیا ہے کہ بغیر احرام کے آگے نہ بڑھے، احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا۔ ان مقامات میں سے ہر ایک کو میقات کہتے ہیں، اور پورے حلقہ مواقیت کو فقہ کی اصطلاح میں حل کہا جاتا ہے۔ اس حلقہ سے باہر تمام کو آفاق کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حل صغیر کے بھی کچھ مخصوص آداب و احکام ہیں۔ مگر پچھلے تینوں حلقوں سے کم ہیں۔ اس حلقے کی پابندیاں صرف اس قدر ہیں کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا اس حلقے میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتا ہے، اگر کوئی بغیر احرام کے داخل ہو جائے تو اس پر دم یعنی قربانی واجب ہو جاتی ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس مقدمہ میں زیر بحث یہی چوتھا حلقہ ہے۔

اس کے احکام کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے کچھ اصطلاحی الفاظ کی تشریح بیان کرنا ضروری ہے۔

اصطلاحی الفاظ کی تشریح

پہلے حلقہ کا اصطلاحی نام مسجد حرام ہے۔ دوسرے کو مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے، تیسرے کا اصطلاحی نام حرم ہے، چوتھا حلقہ حدود حرم سے باہر حدود مواقیت کے اندر ہے اس کا اصطلاحی نام حل ہے یعنی اس میں شکار وغیرہ حلال ہے، حدود مواقیت سے باہر سارا عالم آفاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور چونکہ حرم کی پابندی شکار وغیرہ کی جیسے حل میں نہیں ہے، ایسے ہی حل سے باہر آفاق میں بھی نہیں، اس لئے حل کے مفہوم میں آفاق بھی داخل ہے، اسی لئے بعض علماء حلقہ مواقیت کے اندر حرم سے باہر کے حل کو حل صغیر کہتے ہیں، اور حدود مواقیت سے باہر آفاق کو حل کبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مواقیت حج کی تعیین

صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ حدیث منقول ہے:

"وقت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لاھل المدینة ذا الحلیفة و لاھل الشام الجحفة و لاھل نجد قرن المنازل و لاھل الیمن یلملم." (بخاری کتاب الحج)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم میقات مقرر فرمایا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار میقات مقرر فرمائے: ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل، اور یلملم ان مواقیت کی تفصیلی تحقیق آگے آجائے گی۔

اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری حدیث میں بروایت ابن عمرؓ یہ بھی منقول ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کے زمانے میں عراق فتح ہونے کے بعد اس کے دو شہر بصرہ اور کوفہ بسائے گئے، تو اہل عراق حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کے لئے میقات قرن المنازل کو مقرر فرمایا ہے، اور وہ ہمارے راستہ سے بہت دور ہے، اگر ہم اس راستہ کو اختیار کریں تو ہماری مسافت اور مشقت بہت بڑھ جاتی ہے، اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا:

"فانظروا حذوھا من طریقکم فحد لھم ذات عرق." (صحیح البخاری، کتاب الحج)

"آپ نے ان سے ان کی محاذات دیکھی، چنانچہ (اسی طریقے سے) فاروق اعظمؓ نے ان لوگوں کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پانچواں میقات ذات عرق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر نہیں فرمایا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے اجتہاد سے مقرر فرمایا۔

لیکن صحیح مسلم کی روایت میں شک و تردد کے ساتھ اور نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بغیر شک کے یہ بھی منقول ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی۔ . . . یہ روایتیں قوت و صحت کے اعتبار سے اگرچہ بخاری کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں، مگر ان کو غیر معتبر بھی نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اس واقعہ سے پہلے وہ حدیث نہ پہنچی ہو جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذات عرق کو اہل عراق کا میقات مقرر فرمانا مذکور ہے، اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر متعین فرمادیا، اور یہ حضرت فاروق اعظمؓ کے خصوصی فضائل میں سے ہے کہ ان کا اجتہاد ٹھیک حدیث کے مطابق واقع ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل عراق کا میقات ذات عرق قرار پایا، خواہ اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا ہو یا حضرت فاروق اعظمؓ نے، اس لئے کل مواقیت پانچ ہوگئے، ان پانچوں مواقیت اور ان کے مقامات کی ضروری تشریح یہ ہے۔

مواقیت حج کی ضروری تشریح

ذوالحلیفہ: اہل مدینہ کا میقات ہے، مصر اور شام کے مسافر جو تبوک کے راستہ سے آتے ہیں، ان کا میقات بھی یہی ہے، یہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے جس کو آبار علی یا بیر علی بھی کہا جاتا ہے، اور آج کل یہی نام مشہور ہوگیا ہے۔ (حاشیہ ارشاد الساری) اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ تک نو یا دس مرحلے ہیں۔ (البحر الرائق)

اور مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات القلوب میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ایک سو اٹھانوے میل بتایا ہے، اس مقام سے ذرا ہٹ کر ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد شجرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہاں ایک درخت تھا اس کے نیچے آپ نے احرام باندھا تھا، پھر اس جگہ مسجد بنا دی گئی، افضل و اولیٰ یہی ہے کہ سنت کے مطابق احرام اسی مسجد سے باندھا جائے۔ اگرچہ پورا ذوالحلیفہ کے ابتدائی حصہ کے بعد ہے، اور عام مواقیت میں افضل یہ ہوتا ہے کہ میقات کے ابتدائی حصہ پر احرام باندھا جائے تاکہ پوری میقات پر اس کا گذر بحالت احرام ہو جائے، مگر ذوالحلیفہ بوجہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہاں ابتداء ذوالحلیفہ کے بجائے مسجد شجرہ سے احرام افضل ہے۔

سید نور الدین سمہودی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے مسجد نبوی سے مسجد شجرہ تک ناپا ہے، پیمائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب السلام سے مسجد شجرہ تک انیس ہزار سات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا۔ حاشیہ ارشاد الساری میں یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ فاصلہ پانچ میل سے کچھ کم ہوا، کیونکہ میل ہمارے نزدیک چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے، اس حساب کے ذراع سے جو آج کل

مستعمل ہے۔ (حاشیہ ارشاد ص ۵۴)

جحفہ یہ رابغ کے قریب ایک گاؤں تھا، جس کو مہیعہ بھی کہا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے اس کے فاصلہ میں شدید اختلاف ہے، ارشاد الساری میں ملا علی قاری نے بیاسی میل بتلایا ہے، اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھیؒ نے بحوالہ علامہ مرشدی بیاسی میل لکھا ہے، اسی طرح مراحل کے اعتبار سے فتح الباری شرح البخاری میں بحوالہ شرح مہذب نووی اس کا فاصلہ مکہ سے تین مرحلہ بتایا اور شیخ عبد اللہ بن سالم نے شرح بخاری میں مکہ مکرمہ تک پانچ منزل کا فاصلہ لکھا ہے، اور مدینہ منورہ تک سات منزل۔ (حیات القلوب قلمی ص ۲۱) غالباً وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ **جحفہ** سے مکہ مکرمہ کے مختلف راستے ہیں، کسی راستہ سے مسافت کم ہے، کسی سے زیادہ، یہ گاؤں **جحفہ** یا مہیعہ عرصہ دراز سے ویران اور بے نشان ہو گیا ہے، اس لئے اس طرف آنے والے رابغ سے احرام باندھتے ہیں، کیونکہ رابغ جحفہ سے کچھ پہلے ہے، یہاں سے احرام باندھنے والا گویا اصل میقات سے کچھ پہلے احرام باندھتا ہے، جو سب کے نزدیک جائز ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے۔

اور رابغ ساحل سمندر پر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والوں کے راستہ پر مشہور قصبہ ہے، اور آج کل تو اچھا شہر بن گیا ہے، جس میں مسافروں کے قیام کے لئے بڑے بڑے ہوٹل اور قہوہ خانے وغیرہ ہیں۔

قرن المنازل یہ اہل نجد کا میقات ہے، جس میں نجد یمن، نجد حجاز، نجد تہامہ شامل ہیں، الغیث فقہ معرب میں ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے، جو میدان عرفات کے اوپر ہے، اور شرح مصابیح میں ہے، یہ مثل مانند ایک چکنا صاف اور مدور پہاڑ ہے، عرفات کے اوپر آیا ہوا ہے، اہل مکہ اور ان کے اطراف کے لوگ اس پہاڑ کو

طرف سے عقیق کے بعد مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر تھا، آج کل ویران ہو گیا ہے، اسی لئے اب اس کے بجائے عقیق سے احرام باندھا جاتا ہے، کیونکہ ذات عرق کا صحیح تعین نہ رہا، عقیق سے احرام باندھنے میں اصل میقات سے کچھ پہلے احرام ہوگا، اسی میں احتیاط ہے۔

علامہ عابد مالکیؒ نے ہدایۃ الناسک میں فرمایا کہ ذات عرق مکہ مکرمہ سے دو مرحلے کے فاصلہ پر طائف کے راستہ پر ایک گاؤں تھا، جواب ویران ہو گیا ہے، اس کا محل وقوع اس مقام کے قریب تھا، جس کو آج کل سیل کہا جاتا ہے۔ (حاشیہ ارشاد الساری ص:۵۵) قسطلانی نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے بیالیس میل بتلایا ہے، اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس میل کا فاصلہ لکھا ہے، نووی اور ابن حجر مکیؒ نے فرمایا کہ اس کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کا ہے، جیسا کہ قرن اور یلملم کا فاصلہ دو مرحلے ہیں۔

(حیات القلوب) و مثلہ فی البحر۔

مواقیتِ خمسہ کے احکام

جو لوگ آفاق یعنی اطراف عالم سے آنے والے ان میقاتوں کے راستے سے گذرتے ہیں، اگر وہ مکہ مکرمہ میں جانے کے مقصد سے ان مواقیت سے آگے حل صغیر کی طرف جائیں، جو مواقیت کے اندر اور حرم سے باہر کے علاقے کا نام ہے، تو ان پر لازم ہے کہ ان مقامات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آگے بڑھیں، بغیر احرام کے آگے بڑھنا گناہ ہے، اور جو ایسا کرے گا، اس کے ذمہ دم (قربانی) دینا واجب ہوگا۔ (بدایہ، ارشاد الساری)

سے آگے بڑھ کر قریبی میقات کی محاذات سے احرام باندھ لیا، تو بھی جائز ہے۔
اور اصل بنیاد اس حکم کی صحیح بخاری کی وہ حدیث مذکور ہے، جس میں اہل عراق نے یہی سوال حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے پیش کیا، اور آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

"انظروا حذوھا من طریقکم ثم حد لھم ذات عرق." (بخاری)

اپنے راستے سے ان کی محاذات دیکھو پھر فاروق اعظمؓ نے (اس طریقے سے) ان کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

اس میں حضرت فاروق اعظمؓ نے دوسرے راستوں سے گذرنے والوں کے لئے ایک ضابطہ بتا دیا کہ ان کا راستہ جو حل صغیر میں داخل ہونے کا ہے، اس راستہ پر جہاں کسی میقات کی محاذات آجائے، وہی ان لوگوں کے لئے میقات کے حکم میں ہے، یہاں سے مکہ کی طرف آگے بڑھنا بغیر احرام کے جائز نہیں۔
پھر اس ضابطہ کی رو سے اہل عراق کے لئے ان کے راستہ کے اس حصہ کو میقات قرار دیدیا، جو قرن المنازل کے محاذات میں ہے، یعنی ذات عرق۔

محاذات میقات کس طرح معلوم کی جائے؟

محاذات کے لغوی معنی مسامحت کے ہیں، جس کی تشریح شیخ ابن حجر ہیثمی مکیؒ نے تحفۃ المحتاج شرح منہاج میں با لفاظ ذیل کی ہے:

(ومن سلک طریقا لا ینتھی الی میقات فان حاذی) بالمعجمۃ (میقاتا) ای سامتہ بان کان علی یمینہ او

بیسارہ و لا عبرۃ بما امامہ او خلفہ (احرم من محاذاتہ)

(تحفہ علی ہامش الحواشی الشروانیہ ص: ۴۱ ج: ۴)

محاذات کا مطلب یہ ہے کہ میقات اس کے دائیں یا بائیں آ جائے،

سامنے اور پیچھے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

مطلب ظاہر ہے کہ محاذات سے مراد یہ ہے کہ میقات مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے مسافر کی دائیں یا بائیں جانب آ جائے، اور جب تک میقات اس کے آگے رہے تو محاذات نہیں ہوئی، اور جب اس کے پیچھے پڑ جائے تو محاذات سے تجاوز ہو گیا، مسائل مذکورہ میں بھی محاذات کا یہی مطلب ہوتا ہے، اس کتاب میں اس کے بعد فرمایا ہے:

"(لم تجز مجاوزتہ) الی جھۃ الحرم (بغیر احرام) و خرج بقولنا الی جھۃ الحرم ما لو جاوزہ یمنۃ او یسرۃ فلہ ان یؤخر احرامہ لکن بشرط ان یحرم من محل مسافتہ الی مکۃ مثل مسافۃ ذالک المیقات کما قالہ الماوردی و جزم بہ غیرہ و بہ یعلم ان الجائی من الیمن فی البحر لہ ان یؤخر احرامہ الی جدۃ لان مسافتھا الی مکۃ کمسافۃ یلملم انتھی۔"

عبارت مرقومہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مسافر جب راستہ میں کسی میقات کی محاذات پر پہنچا، مگر اس کو کسی وجہ سے اس میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانا نہیں ہے، بلکہ اس کا راستہ کسی دوسری سمت سے ہے، تو اس کے لئے اس محاذات پر احرام باندھنا واجب نہیں ہے، بلکہ جس راستہ سے اس کو مکہ مکرمہ کی طرف جانا ہے، اس راستہ پر محاذات کو دیکھا جائے گا، کیونکہ محاذات میقات سے

بغیر احرام تجاوز کرنا جو شرعاً ممنوع ہے، اس تجاوز سے مراد تجاوز الی جہۃ الحرم ہے، دوسری کسی سمت میں تجاوز ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں، جیسا کہ تحفہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہو گیا۔

اور غنیۃ الناسک میں مواقیت کی تعریف ہی اس طرح کی ہے:

"هي المواضع التي لايجوز ان يتجاوزها الی مكة ر الحرم ولو لحاجة الا محرماً."

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلا احرام تجاوز ممنوع وہ ہے، جو تجاوز الی الحرم ہو، دوسری کسی جہت کی طرف تجاوز ممنوع نہیں۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس دوسری محاذات میں یہ ضروری ہے کہ اس محاذات سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ کم سے کم اتنا ہی ہو، جتنا اصل میقات سے فاصلہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص یلملم کی محاذات سے جدہ کی طرف بڑھا، اور جدہ کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا قصد کیا، تو اس کو احرام اس جگہ سے باندھنا چاہئے، جہاں سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ یلملم کے فاصلے کے برابر ہو۔ اور حسب تصریح فقہاء یلملم کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے مرحلتین کا ہے، اور جدہ کا فاصلہ بھی مرحلتین ہے، تو دونوں فاصلے مساوی ہونے کی وجہ سے جدہ سے احرام باندھنا جائز ہوگا۔

محاذات کی یہ تفسیر لغوی معنی کے لحاظ سے بھی اقرب ہے، اور فقہاء کی تفسیر سے بھی اسی کی ترجیح ہوتی ہے، صاحب بدائع کی ایک عبارت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

"فاما اذا قصدها من طريق غير مسلوك فانه يحرم اذا بلغ موضعاً يحاذي ميقاتاً من هذه المواقيت لانه اذا

حاذی ذالک الموضع میقاتا من المواقیت صار فی حکم الذی یحاذیہ فی القرب من مکۃ۔"

(بدائع ص ۱۶۴ ج ۲)

محاذات کی ایک دوسری تفسیر

علامہ ملا اخوند جان مرغینانی مہاجر مکی نے موقیت حج کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کی تاریخ تصنیف ۱۳۱۳ھ ہے، اور ۱۳۲۳ھ میں تاشقند کے ایک پریس میں چھپا ہے، یہ رسالہ حضرت حاجی شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی نے احقر کو عطا فرمایا تھا۔ جو احقر کے پاس موجود ہے، اس رسالہ میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح حدود حرم کے ذریعہ تمام حلقہ حرم کی تعیین کی جاتی ہے، کہ حد حرم سے دوسری حد تک ایک خط ملایا جائے، اسی طرح تیسری چوتھی حدود کے باہم خطوط ملا کر ان خطوط کے درمیان جو رقبہ زمین آتا ہے، وہ حرم کہلاتا ہے۔

اسی طرح مواقیت کے حلقے کو سمجھنا چاہئے۔ ایک میقات سے دوسرے میقات تک خط ملا کر یہ خط محاذات ہوگا، خط سے باہر آفاقی اور خط کے اندر حلی کہا جائے گا، اس خط محاذات سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ کی طرف تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کی شکل بھی رسالہ کے حاشیہ پر ایک مخمس کی صورت میں دی ہے۔
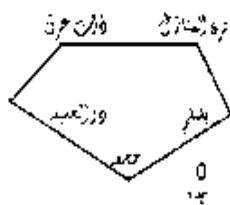
اس تفسیر محاذات کے مطابق یلملم سے جو خط جحفہ کے ساتھ ملایا جائے گا، تو جدہ اس خط سے باہر کافی فاصلہ پر رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شہر جدہ سے

بھی آ گئے بجز اس کے قریب تھے وہ احرام باندھیں میقات کی یہ تفسیر اگرچہ قواعد
محاذات کی رو سے معقول ہے، مگر فقہاء کے کلام میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا، بلکہ اس
کے خلاف یہ تصریحات موجود ہیں کہ اہل حل و باہر مشرق کے باشندے جو
جدہ کی طرف سے داخل حل ہوں تو ان پر یہ پابندی لازم ہے کہ جس قدر مسافت
یلملم کی مکہ سے ہے اسی قدر مسافت اس طرف سے بھی ہونی چاہئے، مثلاً دو
مرحلتیں ہے تو ادھر سے بھی مرحلتین کا فاصلہ طے کرنا ضروری ہے، اور وہ جدہ
پر ہی ہو سکتا ہے جدہ سے آگے نہیں۔ ملا اخوند جان کی عبارت اس کے متعلق یہ
ہے:

"ظاهر ان المسجد مشتمل على البيت و حاولة من
كل جهة و مكة مشتمل بهما و الحرم مشتمل بالثلاثة
ممتد من كل جهة الى الحل الصغير المحيط بالحرم و
لا شك ان الحرم غير مختص بالعلامات الموضوعة
في الطريق بل هو السطح الممتد من كل جهة قربا و
بعدا و لا يتوهم احد ان الحرم المكانات المتصلة
بالعلامات فقط و كل عاقل يفهم ان الاماكن بين
العلامات من ارض الحرم مثلا العلامة عند التنعيم الى
العلامة عند حديبية كلها حرم لايقتل صيده و لايقطع
شجره."

"ثم الحل الصغير يمتد من اطراف الحرم من كل
جهة الى المواقيت كانها مخمسة الشكل و الحل
الصغير بين الحرم و الحل الكبير الذي هو جميع

الآفاق و المواقيت بعض اجزاء الحل ، لهذا يجوز لاهلها تاخير الاحرام الى قريب حد الحرم كما يجوز لاهل الحل الصغير (الى قوله) فتحصل من ذالك ان حرم الحرم اى المواقيت مثل الحرم المحيط بما فى جوفه مثل الخطوط الممتدة بين النقاط فكما ان النقاط مواقيت فكذالك الخطوط بينها و الا لجاز الدخول الى الحرم بلا احرام من بين المواقيت ."

(رسالہ خونہ جان ص: ۱۶۳ طبع تاشقند)

پاکستان، ہندوستان اور مشرقی ممالک سے آنے والوں کا میقات

آج کل ان ممالک مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں، ایک ہوائی دوسرا بحری، ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہ قرن المنازل ہوتا ہے، ہوائی جہاز قرن منازل اور ذات عرق دونوں میقاتوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے اول حل میں داخل ہو جاتے ہیں، اور پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہے، اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے، کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گذرے گا، اس لئے اہل پاکستان اور ہندوستان کیلئے تو احتیاط اسی میں ہے، کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے، تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہو جائے گی، اور گناہ اس

سے علاوہ ہوگا، جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں۔

چین، انڈونیشیا، جاوا وغیرہ کے ہوائی جہاز بھی اگر خشکی پر پرواز کریں، تو ان کا بھی یہی حکم ہے، ہاں اگر ان کے جہاز خشکی کے بجائے سمندر کے اوپر سے پرواز کر کے جدہ پہنچیں، تو ان کا حکم وہ ہوگا، جو بحری جہاز سے آنے والوں کا ابھی لکھا جائے گا۔

مشرقی ممالک کے لئے دوسرا راستہ بحری سفر کا ہے، اس راستہ سے جانے والے بحری جہاز قدیم زمانے میں تو یلملم کے ساحل پر اترتے تھے، جو یمن کا ایک حصہ ہے، اور اہل یمن کی طرح وہ بھی میقات یلملم سے گذر کر حل میں پھر حرم اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے تھے، اسی لئے عام فقہاء کی تصریحات بھی ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور تمام بلاد مشرق کا میقات یلملم ہے، لیکن مدت دراز سے یہ ساحل متروک ہوگیا، اب بحری جہاز یہاں نہیں ٹھہرتے، بلکہ ساحل یلملم سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر محاذات یلملم سے گذرتے ہوئے سمندر ہی میں آگے بڑھ جاتے ہیں، اور ساحل جدہ پر قیام کرتے ہیں، جدہ ہی سے سب مسافر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

اس صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ ان ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والے مسافروں کے راستے میں عین میقات تو کوئی پڑتا نہیں، البتہ محاذات میقات یلملم سے دو جگہ ہوتی ہے، ایک درمیان سفر یلملم کے مقابل سے گذرتے ہوئے، دوسرے سفر کے اختتام پر جدہ میں، سابقہ تحریر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے، کہ کسی میقات یا اس کی محاذات سے بلا احرام تجاوز کرنا جو ممنوع و ناجائز اور موجب دم

ہے، وہ اس وقت ہے جب کہ یہاں کا تجاوز الی جہۃ الحرم ہو، اور اگر اس محاذات سے سمندری میں آگے بڑھتا ہوا آفاق ہی کے اندر سفر کرے، تو یہ تجاوز عن المیقات اور موجب دم نہیں ہوگا، جیسا کہ تحفہ شرح منہاج کے حوالے سے اس کی تصریح پہلے آچکی ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

"وخرج بقولنا الى جهة الحرم ما لو جاوزه يمنة او يسرة فله ان يؤخر احرامه لكن بشرط ان يحرم من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذلك الميقات كما قاله الماوردي وجزم به غيره وبه يعلم ان الجائي من اليمن في البحر له ان يؤخر احرامه من محاذاة يلملم الى جدة لان مسافتها الى مكة كمسافة يلملم كما صرحوا به" (تحفہ [illegible])

اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرقی ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والوں کے لئے محاذات یلملم پر احرام باندھنا واجب نہیں، ہاں کوئی یہیں پر احرام باندھ لے تو افضل ہونے میں شبہ نہیں، کیونکہ میقات سے جتنا پہلے کوئی احرام باندھ لے اتنا ہی ثواب زیادہ ہے۔

اب قابل غور سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب ان لوگوں پر محاذات یلملم سے احرام باندھنا واجب نہ ہوا تو پھر کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا، جہاں سے تجاوز بلا احرام جائز نہیں۔

جدہ سے احرام باندھنے کا مسئلہ

یہ بات اوپر واضح ہوچکی ہے کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ خشکی کے راستے سے جدہ

طرف البحر ـ'' اور یہ ظاہر ہے، اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقے سے نہیں ہوتی، لہٰذا جدہ ان کے لئے میقات ہے۔

(۷ا شعبان ۱۳۴۸ھ)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ان سے زبانی بھی اس کی تصدیق ہوئی کہ حضرت مولانا موصوف اہل ہند کے لئے بحری جہاز سے آنے کی صورت میں جدہ ہی کو ان کا میقات قرار دیتے تھے۔ یہ تمام اقوال سابقہ اس پر تو متفق ہیں، کہ مکہ مکرمہ کی مسافت یلملم اور جدہ سے مساوی یعنی مرحلتین ہے، علامہ ابن حجر مکی اس مرحلتین کو عین محاذات قرار دے کر جدہ سے احرام کو جائز لکھتے ہیں، اور ملا علی قاری اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اس بنا پر جدہ کو قائم مقام محاذات کا قرار دیتے ہیں، کہ اصل محاذات کا علم نہیں، اس لئے مسافت کا اعتبار کر کے مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پہلے احرام باندھنا واجب ہے، اور جدہ چونکہ دو مرحلہ کی مسافت پر ہے، اس لئے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو گیا۔

ان تمام عبارات مرقومہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرات فقہاء نے اس مسافت کی تعیین میں میلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ مراحل کا اعتبار کیا ہے۔ اور مراحل کی مسافت میلوں کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فتح الباری وعمدۃ القاری میں بحوالہ ابن حزم یلملم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے، اور بعض علماء نے چالیس میل بھی فرمایا ہے، اور آج کل کے پیمائش کرنے والوں نے باون تک بتلایا ہے، پھر اسی کو سب نے مرحلتین بھی فرمایا ہے، اور قرن المنازل کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے مخدوم ہاشم سندھیؒ نے حیات القلوب میں بحوالہ باقانی شرح ملتقی الابحر بیاسی میل بتلایا ہے، اور اس کو بھی تمام فقہاء نے مرحلتین

ہی فرمایا ہے۔ کما فی البحر الرائق

اسی طرح ذات عرق کو بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پر لکھا ہے، ارشاد الساری ص:۵۵ والنووی شرح مسلم، تحفہ ابن حجر مکی، اور میلوں میں اس کا فاصلہ قسطلانی اور فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس میل بتلایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ میلوں کے اعتبار سے فاصلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، تیس میل کو بھی دو مرحلے قرار دیا، پچاس میل کو بھی، بیالیس میل کو بھی اور اعتبار مراحل کا کر کے ان کی مسافتوں کو مکہ مکرمہ سے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

جدہ کو میقات اہل یمن واہل مشرق قرار دینا اسی اصول پر مبنی ہے کہ مسافت مرحلتین پر ہے، اب میلوں کے اعتبار سے کتنا ہے، اس کی تحقیق ضروری نہیں رہی، آج کل کی پیمائش کے اعتبار سے جدہ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تقریباً چھیالیس میل ہے۔

میقات یلملم کے فاصلہ میں اختلاف کی وجہ

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اس تحدید مسافت میں مراحل کا اعتبار ہے، میلوں کی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تاہم میلوں کا فاصلہ بھی اکثر فقہاء و علماء لکھتے چلے آئے ہیں، شرح بخاری، عمدۃ القاری، فتح الباری وغیرہ میں تو بحوالہ ابن حزم یہ فاصلہ تیس میل بتلایا ہے، اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام ونور الظلام ص:۵۷، ج:۱ میں یہ فاصلہ چالیس میل لکھا ہے، اور آج کل بعض اہل فن نے یہ فاصلہ باون میل کا بتلایا ہے، اس اختلاف کا اصل منشاء موجود ہے، جو تحفہ شرح منہاج کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے

بتلایا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"وقد علمت ان يلملم جبل محاذ للسعدية و سمعت ان بحذاء السعدية جبلين احدهما بين طرفها المسمى ذي نمكة بينه وبين مكة اكثر من مرحلتين و الثاني مستد لجهة مكة بينه وبين مكة باعتبار طرفه الذي بجهتها مرحلتان فافهم."

(حواشی شروانیہ ص ۴۰ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ یلملم اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے، جو سعدیہ کے محاذ میں واقع ہے، اور وہ دو پہاڑ ہیں، ایک کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے میلوں کے اعتبار سے دو مرحلے سے زیادہ ہے، دوسرے کا فاصلہ دو مرحلے سے بھی کم معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجرؒ نے اسی دوسرے فاصلہ کا اعتبار کر کے تیس میل بتلایا ہے، اور جنہوں نے پہلے فاصلہ والا لیا، انہوں نے چالیس پچاس میل تک کا فاصلہ قرار دیا۔

میقات جدہ کے متعلق علماء کا اختلاف

تحفہ شرح منہاج ابن حجرؒ کے حوالہ سے جو بات اوپر نقل کی گئی ہے کہ جدہ کی مسافت بھی یلملم کی مسافت کے مساوی ہے، اس لئے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہے، اس کتاب کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے اس وقت کے علماء کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ علامہ شبلی مفتی مکہ اور فقیہ احمد بلخانی اور ابن زیاد یمنی وغیرہ علماء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، جو تحفہ میں لکھا ہے، یعنی جدہ سے احرام باندھنے کو درست و جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کے بالمقابل یمن کے مفتی علی عبداللہ بن عمر با مخرمہ، محمد بن ابی بکر اشخر، شیخ عبدالرؤف کا اختلاف بھی

نقل کیا ہے، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ جدہ کی مسافت مکہ مکرمہ تک بہ نسبت مسافت یلملم کے کم ہے، اس لئے حجاج کو چاہئے کہ ساحل جدہ میں اترنے سے پہلے جس جگہ سے جہاز ساحل جدہ اور حرم کی طرف رخ موڑتا ہے، وہاں سے احرام باندھ لیں، ساحل جدہ تک موخر نہ کریں، ان کے الفاظ بحوالہ وفائی یہ ہیں:

"عبارة الوفائی: فله ان یؤخر احرامه من محاذاة یلملم الی رأس العلم المعروف قبال مرسی جدة و هو حال توجه السفینة الی جهة الحرم و لیس له ان یؤخر الی جدة لانها اقرب من یلملم بنحو الربع و قولهم ان جدة و یلملم مرحلتان مرادهم ان کلا لا ینقص عن مرحلتین و ان تفاوتت المسافتان کما حققه من سلک الطریق الخ۔" (ص ۴۵ ج: ۲)

علماء عصر کی مجلس میں اس مسئلہ پر بحث

دارالعلوم کراچی، مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی، مدرسہ اشرف المدارس کراچی کے اہل علم وفتوی نے عرصے سے ایک مجلس کی تشکیل کی ہوئی ہے، جس کی غرض ایسے نئے جدید وقدیم مسائل پر بحث کر کے کوئی جہت متعین کرنا ہے، جس کا کوئی صریح حکم قرآن وسنت اور ائمہ فقہاء کے کلام میں موجود نہیں، اور علماء عصر کی رائیں ان میں مختلف ہیں، اب تک اس مجلس میں بہت سے اہم مسائل پر بحث ہو کر متفقہ رائے سے احکام مع تفصیل دلائل لکھ دیئے گئے، جو مستقل رسالوں کی صورت میں ہیں، اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔

کرنا جائز نہیں، بیت اللہ الحرام کے شمال سے آنے والوں کے لئے ذی الحلیفہ ہے، مغرب سے آنے والوں کے لئے جحفہ ہے، (جدید نام رابغ) جنوب سے آنے والوں کے لئے یمن کی سرزمین جبل یلملم ہے (جدید نام جبل سعدیہ) جنوب مشرق سے آنے والوں کیلئے قرن المنازل ہے، اور شمال مشرق سے آنے والوں کے لئے ذات عرق ہے، (جدید نام مقام ضریبہ) اب یا تو انہی مقامات پر گذر ہوگا، تو انہی مقامات سے احرام باندھنا ہوگا، یا ان سے فاصلے سے گذرنا ہوگا، تو دائیں یا بائیں یہ مقامات واقع ہوں گے، ان کی محاذات و مساحت سے احرام باندھنا ہوگا۔

اگر محاذات کی جگہ متعین نہ ہو سکے اور علم یا ظن غالب سے تعیین ممکن نہ ہو تو اس وقت ایسے مقام سے احرام باندھنا ہوگا، جس کا فاصلہ کم از کم دو مرحلہ عرفیہ یا تین مراحل شرعیہ ہوں، کیونکہ قریب ترین مواقیت کا فاصلہ اتنا ہی ہے، ظاہر ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے تجاوز جائز ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ محاذات میقات مجہول ہو، نیز جدہ تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات کے مطابق داخل میقات ہے، اب جو شخص بحری سفر کر رہا ہو محاذات میقات سے بلا احرام گذرے گا، اور داخل میقات کے مقام پر پہنچے گا، اس پر تجاوز عن المیقات بلا احرام کا حکم لگے گا، رہا کہ محاذات کا علم صحیح طریقہ سے ممکن نہیں، یہ بات صحیح نہیں، آج کل کے آلات اور نقشہ جات اور جہاز رانوں کی معلومات کے پیش نظر یہ محض خیال خام ہے، نیز آج کل پاکستان سے جو جہاز جاتے ہیں، جہاز ران تمام مسلمان ہوتے ہیں، اطلاع دینے والے کا فر کا سوال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن حجر ہیثمی مکی کا یہ فرمانا کہ جب تجاوز یمینۃ ویسرۃ یعنی دائیں بائیں ایسے حال میں ہو کہ مسافر کا رخ مکہ کے سمت میں نہ ہو، اور جب رخ مکہ کی طرف

ہو، اس وقت محاذات میقات سے احرام باندھنا ہوگا، قابل اطمینان نہیں ہے، جب مسافر کا قصد مکہ ہی ہے، اور آگے چل کر صحیح تعیین محاذات مشکل ہو، تو متعین محاذات کو چھوڑنا غیر معقول ہے، جب کہ میقات سے اور محاذات میقات سے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہو اور اسی وجہ سے ابن حجر مکی کے چند شارحین نے ان کی رائے کی مخالفت کی ہے، اگرچہ مدار خلاف کچھ اور ہے، صرف اتنی بات تجاوز عن المیقات کے لئے کہ مسافت جدہ اور یلملم کے برابر ہے، جدہ سے احرام باندھنے کے لئے کافی نہیں، یہ تو صرف اسی وقت حکم ہے کہ محاذات میقات کا تعین نہ ہو سکے، بہرحال جو کچھ ابن حجر مکی نے فرمایا ہے، وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے، اور تعجب ہے کہ موصوف نے دعویٰ کی تائید یا تدلیل میں کوئی نص فقہی یا حدیثی دلیل پیش نہیں فرمائی، اس لئے موصوف کا دعویٰ بلا دلیل ہے، اتنی بڑی بنیاد قائم کرنا صحیح نہیں، اور میرے نزدیک فقہی مسئلہ یہی ہے، کہ بحری مسافر کو یلملم کی محاذات ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے، ورنہ دم لازم آئے گا، اور توبہ بھی کرنا پڑے گی۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدرسہ اشرف المدارس کی رائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

بندہ نے مسئلہ محاذات میقات پر تنہا وصدہا اجتماعاً وانفراداً جب بھی غور کیا، تو ہر دفعہ یہی نتیجہ نکلا کہ محاذات بصورت دائرہ لی جائے گی، یعنی مکہ مکرمہ سے جس مقام کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے میقات کے فاصلے سے برابر ہوگا، وہ مقام محاذی میقات کہلائے گا، اس نظریہ پر مختصراً چند دلائل عرض کرتا ہوں۔

(۱)۔۔۔ محاذات میقات کے اصلی معنی یہ ہیں کہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتے

عن مرحلتين و ان تفاوتت المسافتان كما حققه من سلک الطريقين و هو عدد كادوا ان يتواتروا الخ." (حاشیہ شروانی علی تحفہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے مرحلتین کا اعتبار کرتے ہوئے جدہ کو یلملم سے محاذی قرار دیا ہے، ان کا بھی یہ مقصد نہیں کہ میلوں کا فرق غیر معتبر ہے، بلکہ ان کے نظریہ کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے مرحلتین کے اطلاق سے دونوں کی مسافت کو مساوی سمجھ لیا، لہٰذا اس پر تنبیہ کی گئی کہ دونوں کی مسافت مساوی نہیں بلکہ یلملم ابعد ہے۔

۴:..... قال الشروانی: "الامر الاول و هو ان مبنى المواقيت على التقريب كلام التحفة و النهاية و يلزمهم صريح خلافه." (حاشیہ شروانی ص۶۰ ج۴) حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف المسافت مواقیت کو دو مرحلے لکھتے ہیں، اس پر کوئی دلیل نہیں کہ محاذاۃ میں میلوں کا فرق غیر معتبر ہے، اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مسافت کو شمار کرتے وقت مراحل کی کسور کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اس میں کوئی مراحل کی خصوصیت نہیں، بلکہ ہر حساب میں ترک کسور کی عام عادت تھی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان مواقیت کی مسافت کو برابر قرار دیا ہے، ورنہ قرن المنازل کو آخر المواقیت قرار دینے کے کیا معنی؟ ڈھائی یا پونے تین مراحل کو بحذف کسر دو مرحلہ تو کہا جا سکتا ہے، مگر دو اور پونے تین مراحل کی مسافت کو برابر کہنا معقول نہیں۔ جیسے کہ دو ہزار اور پونے تین ہزار کو برابر نہیں کہا جا سکتا، یہ امر ویسے بھی بدیہی ہے اور مسلم ہے کہ مساواۃ تامہ بالکل برابری کو کہا جاتا ہے، البتہ اتنا قلیل فرق کہ جس کا حساب مشکل ہو، عرفاً ہدر ہوتا ہے۔ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار یسر پر ہے، لہٰذا مسافت کی مساواۃ معلوم کرنے میں فرلانگ وغیرہ کا حساب لگانا تو ضروری نہیں، بلکہ ایک آدھ میل کا فرق بھی نظر انداز کیا

جاسکتا ہے، مگر میلوں کا حساب تو سہل ہے، ہاں اگر کہیں میلوں کا حساب بھی مشکل ہو تو اسے بھی بدر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرن المنازل کی محاذاۃ میں ذات عرق کی تعیین اسی طرح فرمائی تھی۔ بعض حضرات کا جدہ اور یلملم کی مسافت کو برابر کہنا بھی اسی پر مبنی ہے۔

آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ یلملم جدہ میں سے کس کی مسافت زیادہ ہے، سو جدید تحقیقات کے علاوہ متقدمین نے بھی یلملم کی مسافت زیادہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ "وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ" اور حضرت تھانوی اور حضرت سہارنپوری قدس سرہما کے فتاویٰ بھی اسی پر مبنی ہیں کہ یلملم کی محاذاۃ جدہ پہنچنے سے قبل ہو جاتی ہے، مگر کسی نے دونوں کو برابر کہا ہے تو دوسرے حضرات نے اسے عدم العلم پر مبنی قرار دیا ہے۔ یلملم کی ابعدیت قول الاکثر و اوقع ہونے کے علاوہ ارجح بھی ہے۔ اس لئے کہ قول مساواۃ تو اندازاً بھی کیا جاسکتا ہے، اور قطعی تفاوت خصوصاً مقدار زیادہ کی تعیین اور دوسرے پر عدم علم کا حکم (کما فی حاشیہ شروانی) بدون کامل تحقیق کے نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ قول اوفق؛ "وکما حققہ من سلک الطریقین وھم عدد کثیر وان تواتروا" میں اس کی تصریح ہے کہ یہ فیصلہ جم غفیر نے کامل تحقیق کے بعد کیا ہے، شروانی نے وفائی اور عبدالرؤف تلمیذ شارح سے جو مقدار زیادتی کی تعیین نقل فرمائی ہے، تحقیقات جدیدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ... ... نتیجہ یہ کہ محاذات یلملم کا علم ہوتے ہوئے (جو اس زمانہ میں مشکل نہیں) جدہ تک تجاوز بدون احرام ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ

از اشرف المدارس ناظم آباد کراچی　　۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کے علمی اور عملی کمالات نہ ہو ہا ہر کتاب ضعیف کے لئے قابل غبطہ ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہما ۔

لیکن جن وجوہ کی بناء پر ان حضرات نے بحری مسافروں کے لئے جدہ سے احرام باندھنے کو ناجائز موجب دم قرار دیا ہے، ان پر احقر کا قلب منشرح نہیں، احقر نے جہاں تک غور وفکر کیا، ترجیح اسی کی معلوم ہوئی کہ بحری مسافروں کے لئے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا اور جدہ سے باندھنا نہ کوئی گناہ ہے، نہ اس سے دم لازم آتا ہے۔

اس کی تفصیلی وجوہ کا بیان پہلے ہو چکا ہے، اجمالاً مع اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ:

۱ یلملم کی محاذات سے جو تجاوز بحر میں ہوتا ہے، وہ تجاوز آفاق کے اندر ہے، حل یا جہت حرم کی طرف نہیں ہے، اس کو موجب دم قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا، جن لوگوں کا راستہ یلملم سے مکہ معظمہ کی طرف براہ راست جانے کا تھا یا اب ہے، وہ اگر یلملم کی محاذات سے جانب مکہ مکرمہ تجاوز کریں تو بے شک دم واجب ہوگا، لیکن آج کل بحری جہاز کے مسافر سمندر میں یلملم سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ سے آفاق کے اندر سفر کرتے ہیں، ان کا یہ سفر تجاوز عن المیقات یا عن ذات المیقات نہیں کہا جا سکتا۔

۲: جدہ کو فقہاء کا داخل میقات کہنا بھی اس کے منافی نہیں کہ جدہ سے احرام باندھنے کو جائز قرار دیا جائے، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جتنے بھی مواقیت ہیں، وہ سب اجزاء حل ہوتے ہیں، باہر سے بقصد مکہ مکرمہ آنے والا یہاں سے احرام باندھ سکتا ہے، اور یہاں کا یا اس کے قرب وجوار کا رہنے والا حلی کہلاتا

ہے، اس کے لئے دخول مکہ بلا احرام جائز ہے، اسی لئے فقہاء نے ضرورت کے مواقع کے لئے یہ حیلہ لکھا ہے کہ جو شخص باہر سے بقصد جدہ، جدہ میں داخل ہو، اس پر احرام لازم نہیں، پھر جدہ میں مقیم ہو کر اگر وہ مکہ مکرمہ میں بلا قصد حج وعمرہ جانا چاہے، تو اس وقت بھی اس پر احرام کی پابندی نہیں۔

۳: ...... بحری جہاز یلملم کی محاذات سے آگے جو جدہ کی طرف سفر کرتا ہے، وہ تمام سفر آفاق میں ہے، جب جہاز بڑے سمندر سے ساحل جدہ کا رخ کرتا ہے، اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب محاذات میقات کس جگہ ہوگی، اس کے متعلق عامہ فقہاء کا ارشاد یہ ہے کہ تحقیقی محاذات کا علم ہونا مشکل ہے اس لئے اقرب مواقیت کی مسافت کا اعتبار کر لیا جائے، یعنی جس جگہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دو مرحلہ ہے وہاں سے احرام باندھنا ضروری ہوگا، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جدہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دو مرحلہ ہے، اسی لئے شیخ ابن حجر مکی، ملا علی قاری، مخدوم ہاشم سندھی، وملا اخوند جان وغیرہ اکابر علماء نے جدہ کو بحکم میقات قرار دیا۔

رہا یہ معاملہ کہ آج کل حقیقی محاذات کا علم کچھ دشوار نہیں، کیونکہ فاصلوں کی پیمائش اور زاویوں کی تحقیق کے ایسے جدید آلات موجود ہیں، جن کی وجہ سے حقیقی محاذات معلوم کرنے کو مشکل کہنا بے معنی ہے، اس میں قابل نظر یہ بات ہے، کہ بلاشبہ پیمائش کے آلات وذرائع تو اس زمانے میں بہت موجود ہیں، سیاروں کے فاصلے اور زاویے ان سے صحیح لگائے جا سکتے ہیں، زمین کی مسافتوں کا تو کہنا کیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مبدا ومنتہیٰ کا تعین تو آلات سے نہیں روایات سے ہوگا، منتہیٰ تو متعین ہے کہ بیت اللہ ہے لیکن مبدا، یعنی میقات جس کی محاذات دیکھنا ہو وہ کیا ہے، اس کا عرض وطول کتنا ہے، اس کے کس گوشہ سے محاذات دیکھی جائے گی، یہ

کا مدار تو جدید آلات کا نہیں، اس میں تو قدیم فقہاء کا قول ہی مستند ہو سکتا ہے، تحفہ شرح منہاج کے حواشی سے یہ بات اوپر لکھی جا چکی ہے، کہ یلملم جس کی محاذات کا یہاں اعتبار کرنا زیر بحث ہے، وہ حسب تصریح فقہاء سعدیہ کے بالمقابل پہاڑ ہے، اور یہ پہاڑ دو ہیں، ایک پہاڑ سے مکہ مکرمہ کی مسافت دو مرحلہ سے بھی زائد ہے، اور دوسرے پہاڑ سے مسافت لی جائے تو دو مرحلہ یا اس سے بھی کچھ کم ہے۔

فتح الباری، عمدۃ القاری اور تمام کتب معتبرہ میں بحوالہ ابن حزم یلملم سے جو مسافت مکہ مکرمہ کی بیان کی گئی ہے، وہی قابل اعتماد ہے، آج کل کے نئے پیمائش کرنے والوں میں کسی نے تو خود سعدیہ ہی کو یلملم قرار دے کر وہاں سے مسافت لی ہے کسی نے کسی دوسری جگہ سے، ان کے آلات اور پیمائش کے حسابات کتنے ہی صحیح ہوں، مگر میداء کے تعین میں ان کا قول بمقابلہ علماء سابقین کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور ان حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یلملم کی محاذات بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ ہے اور جدہ کی مسافت بھی، اب رہا میلوں کا فرق، سو احکام شرعیہ کا مدار کسی جگہ بھی اس طرح کی تدقیقات پر نہیں ہے، مواقیت کے مسائل و احکام پر نظر کرنے سے یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے، کہ اس معاملہ میں اتنی تدقیق کا اعتبار نہیں کیا، یہ سطور اتفاق سے ایسے حال میں لکھ رہا ہوں، جب کہ ایک شدید مرض کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے پر قدرت نہیں، لیٹے ہوئے لکھی ہیں، مقصد یہ ہے کہ آراء مخالفہ مع وجوہ کے علماء کے سامنے آجائیں تا کہ ان میں غور کر کے وہ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

عوام کے لئے

ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں۔

یا ساحل جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسب تصریح فقہاء محل اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے، تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے، اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظورات احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظورات احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک موخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہئے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے۔

و اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ نسأل ان یهدینا لما اختلف فیه الی الحق باذنه وهو ولی التوفیق و السداد و الصواب و به نستعین و لا حول و لا قوة الا به۔

حد مواقیت کے اندر رہنے والے

اوپر جو احرام کے احکام کا بیان ہوا ہے، وہ اہل آفاق کے لئے ہے یعنی جو حلقہ مواقیت سے باہر تمام دنیا میں کسی جگہ رہتے ہیں، اور وہاں سے بقصد مکہ مکرمہ حل صغیر یعنی حدود مواقیت کے اندر داخل ہوتے ہیں، ان پر مواقیت یا ان کی محاذات سے احرام باندھنا لازم ہے، اور جو لوگ خود مواقیت اور یا ان کے اور حد حرم کے درمیان کے رہنے والے ہیں، جس کو حل کہا جاتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حج یا عمرہ کے سوا کسی دوسرے کام کے لئے مکہ مکرمہ جانا چاہیں، تو ان پر احرام باندھنے اور حج یا عمرہ کرنے کی کوئی پابندی باتفاق ائمہ نہیں ہے، وہ جیسا چاہیں بلا احرام مکہ مکرمہ جاسکتے ہیں۔

ہاں اگر حج یا عمرہ کے ارادے سے جائیں، تو ان کے لئے افضل تو یہ ہے کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ لیں، ورنہ حد حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہوگا۔ بقصد حج وعمرہ اگر یہ لوگ حدود حرم میں بلا احرام داخل ہوں گے، تو ان پر بھی دم (قربانی) لازم ہوگی۔

مناسک ملا علی قاری میں ہے:

"الصنف الثانی و هم الذین منازلهم فی نفس المیقات او داخل المیقات الی الحرم فوقتهم الحل ای فمیقاتهم جمیع المسافة من المیقات الی انتهاء الحل للحج و العمرة و هم فی سعة ای جواز و رخصة و عدم لزوم کفارة ما لم یدخلوا ارض الحرم ای بلا احرام و من دویرة اهلهم افضل و لهم دخول مکة بغیر احرام اذا لم یریدوا نسکا." (ص: ارشاد الساری ۵۴)

مسئلہ: اگر کوئی حدود میقات کے اندر یعنی حل صغیر میں رہتا ہے، اور کسی ضرورت سے آفاق یعنی حدود میقات سے باہر گیا، تو وہ بھی آفاقی کے حکم میں ہوگا، یعنی اگر وہ بھی بقصد دخول مکہ مکرمہ یا حرم حد میقات کے اندر آئے گا، تو اس پر بھی احرام حج یا عمرہ کا لازم ہو جائے گا، اب بغیر احرام کے اس کو مکہ مکرمہ یا حرم میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا، ہاں آفاق سے واپس اپنے گھر آنے کا قصد ہو، مکہ مکرمہ یا حرم کا اس وقت ارادہ نہ ہو، تو اپنے گھر میں بلا احرام آ سکتا ہے، اور جب یہاں بلا احرام پہنچ گیا، اب اگر یہاں سے مکہ معظمہ جانے کی کوئی ضرورت پیش آئے، تو بغیر احرام کے جا سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کا جانا بقصد حج وعمرہ نہ ہو، کسی اور ضرورت کے لئے ہو۔

مسئلہ: یہ جو اوپر لکھا گیا ہے کہ جو لوگ عین میقات پر یا داخل میقات رہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مواقیت کے اندر رہتے ہیں، ان کا وہ حکم ہے جو ابھی لکھا گیا ہے، لیکن وہ لوگ جو کسی ایک میقات کے اندر ہیں، مگر دوسرے میقات سے باہر جیسے ذوالحلیفہ سے رابغ تک کے وہ مقامات جو حد حل میں داخل ہیں، ان کے رہنے والے میقات ذوالحلیفہ کے تو اندر ہیں، مگر میقات جحفہ کے باہر ہیں تو ایسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بھی آفاقی لوگوں کے حکم میں ہیں، ان کے لئے دخول مکہ مکرمہ یا حرم بغیر احرام کے جائز نہیں۔

(حاشیہ ارشاد الساری بحوالہ در المختار ص: ۵۷)

مسئلہ: جب کہ مشرقی ممالک سے بحری راستہ پر آنے والوں کے لئے جدہ کو میقات قرار دیا گیا، جیسا کہ پہلے بتلایا گیا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جدہ والے بھی مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے نہ جا سکیں، کیونکہ مواقیت سب اجزاء حل ہوتے ہیں، ان میں یا ان کے قرب وجوار میں رہنے والوں پر بدون حج وعمرہ کے احرام کی کوئی پابندی نہیں ہوتی، اسی لئے بعض فقہاء نے اس شخص کے لئے جو کسی وجہ سے احرام باندھنے پر مجبور ہو، حیلہ یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے سفر میں جدہ یا خلیص کا قصد کرے دائرہ مواقیت یعنی حل صغیر میں داخل ہو جائے، اور جب وہ ان مقامات میں سے کسی جگہ جا کر اتر گیا، تو وہ بھی میقاتی اور حلی لوگوں کے حکم میں ہو گیا، اب اگر وہ بلا قصد حج وعمرہ کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ جانا چاہے، تو وہ بھی بغیر احرام کے جا سکتا ہے۔

حدودِ حرم کے اندر رہنے والے

جو لوگ حدود حرم کے اندر مثلاً مکہ مکرمہ یا منیٰ وغیرہ میں رہتے ہیں، اگر وہ حج

کا ارادہ کریں، تو ان کا میقات حرم ہی ہے، حدود حرم میں جہاں سے چاہیں، احرام باندھ سکتے ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ مسجد حرام سے یا اپنے گھر سے احرام باندھیں، اور اگر عمرہ کرنا چاہیں، تو ان کا میقات حل ہے، جو حدود حرم سے باہر ہے، وہ حدود حرم سے باہر تنعیم، یا جعرانہ وغیرہ جا کر عمرہ کا احرام باندھیں، پھر مکہ مکرمہ آ کر افعال عمرہ ادا کریں۔

مسئلہ: جو لوگ آفاق کے رہنے والے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں داخل ہو جائیں، ان کا بھی حکم وہی ہے جو اہل مکہ کا ہے، کہ اگر یہ عمرہ کرنا چاہیں، تو حدود حرم سے باہر تنعیم یا جعرانہ جا کر احرام باندھیں اور حج کا احرام حرم ہی سے باندھیں۔

مسئلہ: یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آفاقی لوگ جو اشہر حج میں جو شوال سے ذی الحجہ تک ہیں، احرام عمرہ باندھ کر داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلال ہو گئے ان کا یہ عمرہ تمتع کا ہو گا، اس عمرہ کے بعد حج سے پہلے کوئی دوسرا عمرہ یہ نہیں کر سکتے، حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کر سکتے ہیں۔

مسئلہ: جو آفاقی آدمی اشہر حج سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اور عمرہ کر کے حلال ہو گیا، اس کا یہ عمرہ تمتع کا نہیں ہے، اس لئے اس کو شوال شروع ہونے سے پہلے دوسرے عمرے کرنے کا بھی اختیار ہے۔

مسئلہ: کوئی مکہ مکرمہ یا حدود حرم کے اندر کا رہنے والا اگر حدود میقات سے باہر آفاق میں کسی وجہ سے چلا جائے، تو اب اس کو حکم بھی آفاقی کا حکم ہو جاتا ہے، اگر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ یا حدود حرم کے اندر جانے کے قصد سے حدود مواقیت کے اندر آئے گا، تو اس پر لازم ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے احرام باندھ کر

آنے بغیر احرام کے داخل ہونا آفاق میں جانے کے بعد اس کے لئے بھی جائز نہیں تھا۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، والحمد للّٰہ اولہ وآخرہ و علانیتہ و سرہ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

ناکارہ خلائق بندہ

محمد شفیع

خادم دار العلوم کراچی

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

۵۴

خطبہ حجۃ الوداع

تدوین متن : زیر نگرانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

ترجمہ اردو : حکیم محمد نعیم الدین صاحب زبیری

ترجمہ انگریزی : جناب فضل احمد صدیقی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ حجۃ الوداع

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر کم بیش ایک لاکھ انسانوں کے درمیان مکے سے متصل انبیا کی مبارک سرزمین پر واقع میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت پر ایستادہ ہوکر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

یہ خطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوق انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ دی ہوئی ہدایات پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا نہ آئندہ کیا جا سکے گا۔ اس لحاظ سے صاحب جوامع الکلم اور افصح العرب والعجم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ حرفِ آخر ہیں اور اس بنا پر اس خطبے کو ایک دائمی انسانی منشور (ہیومن چارٹر) قرار دینا چاہیے۔

ان تمام اسباب سے اس خطبے کی اشاعت ایک عظیم سعادت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے سرکارِ دوعالم (فداہ ابی وامی) نے خود اس خطبے کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس خطبے کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچایا جائے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کی تخصیص بھی نہیں فرمائی۔ چناں چہ سارے عالم میں اس خطبے کی اشاعت کا فرض ہم پر عائد ہوتا ہے۔ میں بارگاہِ رب العزت میں شکر گزار ہوں کہ اس حکم کی تعمیل کی توفیق بھی مجھے نصیب ہو رہی ہے۔ پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

حکیم محمد سعید

آپ نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی: خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

After praising Almighty the Creator he started address in these words:-

"There is none to worship except God. None is like Him or equals Him nor has He any co-sharer. He fulfilled His promise and helped His own creature and messenger, and He alone defeated and smashed all the concerted forces of falsehood"

أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا قَوْلِيْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ وَلَعَلِّيْ لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا بِهٰذَا الْمَوْقِفِ أَبَدًا۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَبْيَضَ وَّلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

لوگو! میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا)۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم

تب آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام فخر و غرور ختم کر کے عزت و حرمت والے فضائل تقویٰ میں ہی ہے جو قرآن نے بتلایا ہے ۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے نہ گورا کالے سے ۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے ۔

O ye people! listen to me, as I do not think we may have another opportunity of meeting again as in this gathering (and presumably I may not perform another Hajj).

People! God almighty say: "O mankind We created you from a male-and-female couple and made you into tribes and nations so as to be known one from the other Verily in the eyes of God only the most righteous among you is the most honoured of you. "In the light of this Quoranic verse, the prophet continued, no Arab had any superiority and respectability was the one element of piety.

اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ اَلَا كُلُّ مَأْثَرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدْعٰى بِهٖ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ ثُمَّ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ لَا تَجِيْئُوْا بِالدُّنْيَا تَحْمِلُوْنَهَا عَلٰى رِقَابِكُمْ وَيَجِيْءُ النَّاسُ بِالْآخِرَةِ فَلَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علی حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

All created beings, he said, were the off-spring of Adam and the very existence of Adam was that he sprang from dust. "Hence all claims to superiority and greatness, all demands for blood or ransom and all false traits or trends of rule have been trodden under my feet. Only the trusteeship over the Kaaba and the age-old right to serve water to the Hajees will remain intact".

The Prophet further observed: "O ye the clan of Quraish, see lest you should appear resurrected on the Day of Judgment before God laden with worldly weight (of sins) against others equipped with acts of goodness deserving salvation. if that happened, i shall not be in a position to keep you up in the presence of the Creator.

مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ

وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ، أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ إِلَى أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا وَإِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر دیا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر ومباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہاری خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لئے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

O the people of Quraish. God has put an end to your notions of false vanity and there is no room left now for your feeling proud any longer of your forefathers deeds. Now everybody's blood, property and prestige have become sacrosanct for others. All these are now of the same significance and sanctity as the sanctity of this holy month and specially in this city.

أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَى مَنِ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا۔

دیکھو تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

اور کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت

رہنے والے لوگوں تک پہنچا دے۔

After me do not go astray and begin to kill one another.

If anybody is made custodian of anything, he must keep that trust till the thing held in custody is restored to the rightful owner.

أَيُّهَا النَّاسُ كُلُّ مُسْلِمٍ أَخُو الْمُسْلِمِ وَأَنَّ الْمُسْلِمِينَ إِخْوَةٌ أَرِقَّاءَكُمْ أَرِقَّاءَكُمْ أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور ویسا ہی پہناؤ جیسا خود پہنتے ہو۔

O Ye people, a Muslim is another Muslim's brother and thus all Muslims are brothers among themselves.

Take care of your salves. Let them eat what you yourself eat and let them wear as you wear for yourself.

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ۔

دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے اب یہ ختم ہو گیا۔

All that prevailed during the pre-Islamic times of ignorance has been trampled under my feet. All blood dues of the days of ignorance have been written off and henceforth none will wreak vengeance on the other. The first right to retaliated pertaining to my own house stands waived. I hereby pardon the murder by Banu Hazail of the sucking babe of Rabia, son of Haris, who belonged to my family.

All interest or usurious dues coming from the time of ignorance stand scratched off and I lead the rest by cancelling the interest payable to the family of my uncle Abbas Bin Abdel Mutalib.

أيها الناس إن الله عز وجل قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث

لوگو! خدا نے ہر حقدار کو اس کا حق خود دے دیا، اب کوئی کسی وارث کے حق کے لیے وصیت نہ کرے۔

O ye people. God has (through the law of inheritance) fixed the right of every rightful heir, therefore no other testament be considered valid for any of these.

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہو۔ جس پر حرامکاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب و کتاب خدا کے یہاں ہوگا۔

Only the child born within wedlock will be considered legitimate heir to the parents. Adultery proved will be punishable with stoning. All acts of omission and commission will be accountable to God hereafter.

مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلہ میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

Anybody claiming false ancestry or ascribing untrue bondage against his own master will be accursed by God.

اَلدَّيْنُ مَقْضِىٌّ وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ

قرض قابل ادائی ہے، عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفہ کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

Debts payable should be cleared, all borrowed property is to be returned, while gifts should be countered and a surety must make good the loss on behalf of the assured.

وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی سے دے خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

It is not proper for anybody to have anything from his brother except whatever be given over through brother's consent and pleasure. Do not overstep yourselves as well as others and allow no excesses whatsoever.

اَلَا لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ اَنْ تُعْطِيَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِهٖ

عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

A woman has no right to part with or transfer to any other person her husband's property without the latter's express permission.

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاَنْ تَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر

you have accepted them in the name of God and in His name have they been made lawful to you. O people understand what I say. I have conveyed to you the message of God

وَإِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ

میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے، اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

I leave in your midst a thing which, if held by, will never let you go astray. And that is the holy Book of God. And beware exceeding limits fixed in matters of religion. Races which preceded you, perished because of similar unwarranted lapses.

وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ فِي أَرْضِكُمْ هٰذِهٖ أَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ فَاحْذَرُوهُ عَلٰى دِينِكُمْ۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

Satan has now been spared no hope of being worshipped any more in this City of yours. However, chances are yet there that in matters unwittingly considered minor by you, satan's way may prevail. Even that much may afford him a covenient footing. So, take care to safeguard your faith and religion against Satanic persuasions

أَلَا فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكٰوةَ أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّوا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَأَطِيعُوا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پنج وقتہ نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

O ye people! worship the one God Almighty. Remain punctual in your daily five-time observances. Keep a month's fasts (during the Ramazan). Pay out Zakat on your capital with a good cheer and perform pilgrimage to the House of God and obey your Emirs. Thus shall you enter God's paradise.

أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ إِلَّا عَلٰى نَفْسِهِ أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهِ

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا، اب نہ باپ کے بدلے بیٹا

مجرم باپ کا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

Henceforth a criminal will him-self be answerable for his crime. A son will not be chargeable on father's count nor will a father repay for the son's doings.

أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

Listen! those who are present here should convey my message to others not present here. May be many of those not even present on this occasion may prove of greater understanding and be better trustees of what I have conveyed unto you.

وَأَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

And O ye people, you may be questioned (by God) about me. what will be your reply?

قَالُوْا نَشْهَدُ بِأَنَّكَ قَدْ أَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

The people cried in reply:

"We shall bear witness that you conveyed to us the divine message entrusted to you as Apostle of God and led us to the path of truth and goodness."

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بإصبعه السبابة يرفعها إلى السماء وينكتها إلى الناس اللهم اشهد اللهم اشهد اللهم اشهد

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ یا اللہ گواہ رہنا، خدایا گواہ رہنا، خدایا گواہ رہنا۔

Hearing that, Prophet Muhammad, peace be on him, pointing with his index finger towards the heaven, signed to the gathering and observed thrice in devout passion:

"Be witness to it, O my God Almighty" !.

احکامِ حج

تاریخ تالیف ——— رجب ۱۳۹۴ھ (مطابق ۱۹۷۴ء)

مقام تالیف ——— دارالعلوم کراچی

اس کتاب میں حج وعمرہ کے تمام ضروری مسائل اور طریقۂ حج وعمرہ نہایت آسان زبان، مکمل ترتیب اور مستند فقہی کتابوں کے حوالے لکھے گئے ہیں جو بحمداللہ مقبول عام ہوئی اور بار بار اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔

عرض حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احکام حج کے متعلق سینکڑوں علماء نے مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں بعض ان میں سے بہت مفصل ہیں اور بعض مجمل ہیں اس مختصر رسالہ کا مقصد آسان زبان میں آسان ترتیب کے ساتھ صرف ضروری احکام کا بیان ہے جو انہی بزرگوں کی کتابوں سے لیا گیا ہے اور اکثر جگہ ان کتابوں کے حوالے لکھ دیئے گئے ہیں۔ حدیث وفقہ کی عام کتابوں کے علاوہ جن کتابوں سے مسائل لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ مناسک ملا علی قاری، غنیۃ الناسک، زبدۃ المناسک تصنیف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ مع اس کی شرح کے مصنف حضرت حاجی شیر محمد صاحب مہاجر مدنی اور بیشتر مسائل اسی کتاب سے ماخوذ ہیں اصل خدمت انہی بزرگوں کی ہے اور ناکارہ کا حصہ اس میں محض ترتیب وتسہیل کا ہے جو بعض اپنے بزرگوں کے حکم کی تعمیل کے لئے شوال ۱۳۸۷ھ میں دس روز کے اندر لکھا گیا ہے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ ان بزرگوں کی برکت سے اس کو بھی قبول فرمالیں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۹۲ھ

حج میں اصطلاحی الفاظ کی وضاحت اور خاص خاص مبارک مقامات کی تشریح

«بترتیب حروف تہجی»

احرام

کے معنی کسی چیز کو حرام کرنا، حاجی جس وقت حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت پختہ کر کے تلبیہ پڑھتا ہے تو اس پر چند حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو احرام کہتے ہیں اور مجازاً ان چادروں کو بھی احرام کہتے ہیں جن کو حاجی احرام کی حالت میں استعمال کرتے ہیں۔

استلام

حجر اسود کو بوسہ دینا اور ہاتھ سے چھونا یا حجر اسود یا رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگانا۔

اضطباع

احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔

آفاقی

وہ شخص ہے جو میقات کی حدود سے باہر رہتا ہو، جیسے ہندوستانی،

پاکستانی، مصری، شامی، عراقی، اور ایرانی وغیرہ۔

اشہرِ حج

(حج کے مہینے) شوال، ذوالقعدہ کامل ذوالحجہ کے شروع کے دس دن۔

ایامِ تشریق

نویں ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک۔ جن ایام میں تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے۔

افراد

صرف حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال ادا کرنا۔

بیت اللہ

خانہ کعبہ کو کہتے ہیں جس کی پوری تشریح آگے کعبہ مکرمہ میں آرہی ہے۔

بطنِ عرنہ

عرفات کے قریب ایک جنگل ہے جس میں وقوف درست نہیں ہے کیونکہ یہ عرفات سے خارج ہے۔

باب السلام

اس نام کا ایک دروازہ مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا ہے پہلے پہل جب مسجد احرام میں داخل ہوں تو اس دروازہ سے جانا افضل ہے دوسرا اسی نام کا دروازہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کا ہے۔

باب جبریل

یہ مسجد نبوی کا ایک دروازہ ہے یہاں سے سیدنا جبریل نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اسی دروازے سے جنت البقیع جاتے ہیں۔

تمتع

حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کرنا پھر اسی سال میں حج کا احرام باندھ کر حج کرنا۔

تکبیر

اللہ اکبر کہنا۔

تلبیہ

لبیک اللّٰھم لبیک ... الخ پڑھنا۔

تہلیل

لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھنا۔

تنعیم

ایک مقام کا نام ہے مکہ مکرمہ کے قیام میں یہاں سے عمرہ کے لئے احرام باندھتے ہیں یہ مکہ سے تین میل ہے اور حدود حرم میں سب سے قریب یہی جگہ ہے۔ یہاں ایک مسجد ہے جسے مسجد عائشہؓ کہتے ہیں عام لوگ اس کو چھوٹا عمرہ اور عمرہ وغیرہ کہتے ہیں۔

جنایت

ممنوعات احرام اور احکام حج کی خلاف ورزی کو جنایت کہا جاتا ہے اس کی جمع جنایات آتی ہے۔

جمرات یا جمار

منیٰ میں تین مقام ہیں جن پر پتھر کے ستون بنے ہوئے ہیں یہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں ان میں سے جو مسجد خیف کے قریب مشرق کی طرف ہے اس کو جمرۃ الاولیٰ کہتے ہیں اور اس کے بعد والے کو جمرۃ الوسطیٰ اور اس کے بعد والے کو

جمرۃ العقبہ اور جمرۃ الاخریٰ کہتے ہیں۔

جحفہ

رابغ کے قریب مکہ سے تین منزل پر ایک مقام ہے یہ شام سے آنے والوں کی میقات ہے۔

جنت المعلیٰ

مکہ کا وہ قبرستان ہے جہاں ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضور کے صاحبزادے اور دوسرے صحابہ کرام مدفون ہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی قبر بھی یہیں ہے۔

جنت البقیع

یہ مدینہ طیبہ کا وہ قبرستان ہے یہاں حضور کے چچا سیدنا عباسؓ اور سیدنا امام حسنؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ اور دیگر ہزارہا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مدفون ہیں علاوہ ازیں حضور کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؑ حضرت فاطمہؓ حلیمہ سعدیہ اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اجمعین بھی یہیں مدفون ہیں سوائے حضرت میمونہؓ کے کیونکہ ان کا مدفن مقام سرف ہے۔

جبل ثبیر

منیٰ میں ایک پہاڑ ہے۔

جبل ثور

ایک مشہور پہاڑ ہے جو مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں بائیں طرف پڑتا ہے اس کی اونچی چوٹی دور سے نظر آتی ہے غار حرا اسی میں واقع ہے۔

جبل رحمت

عرفات میں ایک پہاڑ ہے۔

جبل قزح

مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے۔

جبل اُحد

مدینہ منورہ سے باہر تقریباً تین میل پر ایک پہاڑ ہے جہاں جنگ اُحد ہوئی تھی، یہاں شہداء کے مزارات ہیں۔

جبل ابو قبیس

مکہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جو صفا پہاڑی کے قریب ہے جہاں پر ایک مسجد ہے جسے مسجد بلال کہتے ہیں بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ معجزہ شق القمر یہیں ظاہر ہوا تھا۔

حج کے مہینے

شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن۔

حجر اسود

سیاہ پتھر، یہ جنت کا پتھر ہے جنت سے آنے کے وقت یہ دودھ کے مانند سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا یہ بیت اللہ کے مشرقی جنوبی گوشے میں قد آدم کے قریب اونچائی پر دیوار میں گڑا ہوا ہے۔ اس کے چاروں طرف چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہے۔

حدیبیہ

جدہ سے مکہ جانے والے راستہ پر حدود حرم سے پہلے ایک مقام کا نام ہے آج

کل یہ شمیسیہ کے نام سے معروف ہے اسی جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے یہاں نبی علیہ السلام نے کفار کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا تھا اور بیعت الرضوان حضور ﷺ نے یہیں پر صحابہ سے لی تھی یہاں سے حرم کی حد شروع ہوتی ہے۔

حطیم

بیت اللہ کی شمالی جانب بیت اللہ سے متصل قد آدم دیوار سے کچھ حصہ زمین کا گھرا ہوا ہے اس کو حطیم، حجر اور حظیرہ بھی کہتے ہیں اس حصہ کو بھی طواف میں شامل کرنا واجب ہے۔ یہ کعبہ شریف کا حصہ ہے قریش مکہ نے زمانہ اسلام سے قبل کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو سامان خرچ کی کمی کے باعث اس حصہ کی تعمیر چھوڑ دی تھی۔

حرم

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور تک زمین حرم کہلاتی ہے اس کی حدود پر نشانات لگے ہوئے ہیں اس میں شکار کھیلنا درخت کاٹنا یا توڑ گھاس چرانا حرام ہے۔

حرمی یا اہل حرم

وہ شخص جو زمین حرم میں رہتا ہو خواہ مکہ میں رہتا ہو یا مکہ سے باہر حدود حرم میں۔

حل

حرم کے چاروں طرف یعنی حدود حرم سے باہر اور مواقیت کے اندر جو زمین ہے اس کو حل کہتے ہیں کیونکہ اس میں وہ چیزیں حلال ہیں جو حرم کے اندر حرام ہیں۔

حلی

زمین حل کا رہنے والا۔

حلق

سر کے بال منڈوانا یا خود مونڈ لینا۔ اس کے ذریعہ احرام سے نکلتے ہیں۔

دم

احرام کی حالت میں بعض ممنوع افعال کرنے سے بکری وغیرہ ذبح کرنی واجب ہوتی ہے اس کو دم کہتے ہیں۔

ذوالحلیفہ

یہ ایک جگہ کا نام ہے مدینہ سے مکہ آتے ہوئے تقریباً چھ میل پر واقع ہے جو مدینہ والوں کے لئے میقات ہے اس کو آج کل بیرعلی کہتے ہیں۔

ذات عرق

ایک مقام کا نام ہے جو آج کل ویران ہو گیا ہے مکہ مکرمہ سے تقریباً تین روز کی مسافت پر عراق کی طرف ہے عراق سے مکہ آنے والوں کی میقات ہے۔

رکن یمانی

بیت اللہ کے جنوبی مغربی گوشہ کو کہتے ہیں جو یمن کی جانب ہے۔

رکن عراقی

بیت اللہ کا شرقی شمالی گوشہ جو عراق کی طرف ہے۔

رکن شامی

بیت اللہ کا وہ گوشہ جو شام کی طرف ہے یعنی مغربی شمالی۔

رمل

طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر شانہ ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیزی سے چلنا۔

رمی

جمرات پر کنکریاں پھینکنا۔

زمزم

مسجد حرام میں بیت اللہ کے قریب ایک کنواں ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے چشمہ کی صورت میں اپنے نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کے لئے جاری فرمایا تھا اور ہزاروں سال سے اب تک جاری ہے۔

سعی

صفا اور مروہ کے درمیان مخصوص طریق سے سات چکر لگانا۔

شوط

بیت اللہ کے چاروں طرف سات بار پھرا کرتے ہیں ہر چکر کو شوط کہتے ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کے وقت صفا سے مروہ تک جانے کو بھی ایک شوط اور مروہ سے صفا تک آنے کو دوسرا شوط کہتے ہیں اسی طرح باقی سات تک۔

صفا

کعبہ شریف کے قریب جنوب کی جانب ایک پہاڑی ہے جس سے سعی شروع ہوتی ہے۔

طواف

کعبہ شریف کے چاروں طرف سات مرتبہ گھومنا۔

طواف قدوم

مکہ معظمہ میں پہنچتے ہی جو پہلا طواف کرتے ہیں اسے طواف قدوم کہتے

ہیں یہ طواف قارن اور مفرد آفاقی کے لئے سنت ہے۔

طواف زیارت

وہ طواف جو وقوف عرفات کے بعد کیا جاتا ہے اسے طواف رکن بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ حج کا فرض ہے۔

طواف وداع

مکہ سے واپس ہوتے وقت جو طواف کرتے ہیں طواف وداع کہلاتا ہے۔ اسے طواف صدر بھی کہتے ہیں۔

عمرہ

حل یا میقات سے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرنا۔

عرفات

مکہ مکرمہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر حد حرم سے باہر ایک عظیم الشان میدان ہے جہاں حج ہوتا ہے۔

غار حراء

جہاں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی جبل نور میں ہے جو کہ منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے اور اس کی اونچی چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔

غار ثور

اس غار میں حضور ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے تین روز قیام فرمایا تھا۔

قران

حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ اور پھر حج کرنا۔

قارن

قران کرنے والا۔

قرن

مکہ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جو نجد یمن و نجد حجاز اور نجد تہامہ سے آنے والوں کی میقات ہے۔

قصر

احرام سے باہر ہونے کے لئے بال کتروانا یا خود کاٹ لینا۔

کعبہ مکرمہ

جسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں یہ مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے بیچ میں ایک مقدس مکان اور دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ ہے اس کو فرشتوں نے حق تعالیٰ کے حکم سے آدم کی پیدائش سے بھی پہلے بنایا تھا پھر منہدم ہو جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر قریش نے پھر عبداللہ بن زبیر نے پھر عبدالملک نے اور اس کے بعد بھی مختلف زمانوں میں چھوٹی چھوٹی مرمت ہوتی رہی ہے یہ مسلمانوں کا قبلہ ہے اسی طرف رخ کر کے سارے عالم کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔

مُحرم

احرام باندھنے والا۔

مُفرِد

جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو۔

سعی (دوڑ کر چلتے) ہیں۔

مسعیٰ

صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے (یعنی دوڑنے) کی جگہ۔

مَروہ

بیت اللہ کے شرقی شمال گوشہ کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر سعی ختم ہوتی ہے۔

منیٰ

مکہ معظمہ سے تین میل مشرق کی طرف دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے جہاں پر رمی اور قربانی کی جاتی ہے یہ حرم میں داخل ہے یہاں تین دن قیام رہتا ہے۔

مدعیٰ

دعا مانگنے کی جگہ اس سے مسجد حرام اور مکہ کے قبرستان کے درمیان ایک جگہ مراد ہے جہاں مکہ میں داخل ہونے کے وقت دعا مانگنا مستحب ہے۔

مسجد خیف

منیٰ کی بڑی مسجد کا نام ہے جو منیٰ کے شمال کی جانب میں پہاڑ سے متصل ہے۔

مسجد نمرہ

عرفات کے کنارے پر ایک مسجد ہے۔

مزدلفہ

منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک میدان ہے جو منیٰ سے تقریباً تین میل شرق

کی جانب ہے عرفات سے واپس ہو کر یہاں رات گزارتے ہیں۔

محسّر

مزدلفہ سے ملا ہوا ایک میدان ہے جہاں سے گذرتے وقت دوڑ کر نکلتے ہیں اس جگہ اصحاب فیل پر جنہوں نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تھی عذاب نازل ہوا تھا۔

موقف

ٹھہرنے کی جگہ اس سے میدان عرفات یا مزدلفہ میں ٹھہرانے کی جگہ مراد ہوتی ہے۔

مسجد الرایۃ

یہ مسجد جنت المعلیٰ کے راستہ میں ہے فتح مکہ کے دن یہاں حضور اقدس ﷺ نے جھنڈا نصب فرمایا تھا۔

مسجد قبا

مدینہ طیبہ سے تقریباً تین میل پہلے ایک مسجد ہے جس کی تعمیر میں نبی علیہ السلام نے بذات خود شرکت فرمائی تھی مدینہ کے پاس یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی مسجد ہے اس میں دو نفل پڑھنے کا اجر ایک عمرہ کے برابر ہے یہاں ہفتہ کے دن جانا مستحب ہے۔

مساجد خندق

غزوہ احزاب کے موقعہ پر جس جگہ خندق کھودی گئی تھی وہاں چند مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک مسجد کو مسجد احزاب اور مسجد فتح کہتے ہیں اس جگہ حضور ﷺ نے دعا کی تھی اللہ پاک نے دعا قبول فرمائی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اس کے گرد اور بھی کئی مسجدیں صحابہ کے نام سے بنی ہوئی ہیں۔

مسجد قبلتین

مدینہ کے شمال مغرب میں وادی عتیق کے قریب ایک ٹیلہ پر ہے اس میں ایک محراب بیت المقدس کی طرف ہے اور دوسری کعبہ کی جانب ہے چونکہ قبلہ تبدیل ہونے کا واقعہ نماز کے درمیان مسجد میں ہوا تھا اسی وجہ سے اس کو مسجد قبلتین کہتے ہیں یعنی دو قبلہ والی۔

مسجد بنی ظفر

جسے مسجد بغلہ بھی کہتے ہیں یہ جنت البقیع کے مشرق کی جانب واقع ہے یہاں قبیلہ بنی ظفر رہتا تھا ایک بار یہاں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور ایک صحابی نے آپ کے فرمان پر آپ کو سورۂ نساء سنائی مسجد کے قریب آپ کے خچر کے سم کا نشان ہے اس لئے اس کو مسجد البغلہ بھی کہتے ہیں۔

مسجد الاجابہ

یہ مسجد جنت البقیع سے شمال کی جانب ہے یہاں حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔

مشعر حرام

مزدلفہ میں ایک مسجد ہے اور مزدلفہ کا پہاڑ جبل قزح بھی مشعر حرام کہا جاتا ہے۔

وقوف

اس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں اور احکام حج میں اس سے مراد میدان عرفات یا مزدلفہ میں خاص خاص وقت میں ٹھہرنا۔

یوم الترویہ

آٹھویں ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔

یوم عرفہ

نویں ذوالحجہ جس روز حج ہوتا ہے اور حاجی لوگ عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔

یلملم

مکہ سے جنوب کی طرف دو منزل پر ایک پہاڑ ہے اس کو آج کل سعدیہ بھی کہتے ہیں اس کے مقابل گزرتے ہوئے ہمارے ملک سے جانے والے حضرات پانی کے جہاز میں احرام باندھتے ہیں۔

ان مقامات مقدسہ کی مکمل تشریح ان کے فاصلے اور پیمائشیں اور نقشے اور ان کی مخصوص تاریخ اور ان میں کسی کام کرنے کے خاص فضائل دلچسپی اور فائدے سے خالی نہیں مگر اس مختصر رسالے میں اس کی گنجائش نہ ہونے کے سبب اجمالی تعارف پر اکتفا کیا گیا۔

☆☆☆☆☆
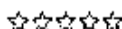
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے

قرآن کریم میں ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

یعنی لوگوں پر اللہ کا حق ہے بیت اللہ کا حج کرنا جو اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو پھر جو کفر کرے (یعنی باوجود قدرت کے نہ آئے) تو (وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے) اللہ تو بے نیاز ہے سب جہان والوں سے۔

اس گھر یعنی خانۂ کعبہ تک جانے کی قدرت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی ضروریات روزمرہ سے زائد اتنا سرمایہ ہو جس سے وہ بیت اللہ تک جانے آنے اور وہاں زمانہ قیام کے اپنے مصارف پورے کر سکے اور جن اہل وعیال کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اس کا بھی واپسی تک کے لئے انتظام کر لے جو شخص باوجود اس قدرت کے حج نہ کرے اس کے لئے قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

مسئلہ ۔ جس شخص کے پاس کسی وقت بھی اس قدر سرمایہ جمع ہو گیا جو حج کے لئے کافی ہے اور زمانہ حج یعنی شوال کے شروع ہونے تک اس کی ملک میں رہا تو اس پر حج فرض ہو گیا پھر اگر اس نے بجائے حج کرنے کے اس کو مکان کی تعمیر یا کسی شادی کی تقریب یا اور کسی کام میں خرج کر دیا تو چونکہ اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا اس

لئے اس پر لازم ہے کہ پھر کوشش کر کے اتنا سرمایہ جمع کرلے جس سے اپنا حج فرض ادا کر سکے۔ (مناسک ملا علی قاری)

حج کی فضیلت

حدیث... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لئے حج ادا کرے اور اس میں فحش کام و کلام اور فسق و گناہ سے بچتا رہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج شکم مادر سے پیدا ہوا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج و عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ (ابن ماجہ)

ایک مسلمان کیلئے اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ عمر بھر کے گناہ معاف ہو جائیں اور وہ جو دعا مانگے قبول ہو جائے جس کے ذریعہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں بآسانی کامیاب ہو جائے۔

مسائلِ حج کی اہمیت اور ان کی پابندی کی ضرورت

حج کے فضائل و برکات کا حاصل کرنا صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ حج کے فرائض واجبات اور سنتیں پوری احتیاط سے ادا کرے اور جو چیزیں حج کو خراب کرنے والی ہیں ان سے پرہیز کرے ورنہ اگر فرض سے سبکدوشی ہو بھی گئی تو فضائل و برکات سے محروم رہنا یقینی ہے۔ حج و زیارت کو جانے والے حضرات اس معاملے میں اکثر غفلت کرتے ہیں حج و زیارت کے احکام اور مسائل معلوم کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، وہاں پہنچ کر معلموں کے ناواقف نوکروں کے سپرد ہو جاتے ہیں نہ واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں نہ دوران احرام گناہوں سے بچنے کی فکر کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ حج وعمرہ کا احرام باندھ کر انسان پر بہت سی شرعی پابندیاں عائد ہوتی ہیں جن کے خلاف کرنا سخت گناہ ہے اور حرم شریف میں جو گناہ کیا جائے اس کا وبال بھی انتہائی سخت ہوتا ہے۔ بے خبر لوگ حج کر کے یہ حساب لگاتے ہیں کہ ہم گناہوں سے پاک ہو کر آئے ہیں اور سنتیں ترک کرنے کا وبال اور واجبات احرام کی خلاف ورزی کر کے گناہوں کا ذخیرہ لے کر لوٹتے ہیں حرمین شریفین کی بے شمار برکات اور حق تعالیٰ کی بے حد رحمت سے یہ سب معاف ہو جائیں اس کا امکان ضرور ہے مگر ہمیں اس سے بے فکر ہونے کا کوئی حق نہیں اور جو گناہ بے پروائی سے کیا جائے اس کے معاف ہونے کا امکان بھی کم ہے۔ اس لئے مسائل حج کو سفر سے پہلے اور دوران سفر میں برابر سامنے رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ حج مقبول نصیب ہوگا۔

سفر حج سے پہلے کون کون سے کام شرعاً ضروری ہیں

اس مبارک سفر سے پہلے چند باتوں کا پورا اہتمام کریں۔

(۱) اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ اور ثواب آخرت کے لئے کریں۔ دنیا کی عزت اور نام ونمود یا تجارتی فوائد یا دوسری دنیوی اغراض کو ارادہ حج میں داخل نہ ہونے دیں پھر اگر بفضل خدا کچھ دنیوی فوائد بھی حاصل ہو جائیں تو اس کا مضائقہ نہیں (اور حدیث کے وعدہ کے مطابق دنیوی فوائد بھی ضرور حاصل ہوں گے) مگر اپنی نیت کو ان میں ملوث نہ کرے۔

(۲) اپنے تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کریں اور توبہ میں تین کام کرنا ضروری ہیں۔ زمانہ (۱) ماضی میں اپنے کئے ہوئے گناہوں پر ندامت وافسوس اور جن چیزوں کی قضا یا تدارک کیا جا سکتا ہے انکی قضا اور تدارک کرنا (۲) حال میں فوراً ان تمام گناہوں کو چھوڑ دینا۔ (۳) مستقبل میں گناہوں کے پاس نہ جانیکا عزم اور پختہ قصد کرنا ان تینوں

کاموں کے بغیر محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنے سے توبہ نہیں ہوتی۔

زمانہ ماضی میں قابل قضا یہ چیزیں ہیں: روزے، نمازیں۔ جو نمازیں اور روزے بالغ ہونے کے بعد ادا نہیں کئے ان کا حساب لگا کر اور حساب پورا یاد نہ ہو تو اندازہ لگا کر قضا کرنا۔ اگر گزشتہ زمانے میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اب حساب کرکے یا حتیاطاً اندازہ لگا کر فوت شدہ زکوٰۃ ادا کرنا۔ کوئی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کیا تو اس کا کفارہ۔ یا کوئی نذر و منت مانی اور پھر ادا نہیں کی تو اس کو ادا کرنا۔

اور قابل تدارک حقوق العباد یہ ہیں مثلاً کسی کا قرض دینا، یا کوئی مالی حق آپ کے ذمہ رہ گیا ہے یا کسی کو آپ نے زبان یا ہاتھ سے تکلیف پہنچائی ہے یا کسی کی غیبت کی ہے تو ان سے معاف کرانا اور سب حقوق ادا کرنا یا اگر وہ معاف کردیں تو معاف کرانا۔

مسئلہ ... جس کا مالی حق آپ کے ذمہ ہے اگر وہ مر گیا ہے تو اس کے وارثوں کو ادا کریں یا ان سے معاف کرائیں اگر حق والے بہت زیادہ ہیں اور ان کے پتے معلوم نہیں تو جس قدر مالی حق ان کا آپ کے ذمہ ہے ان کی طرف سے صدقہ کردیں اور ہاتھ یا زبان سے ان کو ایذا پہنچائی تھی تو ان کے لئے کثرت سے دعائے مغفرت کرتے رہیں انشاء اللہ حقوق کے وبال سے نجات ہو جائے گی۔

مسئلہ ... اگر قضا شدہ نمازیں اور روزے اتنی مقدار میں ہیں جن کو سفر حج سے پہلے آپ پورا نہیں کر سکتے یا لوگوں کے حقوق اتنے زیادہ آپ کے ذمہ ہیں کہ ان سب سے معاف کرانا یا ادا کرنا اس وقت اختیار میں نہیں ہے تو ایسا کیجئے کہ ان سب حقوق و فرائض کی ادائیگی یا معاف کرانے کا پختہ عزم ابھی سے کر لیجئے اور جس قدر ادا کیا جا سکے اس کو ادا کر دیجئے اور جو باقی رہیں ان کے لئے ایک وصیت نامہ لکھیے اور اپنے کسی عزیز یا ہمدرد دوست کو اس پر آمادہ کر لیجئے کہ اگر آپ ادا نہ کر سکیں تو آپ کے

بعد وہ ادا کرے۔

مسئلہ ...... جس شخص کے ذمہ لوگوں کے قرض ہوں اور قرض سے فاضل مال نہیں ہے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ادائے قرض سے پہلے حج کا ارادہ نہ کرے بلکہ جو کچھ سرمایہ ہے اس قرض سے سبکدوشی میں خرچ کرے لیکن اگر ادائے قرض سے پہلے حج کر لیا تو حج ادا ہو جائے گا تجارتی قرضے جو عادۃً ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس میں داخل نہیں ایسے قرضوں کی وجہ سے حج کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ...... جس شخص کے ذمہ لوگوں کا قرضہ ہو اور اس کی کوئی ایسی جائیداد وغیرہ بھی نہیں جس سے قرض ادا کیا جا سکے تو اس کو قرض خواہ کی اجازت کے بغیر حج کرنا جائز نہیں۔ (مناسک ملا علی)

(۳) حج کے لئے مال حلال جمع کرنے کا اہتمام کریں حرام مال سے حج کیا جائے تو وہ مقبول نہیں ہوتا اور اس کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ (مناسک ملا علی)

مسئلہ ... جس شخص کا مال مشتبہ ہو اس کو چاہئے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر اس سے حج کرے پھر قرض اپنے مال سے ادا کر دے تاکہ حج کے ثواب و برکات سے محروم نہ رہے۔

(۴) ضروریات سفر تیار کرتے وقت احرام کا کپڑا ساتھ لینے کا ضرور خیال رکھیں احرام کے لئے ایک چادر اور ایک تہبند ہونا چاہئے سفید لٹھے کا ہونا بہتر ہے تیز گرمی اور تیز سردی کے ایام میں دو ہرے تولئے کا احرام بہتر ہے جو چادر اور تہبند کا کام دے سکیں۔ اگر اللہ نے وسعت دی ہے تو دو تین احرام رکھ لیں کہ ایک میلا ہو جائے تو دوسرا استعمال کر سکیں۔

سفر کے وقت آداب اور دعائیں

(۱) احباب واقرباء سے رخصت ہوتے وقت اپنا قصور معاف کرائیں اور ان سے دعائے خیر کی درخواست کریں جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کریں تو دو رکعت نماز نفل پڑھیں جب دروازہ کے قریب آئیں تو سورۃ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا پڑھیں۔ جب گھر سے باہر آئیں تو اپنی گنجائش کے موافق کچھ صدقہ کریں اور آیۃ الکرسی پڑھ کر یہ دعا کریں۔

(۲) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ.

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کر دیا جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم ہو یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت ہو۔

اور یہ دعا بھی پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ ط

اے اللہ! ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں جن سے آپ راضی ہوں اے اللہ ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرما دے اور اس کا راستہ جلدی جلدی طے کرا دے اے اللہ تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور ہمارے پیچھے گھر کا کارساز اے اللہ میں تیری پناہ

چاہتا ہوں سفر کی مشقت سے اور بری حالت کے دیکھنے سے اور واپس ہو کر مال میں یا اولاد میں برائی دیکھنے سے اور بننے کے بعد بگڑنے سے اور مظلوم کی بددعا سے۔

اگر دعا کے الفاظ یاد نہ ہوں تو دعاؤں کا مضمون جو ترجمے میں لکھا ہوا ہے اپنی اپنی زبان میں اس کی دعا مانگ لیں۔

(۳) جب عزیزوں سے رخصت ہوں تو یہ دعا مانگیں۔

اَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهٗ.

میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کے سپرد کی ہوئی چیزیں ضائع نہیں ہوا کرتیں۔

(۴) جب سواری پر سوار ہوں تو بسم اللہ کہہ کر سوار ہوں اور یہ دعا کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○

سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور ہم (اس کی قدرت کے بغیر) اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف ضرور جانا ہے۔

دورانِ سفر میں

بیہودہ اور ناجائز باتوں سے پرہیز رکھیں۔ جہاں تک ہو سکے ذکر اللہ میں یا ایسی دینی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہیں جن سے عمل کی اصلاح اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔

عمرہ اور افعالِ حج کی ابتداء

جیسے نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے سے ہوتی ہے اسی طرح حج اور عمرہ کی ابتداء احرام سے ہوتی ہے احرام کا بیان آگے آرہا ہے پہلے حج اور عمرہ کا فرق اور حج کی اقسام سمجھ لیجئے۔

حج اور عمرہ

بیت اللہ کے ساتھ دو بڑی عبادتیں متعلق ہیں ایک حج جس کے اکثر افعال صرف ماہ ذی الحجہ کے پانچ دن میں ادا کئے جا سکتے ہیں دوسرے ایام میں نہیں ہو سکتے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دوسرے عمرہ جو حج کے پانچ دنوں کے علاوہ سال کے ہر مہینہ اور ہر وقت میں ہو سکتا ہے اور اس کے صرف تین کام ہیں ایک یہ کہ میقات سے یا اس کے پہلے عمرہ کا احرام باندھیں دوسرے مکہ معظمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کریں تیسرے صفا و مروہ کے درمیان سعی کریں اس کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈا کر احرام ختم کر دیں۔ عمرہ کو حج کے ساتھ جمع کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

حج کی تین قسمیں

اول یہ کہ سفر کے وقت صرف حج کی نیت کریں اسی کا احرام باندھیں عمرہ کو حج کے ساتھ جمع نہ کریں اس قسم کے حج کا نام "افراد" ہے اور ایسا حج کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ کو بھی اول ہی سے جمع کریں یعنی دونوں کی نیت کریں اور احرام بھی دونوں کا ایک ساتھ باندھیں اس کا نام قِران ہے اور ایسا حج کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ کو اس طرح جمع کریں کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں اس احرام میں حج کو شریک نہ کریں پھر مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہو کر بال کٹوانے کے بعد احرام ختم کر دیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھیں اس کا نام تمتع ہے اور ایسا حج کرنے والے کو متمتع کہتے ہیں۔

حج کرنے والے کو اختیار ہے کہ ان تینوں قسموں میں سے جو چاہے اختیار کرے مگر قِران امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک افضل ہے ان تینوں قسموں کی نیت اور بعض احکام میں فرق ہے اس لئے ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

حج کی مذکورہ تینوں قسموں میں فرق

ایک فرق تو ان تینوں قسموں کی نیتوں میں ہے پہلی قسم یعنی افراد میں احرام باندھنے کے وقت صرف حج کی نیت کی جاتی ہے دوسری قسم میں حج و عمرہ دونوں کی نیت کی جاتی ہے تیسری قسم یعنی تمتع میں اول احرام کے وقت صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ پہلی دونوں قسموں میں جو احرام اوّل باندھا جائے گا وہ افعال حج پورے کرنے تک باقی رہے گا اور تیسری قسم میں مکہ معظمہ پہنچ کر افعال عمرہ یعنی طواف و سعی سے فارغ ہونے کے بعد یہ احرام سر کے بال کٹوانے یا منڈوانے سے ختم ہو جائے گا اور آٹھویں ذی الحجہ تک یہ شخص بلا احرام کے مکہ شریف میں قیام کر

سکے گا اور اس عرصہ میں اس پر احرام کی کوئی پابندی نہ ہوگی پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے گا۔

تیسری قسم میں سہولت زیادہ ہے لیکن افضلیت قران کی زیادہ ہے بشرطیکہ اس طویل احرام کی پابندیوں کو احتیاط کے ساتھ پورا کر سکے ورنہ تمتع کر لینا بہتر ہے۔

حج کے اعمال و احکام اسی طرح عمرہ کے اعمال احکام اور احرام کے تمام مسائل تینوں قسموں میں یکساں ہیں فرق اتنا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنا قارن اور متمتع پر واجب ہے، مفرد کے لئے مستحب ہے۔

تینوں قسموں میں جو نیت بتلائی جارہی ہے اس کو دل سے کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی اپنے محاورہ میں ادا کر لینا چاہئے اور عربی الفاظ میں کہیں تو بہتر ہے مثلاً افراد میں نیت اسی طرح کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ.

یا اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لئے آسان فرمایئے اور قبول فرمایئے۔

اور قران میں اس طرح نیت کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَیَسِّرْهُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّیْ.

یا اللہ میں حج وعمرہ دونوں کا ارادہ کرتا ہوں یہ دونوں میرے لئے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمایئے۔

اور تمتع کی صورت میں احرام اول کے وقت اس طرح نیت کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْهَا لِیْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّیْ.

یا اللہ میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرمایئے اور قبول فرمایئے۔

یہاں نیت کے عربی وارد و دونوں طرح کے الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں کسی کو عربی الفاظ یاد کرنے میں دشواری ہو تو اردو، فارسی، پنجابی، سندھی، بنگلہ، پشتو جو بھی اپنی زبان ہو اس میں یہ مضمون ادا کر دینا صحیح ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

حج اور عمرہ کے افعال میں سب سے پہلا عمل احرام ہے۔ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ صرف تلبیہ یا صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا اور صرف احرام کے کپڑے پہننے سے بھی احرام شروع نہیں ہوتا اور احرام باندھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کریں تو پہلے غسل کریں اور وضو کر لینا بھی کافی ہے اور سنت یہ ہے کہ وضو یا غسل سے پہلے ناخن ترشوالیں مونچھوں کے بال کٹوا کر پست کریں۔ بغل اور زیر ناف کے بالوں کو صاف کریں سر منڈانے یا مشین سے بال کٹوانے کی عادت ہو تو یہ بھی کر لیں اگر سر پر پٹھے ہوں تو کنگھے سے ان کو درست کریں۔

احرام کے لئے دو نئی یا دھلی ہوئی چادریں ہونا سنت ہے ایک کا تہبند بنایا جائے دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھا جائے اگر سیاہ یا دوسرا کوئی رنگ ہو تو بھی جائز ہے۔ سردی کے وقت کمبل سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ اور تولئے سے بھی، تہبند باندھنے اور چادر اوڑھنے کے بعد مستحب یہ ہے کی دو رکعت نفل پڑھیں بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو یعنی آفتاب کے طلوع یا غروب یا نصف النہار (زوال) کا وقت نہ ہو۔ نیز بعد فجر طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد عصر غروب آفتاب سے پہلے کا وقت نہ ہو کیونکہ ان دو وقتوں میں بھی نماز نفل مکروہ ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھنا افضل ہے دوسری کوئی

صورت پیش نہیں تو بھی جائز ہے اس نماز کے وقت جو چادر اوڑھی ہوئی ہے اسی سے سر بھی چھپالیں کیونکہ ابھی احرام شروع نہیں ہوا جس میں سر کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

دو رکعت نفل کے بعد حج کی مذکورہ تین قسموں میں سے جس قسم کے حج کا ارادہ ہے اس کے مطابق نیت دل میں بھی کریں اور زبان سے بھی وہ الفاظ کہیں جو ہر قسم کے لئے پہلے لکھے گئے ہیں اس کے بعد تلبیہ پڑھیں اور تلبیہ کے مسنون الفاظ یہ ہیں ان کو اچھی طرح پہلے سے یاد کرلیا جائے ان میں سے کوئی لفظ کم کرنا مکروہ ہے۔

لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ ط لَا شَرِیْکَ لَکَ ط

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بے شک سب تعریف اور نعمت آپ ہی کے لئے ہے اور سارا جہان بھی آپ کا ہے آپ کا کوئی شریک نہیں۔

احرام کے صرف کپڑے پہن لینے یا نفل پڑھنے سے یا صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا بلکہ نیت کے ساتھ الفاظ تلبیہ پڑھتے ہی احرام شروع ہو جاتا ہے اس لئے تلبیہ پڑھنے سے پہلے سر کو چادر سے کھول دیا جائے اور پھر دوران سفر میں کثرت سے تلبیہ کے مذکورہ الفاظ بلند آواز کے ساتھ پڑھا کریں خصوصاً تغیر حالات کے وقت مثلاً صبح شام اٹھتے بیٹھتے باہر جاتے وقت اندر آنے کے وقت، لوگوں سے ملاقات کے وقت، رخصت کے وقت، سو کر اٹھتے وقت، سوار ہونے کے وقت، سواری سے اترتے ہوئے، بلندی پر چڑھتے وقت، نشیب میں اترتے ہوئے زیادہ مستحب ہے یعنی اور مستحبات کے مقابلہ میں اس کی تاکید زیادہ ہے۔ عورتیں باآواز بلند نہ پڑھیں آہستہ پڑھیں مرد بھی مسجد میں اتنی بلند آواز سے نہ پڑھیں جس سے نمازیوں کو تشویش ہو اور جب بھی تلبیہ کہیں تو تین بار کہنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ تین بار تلبیہ باآواز

بلند کہنے کے بعد آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں اور پھر اپنے مقاصد کی دعا مانگیں اور تلبیہ کے بعد مسنون دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔

اے اللہ میں آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کے غصہ اور عذاب دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔

احرام کی پابندیاں

احرام کی حالت میں مندرجہ ذیل چیزیں ناجائز ہیں۔

(۱) مردوں کو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا کپڑا پہننا جیسے کرتہ، شلوار، پاجامہ، بنیان، شیروانی، کوٹ، موزے، جانگیہ، موزے وغیرہ۔ احرام کی چادریں اگر کوئی پیوند لگا ہو یا بیچ میں درمیان سے سلی ہوا اس کا مضائقہ نہیں مگر افضل یہ ہے کہ احرام کا کپڑا بالکل سلا ہوا نہ ہو اور روپیہ پیسہ رکھنے کے لئے سلی ہوئی ہمیانی یا پیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔

(۲) مرد کے لئے سر اور چہرہ ڈھانکنا اور عورت کو صرف چہرہ پر کپڑا لگانا۔

(۳) کپڑوں یا بدن کو کسی قسم کی خوشبو لگانا، خوشبودار صابن استعمال کرنا، خوشبودار تمباکو وغیرہ کھانا، خوشبودار پھل اور پھول وغیرہ کا قصداً سونگھنا بھی مکروہ ہے بلا ارادہ خوشبو ناک میں آجائے تو مضائقہ نہیں۔

(۴) بدن کے بال کسی جگہ سے کاٹنا یا توڑنا۔ (۵) ناخن کاٹنا۔

(۶) بحالت احرام بیوی کے ساتھ بوس و کنار اور جماع سب ناجائز ہیں۔

(۷) بحالت احرام عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر کرنا بھی ناجائز ہے۔

میقات کا بیان

احرام کہاں اور کس وقت باندھا جائے؟

اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گرد چاروں طرف کچھ مقامات متعین فرما دیئے ہیں جہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ حج کا احرام باندھیں یا عمرہ کا ان مقامات کو میقات کہتے ہیں اور اس کی جمع مواقیت آتی ہے۔ مواقیت کا تعین صحیح احادیث میں منقول ہے اور یہ پابندی میقات سے باہر رہنے والوں پر عام ہے جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے ارادہ سے حدود میقات میں داخل ہوں خواہ وہ کسی تجارتی غرض سے مکہ مکرمہ جا رہے ہوں یا عزیز دوستوں سے ملاقات کے لئے بہر حال بیت اللہ کا یہ حق ان کے ذمہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوں اگر حج کا وقت ہے تو حج کا، ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں، اور پہلے بیت اللہ کا یہ حق ادا کریں اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوں۔

ہاں اگر جدہ کا سفر مکہ مکرمہ جانے کی نیت سے نہ ہو بلکہ صرف جدہ یا مدینہ طیبہ جانے کی نیت ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں البتہ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کریں میقات پر احرام باندھنا واجب ہے۔

میقات پانچ ہیں

(۱) ذوالحلیفہ

مدینہ طیبہ کی طرف سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لئے ہے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً چھ میل پر مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہے یہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے آج کل یہ

مقام ابیار علی کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) جحفہ

یہ ملک شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے اور مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے۔

(۳) قرن المنازل

نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے۔

(۴) یلملم

یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے یہ ایک پہاڑی ہے مکہ معظمہ سے دو منزل کے فاصلے پر ہے یہ اصل میں یمن اور عدن والوں کا میقات ہے پچھلے زمانے میں جب ہوائی جہاز نہ تھے تو ہندوستان، پاکستان اور دوسرے مشرقی ممالک سے بحری راستہ پر آنے والے حجاج کا بھی یہی راستہ تھا اس لئے پاکستان و ہندوستان کے لئے بھی یہی میقات مشہور ہے۔

(۵) ذات عرق

عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے جن لوگوں کا راستہ ان میقات پر سے نہ ہو تو مکہ معظمہ جانے کے لئے جس جگہ بھی ان میں سے کسی میقات کی محاذات آئے گی اس محاذات سے یا اس سے پہلے احرام باندھنا واجب ہے۔

یہ مواقیت ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان میقات سے باہر کی دنیا میں رہتے ہیں اسی لئے میقات سے باہر کی دنیا کو آفاق کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور آفاق کے لوگوں کو اصطلاح میں آفاقی کہا جاتا ہے۔

حدود میقات کے اندر رہنے والے

پہلے یہ بات جان لینا مناسب ہے کہ کعبہ مکرمہ نہایت ہی اشرف واعلیٰ مقام ہے حق تعالیٰ نے اس کے احترام کے لئے اس کے گرد تین دائرے بنائے ہیں۔ ہر دائرے کے کچھ مخصوص احکام ہیں پہلا دائرہ مسجد حرام کا ہے جس کے درمیان بیت اللہ واقع ہے یہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے بعد سب سے زیادہ اشرف واعلیٰ مقام ہے اسی کو "مسجد حرام" کہا جاتا ہے اس مسجد کے ساتھ بہت سے احکام مخصوص ہیں مگر ان کا خصوصی تعلق احرام سے نہیں اس لئے ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں دوسرا دائرہ حدود حرم کا ہے یعنی مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور تک کی زمین شہر مکہ سمیت "حرم" کہلاتی ہے حرم کی حدود جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں کچھ علامات لگی ہوئی ہیں ان کو حدود حرم کہا جاتا ہے حدود حرم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے کسی طرف تین میل اور کسی طرف نو میل ہے اور کسی طرف کم وبیش ہے۔ مکہ مکرمہ سمیت اس دائرے میں جو زمین ہے اسے "حرم" کہا جاتا ہے جو لوگ اس دائرے کے اندر رہتے ہیں مثلاً مکہ کے رہنے والے وہ اہل حرم کہلاتے ہیں تیسرا دائرہ مواقیت کا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے حدود حرم سے باہر مگر دائرہ میقات کے اندر رہنے والوں کو اہل حل کہا جاتا ہے اور ان سب دائروں سے باہر رہنے والوں کو اہل آفاق کہا جاتا ہے۔

احرام کے بارے میں اہل آفاق کا حکم تو پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے قصد سے حدود میقات یا ان کی محاذات سے مکہ کی طرف بڑھیں اس سے پہلے ان پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ ان کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو یا تجارت ملازمت یا دوستوں سے ملاقات وغیرہ مقصود ہو۔

دوسرے دائرے یعنی حدود حرم سے باہر رہنے والے جن کو "اہل حل" کہتے

ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ جب وہ حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو اپنے گھر سے باہر یا حدود حرم سے پہلے پہلے احرام باندھ لیں اور اگر وہ کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو ان پر احرام باندھنے کی کوئی پابندی نہیں جب چاہیں مکہ مکرمہ بغیر احرام کے جا سکتے ہیں۔

اور پہلے دائرے یعنی حدود حرم کے اندر رہنے والوں پر بھی احرام کی کوئی پابندی نہیں وہ جب عمرہ کرنا چاہیں تو حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھ لیں اور جب حج کرنا چاہیں تو حرم ہی سے احرام باندھ لیں۔

پاکستان اور ہندوستان والے کہاں سے احرام باندھیں

یہ بات یاد رکھیں کہ آفاقی لوگوں کے لئے میقات یا میقات کی محاذات پر احرام باندھ لینا واجب ہے بغیر احرام کے میقات یا محاذات میقات سے مکہ کی طرف بڑھنا جائز نہیں اگر ایسا کیا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ البتہ میقات یا محاذات میقات سے پہلے ہی کوئی احرام باندھ لے تو یہ جائز بلکہ افضل ہے۔

جب سے ہوائی جہازوں کا سفر ہونے لگا ہے اس وقت سے پاکستان اور ہندوستان والوں کے لئے دو راستے ہو گئے ایک بحری دوسرا ہوائی، احرام کے معاملے میں دونوں راستوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

بحری راستہ کا حکم

سمندری جہاز چونکہ دریا کے اندر کنارے گذرتا ہے۔ جدہ تک راستہ میں کوئی میقات نہیں آتا اور نہ کسی میقات کی ایسی محاذات آتی ہے جس کی وجہ سے سمندری میں احرام باندھنا واجب ہو جائے البتہ عدن گذر جانے کے بعد اہل یمن کی میقات یلملم کی

محاذات کا ہونا معروف و مشہور ہے اور اسی وجہ سے جہاز میں اس محاذات کا خیال کرتے ہوئے احرام باندھتے ہیں اور اس محاذات کی جگہ احرام باندھنا جائز بلکہ افضل ہے لیکن چونکہ جہاز یلملم کی محاذات کے اندر مکہ مکرمہ کے رخ پر داخل نہیں ہوتا بلکہ باہر باہر جدہ پہنچتا ہے اور جدہ پہنچنے تک مسافر کی محاذات کعبہ کے رخ پر ہوتے ہوئے نہیں ہوتی اس لئے اگر کوئی شخص جدہ تک احرام کو مؤخر کرے جدہ پہنچ کر احرام باندھے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس کی مفصل تحقیق احقر کے رسالہ احکام مواقیت میں شائع ہو چکی ہے۔
(جو جواہر الفقہ میں شائع ہوا ہے)

ہوائی راستہ کا حکم

کراچی سے جدہ جانے والا ہوائی جہاز اہل نجد یا اہل عراق کی میقات یا ان کی محاذات سے گزرتا ہوا بلکہ بعض اوقات حدود حرم کے قریب سے گزرتا ہوا جدہ پہنچتا ہے اس لئے کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز جانے کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ جدہ پہنچنے تک احرام کو مؤخر کریں ان حضرات پر لازم ہے کہ جہاز روانہ ہونے کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر اندر جہاز ہی میں احرام باندھ لیں کیونکہ بلا احرام میقات یا اس کی محاذات سے تجاوز ہو جائے گا جس سے گنہگار بھی ہوں گے اور دم بھی لازم ہوگا۔

ہندوستان اور بنگلہ دیش کے حجاج کرام جو بمبئی یا ڈھاکہ سے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوتے ہیں نقشہ دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ان کا جہاز بھی نجد یا عراق کے میقات کی محاذات کے اندر سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے اس لئے ان حضرات کو بھی جہاز روانہ ہونے کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر جہاز ہی میں احرام باندھ لینا چاہئے۔

ایک مفید مشورہ

بعض اوقات ہوائی جہاز کی پرواز ایک ایک دو دو دن مؤخر ہو جاتی ہے اگر

حدود حرم میں داخلہ

حدود کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے

حدود حرم میں داخلہ رب العزت جل شانہ کی بارگاہ عظمت پناہ میں داخلہ ہے جو بہت خوش نصیبوں کو نصیب ہوتا ہے اس کی عظمت و جلال کو خوب دل میں مستحضر کر کے ان حدود میں داخل ہوں انبیائے سابقین علیہم السلام اور بزرگان امت کا عمل یہ رہا ہے کہ یہاں سے پیدل ننگے پاؤں چلتے تھے یہاں سے تنعیم کی طرف (ایک مقام شہر مکہ مکرمہ سے باہر ہے وہاں سے پیدل اور ننگے پاؤں ہو جاتے تھے یہ بھی نہ ہو سکتا تھا تو مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر یہ عمل کرتے تھے (حیات القلوب) لیکن آج کل عموماً موٹروں کی سواری سے اترنا آسان نہیں پھر سامان سفر میں رہے تو دل ادھر لگا رہے گا اس لئے سواری ہی پر داخل ہوتے ہیں مگر کوشش کر کے نہایت خشوع و خضوع سے استغفار کرتے ہوئے بار بار تلبیہ پڑھتے ہوئے داخل ہوں۔ (زبدہ)

مکہ معظمہ میں داخلہ

مسئلہ۔۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے آج کل جدہ میں غسل کر کے چلنے سے یہ سنت ادا ہو سکتی ہے کیونکہ موٹروں کی وجہ سے بہت تھوڑے وقت میں یہ سفر طے ہو جاتا ہے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے بعد پہلے اپنے سامان اور جائے قیام کا انتظام کر لیں تاکہ دل اس میں الجھا نہ رہے اس کے بعد مسجد حرام میں داخل ہوں۔

مسئلہ مسجد حرام کے بہت سے دروازے ہیں مستحب یہ ہے کہ جب مسجد حرام میں جائیں تو باب السلام سے داخل ہوں یا کسی دوسرے دروازے سے

داخل ہوں تو بھی کچھ حرج نہیں تلبیہ پڑھتے ہوئے تواضع اور خشوع کے ساتھ بیت اللہ کی عظمت وجلالت کا دھیان کئے ہوئے داخل ہوں۔

مسئلہ ...... مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں پہلے داخل کریں اور درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَسَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رِزْقِکَ۔

یا اللہ ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ہمارے لئے رزق کے دروازے آسان فرما دے۔

اگر دعا کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اپنی زبان میں اس مضمون کی دعا مانگنا بھی کافی ہے۔

بیت اللہ پر پہلی نظر کے وقت

تین مرتبہ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ کہے اور نیچے لکھے ہوئے الفاظ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰهُمَّ زِدْ بَیْتَکَ هٰذَا تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَهَابَةً وَّزِدْ مَنْ حَجَّهٗ اَوِ اعْتَمَرَهٗ تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّتَعْظِیْمًا وَّبِرًّا [ط]

یا اللہ آپ ہی سلام ہیں اور آپ ہی کی طرف سے سلامتی ہے اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ یا اللہ اپنے اس گھر کی تعظیم و تکریم اور شرف ہیبت زیادہ کر دیجئے اور جو اس کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کی تعظیم و تکریم اور شرف اور ثواب کو بڑھا دیجئے۔

اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے اگر یاد نہ ہو جو دعا چاہے مانگے اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ ۔۔۔ مسجد حرام میں داخل ہونے کے وقت نفل تحیۃ المسجد کے نہ پڑھے کیونکہ یہاں بجز شخص طواف آنے والوں کا تحیہ نماز کے بجائے طواف ہے (غنیہ) اس لئے مسجد حرام میں داخل ہو کر سب سے پہلے طواف کرنا چاہیے۔ البتہ جس شخص کا مسجد حرام میں طواف کی غرض سے آنا نہ ہو صرف بیٹھنے یا نماز پڑھنے کی غرض سے ہو، اور مکروہ وقت بھی نہ ہو تو عام مساجد کی طرح یہاں بھی تحیۃ المسجد پڑھ لینا چاہئے۔ (غنیہ)

سب سے پہلا کام طواف

باہر سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا خواہ کسی بھی قسم کی نیت کر کے آیا ہو چونکہ اس پر لازم ہے کہ میقات سے احرام کے بغیر اندر نہ آئے اس لئے یہاں آنے والا حج کی قسموں میں سے کسی قسم کا یا عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ پہنچے گا لہٰذا یہاں اس کا پہلا کام یہ ہے کہ سامان کے انتظام سے فارغ ہو کر مسجد حرام پہنچے اور طواف کرے، یہ طواف کی نوعیت جدا جدا ہوگی عمرہ اور تمتع کرنے والے کے لئے یہ عمرہ کا طواف ہوگا اور مفرد کے لئے یہ طواف قدوم ہوگا جو سنت ہے واجب نہیں۔

جس نے قران کا احرام باندھا ہو وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کا طواف اور سعی کرے پھر حج کا طواف قدوم کرے۔

طواف کرنے کا طریقہ اور حجر اسود کا استلام

طواف کے معنی کسی چیز کے گرد گھومنے کے ہیں طواف کی نیت کر کے بیت اللہ کے گرد سات مرتبہ گھومنے کو طواف کہتے ہیں یعنی ایک طواف سات چکر لگانے سے مکمل ہوتا ہے اور ایک چکر کو شوط کہتے ہیں بیت اللہ کے سوا کسی چیز یا کسی مقام کا طواف کرنا جائز نہیں طواف کے لئے نیت فرض ہے بغیر نیت کے کتنے ہی چکر لگائے طواف نہیں ہوگا۔

طواف کی نیت اس طرح کرے کہ یا اللہ میں تیری رضا حاصل کرنے کے لئے طواف کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان کردے اور قبول فرما۔ دل سے یہ نیت کرنا فرض ہے اور زبان سے بھی کہہ لینا افضل ہے اولاً بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرکے اس گوشے کے پاس جس میں حجر اسود ہے اس طرح کھڑا ہو کہ پورا حجر اسود اس کی داہنی جانب ہو جائے پھر طواف کی نیت کرکے ذرا سا داہنی جانب کو چلے اتنا کہ حجر اسود بالکل مقابل ہو جائے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو کر اس طرح ہاتھ اٹھائے جیسے نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں اور یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَوَفَاءً
بِعَھْدِکَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّۃِ نَبِیِّکَ ﷺ۔

اگر یہ دعا یاد نہ ہو یا ہجوم کی وجہ سے پوری طرح پڑھنا مشکل ہو تو صرف بسم اللہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وللہ الحمد کہہ لینا کافی ہے پھر ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھ حجر اسود پر اس طرح رکھے جیسے سجدہ میں رکھے جاتے ہیں اور دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں منہ رکھ کر حجر اسود کو ادب کے ساتھ بوسہ دے ہجوم کی وجہ سے بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو حجر اسود کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دے۔ ہاتھ بھی نہ لگ سکے لکڑی یا کسی دوسری چیز سے حجر اسود کو چھو کر اس چیز کو بوسہ دے یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ حجر اسود کی طرف اس طرح اٹھائے کہ گویا حجر اسود پر رکھے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کی طرف رکھے اس کے بعد ہاتھوں کو بوسہ دے۔ حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے میں اس کا پورا خیال رکھیں کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے اگر تکلیف کا خطرہ ہو تو اس کو چھوڑ دیں صرف ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر حجر اسود کے بالمقابل کرکے ہاتھوں کو بوسہ دینے پر ہی اکتفا کریں۔ کیونکہ حجر اسود کا استلام مستحب ہے اور کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام

ہے۔ استلام حجر اسود کے بعد دائیں طرف کعبہ شریف کے دروازے کی جانب کو چلے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرے جب رکن یمانی پر پہنچے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے یا صرف داہنے ہاتھ سے چھونا سنت ہے اس کو بوسہ دینا یا صرف بائیں ہاتھ سے چھونا خلاف سنت ہے اگر ہاتھ لگانے کا موقع نہ ملے تو ایسے ہی گزر جائے۔

بیت اللہ کے چار گوشے

بیت اللہ کے چار گوشے ہیں جو گوشے کو رکن کہتے ہیں ایک رکن تو حجر اسود کا ہے اس کے بالمقابل مغربی جانب کا گوشہ رکن یمانی کہلاتا ہے باقی دو گوشے رکن شامی اور رکن عراقی کے نام سے موسوم ہیں طواف میں ان دونوں گوشوں سے کوئی حکم متعلق نہیں ہے۔

جب دوسری مرتبہ حجر اسود پر پہنچے تو پھر بسم اللہ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وللہ الحمد کہہ کر حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے اور ہاتھ کو بوسہ دینے کا وہی عمل کرے جو پہلے کیا تھا اس طرح یہ ایک شوط (چکر) پورا ہو گیا اب اسی طرح باقی چھ شوط (چکر) حجر اسود سے شروع کر کے حجر اسود تک کریں گے تو ایک طواف مکمل ہوگا سات شوط پورے کرنے کے بعد آٹھویں مرتبہ بھی حجر اسود کا استلام اسی طرح کرے جس طرح پیچھے بیان ہوا ہے۔

مسئلہ حجر اسود کا استلام یعنی بوسہ دینا یا ہاتھ وغیرہ لگانا پہلی مرتبہ اور آٹھویں مرتبہ باتفاق سنت مؤکدہ ہے۔ بیچ والے پھیروں میں زیادہ تاکید نہیں ہے۔

مسئلہ ... جب نماز فرض کے لئے اقامت ہو رہی ہو اور جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو اس وقت طواف کرنا مکروہ ہے اس کے علاوہ کسی وقت میں طواف مکروہ نہیں اگرچہ وہ اوقات ہوں جن میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ ([illegible])

مقام ابراہیم اس کے اور بیت اللہ کے درمیان رہے۔

مسئلہ ... دوگانہ طواف مکروہ اوقات میں جائز نہیں یعنی آفتاب کے طلوع یا غروب یا زوال کے وقت نہ پڑھے اگرچہ طواف ان اوقات میں بھی جائز ہے (زبدہ)

مسئلہ ... دوگانہ طواف کے لئے جس کو مقام ابراہیم کے قریب جگہ مل جائے اس کو چاہئے کہ مختصر قرأت کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور مختصر دعا کر کے جگہ چھوڑ دے تاکہ دوسروں کو موقع مل جائے اور انہیں تکلیف نہ ہو طویل دعا یا نوافل یہاں نہ پڑھے بلکہ وہاں سے ہٹ کر پڑھے۔

مسئلہ ..... اس دوگانہ کو طواف کے متصل پڑھنا چاہئے بلا عذر تاخیر مکروہ ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ ... کئی طواف کر کے سب کے دوگانہ ایک مرتبہ جمع کرے یہ مکروہ ہے ہاں وقت مکروہ ہو تو مضائقہ نہیں کہ کئی طواف کر لے پھر وقت مکروہ نکل جانے کے بعد ہر طواف دوگانہ الگ الگ ادا کرے۔

مسئلہ ..... دوگانہ طواف اگر مقام ابراہیم کے پیچھے ادا نہ کر سکے تو اس کے آس پاس یا حطیم میں یا سارے حرم میں یا کہیں بھی پڑھ لے تو واجب ادا ہو جائے گا مگر حرم کے باہر مکروہ ہے (زبدہ)

مُلتَزَم پر جانا اور دعا مانگنا

بیت اللہ شریف کا وہ حصہ جو حجر اسود اور دروازہ بیت اللہ کے درمیان ہے ملتزم کہلاتا ہے اس مقام پر خاص طور سے دعا قبول ہوتی ہے اور سنت یہ ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر ملتزم پر جائے اور اس جگہ کی دیوار کعبہ پر اپنے دونوں ہاتھ سر کے اوپر

---

(۱) حرم سے نہ کہ مزار نبی کی مقدس مسجد مراد ہے (زبدہ)

سیدھے بچھادے اور سینہ دیوار سے ملادے اور رخسار کو بھی دیوار کے ساتھ رکھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ مانگے تجربہ یہ ہے کہ یہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی، مگر دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے ہر کام میں پرہیز کرے۔

آب زم زم پینا

مستحب ہے کہ طواف اور رکعتوں اور ملتزم سے فارغ ہو کر زمزم کے کنویں پر جائے اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے زمزم کا پانی پیٹ بھر کر تین سانس میں پیئے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہے۔

مسئلہ: زمزم کے پانی سے غسل اور وضو کرنا اچھا نہیں مگر بے وضو کو وضو کر لینا جائز ہے استنجا کرنا یا بدن یا کپڑے کی ناپاکی اس سے دھونا جائز نہیں۔ (غنیہ)

طواف میں اضطباع اور رمل

یہاں تک جو افعال طواف میں بیان ہوئے وہ ہر طواف کرنے والے کے لئے برابر ہیں خواہ طواف عمرہ کا ہو یا حج کا اور خواہ یہ شخص مفرد ہو یا قارن یا متمتع اور طواف خواہ فرض ہو یا واجب ہو یا سنت ہو یا نفل، لیکن جس طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا ہو اس طواف میں صرف مردوں کو دو کام زائد کرنا ہیں اور یہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں ایک اضطباع یعنی احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالنا طواف کے اول سے آخر تک اضطباع کرنا سنت مؤکدہ ہے مگر جب دوگانہ طواف پڑھے اس وقت دستور کے موافق چادر اوڑھ کر دونوں مونڈھے ڈھانک لے۔ دوسرا کام رمل ہے۔ جو صرف طواف کے پہلے تین چکروں میں سنت ہے رمل کا طریقہ یہ ہے کہ چلنے میں جھپٹ کر جلدی جلدی اور زور زور سے قدم اٹھائے

اور قدم نزدیک نزدیک رکھے دوڑے نہیں اور مونڈھوں کو اس طرح ہلاتا ہوا چلے جیسے بہادر میدان جنگ میں جاتا ہے۔

مسئلہ...... اضطباع اور رمل صرف مردوں کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

مسئلہ...... قارن اور متمتع جو پہلا طواف کریں گے وہ عمرہ کا طواف ہوگا اس کے بعد عمرہ کی سعی کرنا ان کے لئے ضروری ہے اس لئے ان دونوں کو تو پہلے ہی طواف میں اضطباع اور رمل کرنا ہے لیکن مفرد جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہے اس کا یہ پہلا طواف ''طواف قدوم'' ہوگا جس کے بعد حج کے لئے سعی کرنا اس وقت ضروری نہیں کیونکہ اسے اختیار ہے کہ سعی ابھی کرے یا طواف زیارت کے بعد دسویں ذوالحجہ کو کرے۔ اگر مفرد حج کی سعی طواف قدوم کے ساتھ کرنا چاہے تو وہ بھی پہلے ہی طواف میں جو طواف قدوم ہے اضطباع اور رمل کی سنت ادا کرے مگر افضل یہی ہے کہ حج کی سعی طواف زیارت کے بعد کرے۔

صفا مروہ کے درمیان سعی

صفا مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو مسجد حرام کے قریب ہیں سعی کے لفظی معنی دوڑنے کے ہیں اور شرعاً صفا مروہ کے درمیان مخصوص طریقہ پر سات چکر لگانے کو سعی کہتے ہیں۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ کے خاص عمل کی یادگار ہے اور عمرہ و حج دونوں میں یہ سعی کرنا واجب ہے۔

سعی کی شرائط اور آداب

سعی کا طواف کے بعد ہونا شرط ہے کوئی طواف سے پہلے سعی کرلے تو وہ معتبر نہیں طواف کے بعد دوبارہ کرنا ہوگی (زبدہ) سعی طواف کے بعد فوراً کرنا ضروری

نہیں مگر طواف کے متصل کرنا سنت ہے اگر تکان یا کسی دوسری ضرورت کی وجہ سے درمیان میں کچھ وقفہ کرلے تو مضائقہ نہیں۔ (زبدہ)

مسئلہ ...... حج کی جو سعی وقوف عرفات کے بعد طواف زیارت کے ساتھ کی جاتی ہے اس میں احرام شرط نہیں بلکہ افضل و مستحب یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو منیٰ میں قربانی اور حلق کرکے احرام کھولنے کے بعد طواف زیارت کرے اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ احرام کھولنے سے پہلے طواف زیارت کرلے، لیکن حج کی جو سعی وقوف عرفات سے پہلے کی جائے اس میں احرام شرط ہے اسی طرح عمرہ کی سعی کے لئے بھی احرام شرط ہے (حیات القلوب)

مسئلہ ...... اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی تھی تو ایام نحر میں طواف زیارت کے بعد کرے ایام نحر کے بعد تاخیر مکروہ ہے۔ (حیات القلوب)

مسئلہ ...... سعی پیدل کرنا واجب ہے کوئی عذر ہو تو سواری رکشا وغیرہ پر بھی کرسکتے ہیں اگر بلا عذر کے سواری پر سعی کی تو دم یعنی قربانی واجب ہے۔

سعی کرنے کا مسنون طریقہ

جب طواف کے بعد آب زمزم پی کر فارغ ہو اور سعی کے لیے جانے لگے تو پھر حجر اسود پر جا کر نویں مرتبہ استلام کرے یعنی موقعہ ملے تو حجر اسود کو بوسہ دے ورنہ ہاتھ یا چھڑی وغیرہ حجر اسود کو لگا کر اس کو بوسہ دے وہ بھی نہ ہوسکے تو ہاتھوں کو حجر اسود کے مقابل کرکے ان کو بوسہ دے۔ بھیڑ کی وجہ سے قریب نہ جاسکے تو دور ہی سے استلام کرے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق باب الصفا سے باہر آئے کسی دوسرے دروازے سے جائے تو بھی جائز ہے پھر صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آسکے پھر قبلہ رخ کھڑا ہو کر سعی کی نیت اس طرح

کرے کہ یا اللہ میں آپ کی رضا کے لئے صفا مروہ کے درمیان سات شوط (چکر) سعی کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمائیے، یہ نیت دل میں کرنا کافی ہے مگر زبان سے بھی کہنا افضل ہے پھر دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے جیسے دعا میں اٹھائے جاتے ہیں نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح نہ اٹھائے جیسے بہت سے ناواقف لوگ کرتے ہیں (مناسک ملا علی قاری) اور تکبیر و تہلیل بآواز بلند اور درود شریف آہستہ پڑھے اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگے یہ بھی قبولیت دعا کا مقام ہے۔ یوں تو اختیار ہے کہ جو چاہے ذکر کرے اور جو چاہے دعا مانگے مگر جو دعا رسول اللہ ﷺ سے اس جگہ منقول ہے وہ دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (زبدہ)

کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کیلئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور صرف تنہا اسی نے دشمنوں کی جماعت کو شکست دی۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھنا بھی آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاِنِّيْ اَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ حَتّٰى تَوَفَّانِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ ط

یا اللہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا اور آپ وعدہ

خلافی نہیں کیا کرتے اور میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح آپ نے مجھے دین اسلام کی ہدایت فرمائی ہے اسی طرح اس کو باقی رکھئے یہاں تک کہ اسلام ہی پر میری وفات ہو۔

یہ تکبیرات اور دعائیں تین مرتبہ پڑھے اور اس کے علاوہ جو چاہے دعا مانگے کیونکہ یہ قبولیت کی جگہ ہے پھر ذکر کرتا ہوا صفا سے مروہ کی طرف اپنی چال چلے جب وہ جگہ قریب آنے لگے جہاں دیوار میں سبز رنگ کے ستون لگائے ہوئے ہیں اور بقدر چھ ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جائے تو صرف مرد دوڑنا شروع کردیں اور دوسرے سبز ستون کے بعد بھی چھ ہاتھ تک دوڑتے رہیں عورتیں یہاں بھی نہ دوڑیں گی بلکہ معمولی رفتار سے چلتی رہیں گی پھر مرد بھی اپنی چال چلنے لگیں اور اس وقت میں یہ دعا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ.(زبدہ)

اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما تو ہی عزت اور بڑا کریم ہے۔

اس کے علاوہ بھی جو چاہیں دعا مانگیں کہ یہ بھی قبولیت کا مقام ہے۔

مسئلہ......اگر سواری پر سعی کر رہا ہے تو دونوں سبز ستونوں کے درمیان سواری کو تیز کردے بشرطیکہ دوسرے لوگوں کو اس سے ایذا نہ پہنچے، پیادہ یا سوار دوڑنا اسی حد تک سنت ہے کہ دوسرے کو تکلیف دینے کا سبب نہ بنے۔ جب صفا کے بالمقابل مروہ پہاڑ پر پہنچے تو اس کے اوپر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو اور جس طرح صفا پر ہاتھ اٹھا کر تکبیر و تہلیل اور دعا کی تھی ویسا ہی عمل یہاں بھی کرے یہ ایک شوط پورا ہو گیا۔ اس کے بعد مروہ سے صفا کی طرف واپس چلیں تو اب بھی صرف مرد سبز ستون کے آنے سے کچھ پہلے دوڑنا شروع کردیں اور دوسرے سبز ستون کے کچھ بعد تک دوڑتے رہیں پھر اپنی چال چل کر صفا پر چڑھیں اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا

سے ہاتھ دعا کی طرح اٹھا کر تکبیر وتہلیل اور دعا کریں۔ یہ دوسرا شوط پورا ہو گیا اسی طرح سات شوط پورے کریں۔ صفا سے شروع ہو کر مروہ پر سعی ختم ہوتی ہے۔

مسئلہ ...... سعی کے سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز حرم میں آ کر مطاف کے کنارہ پر پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی مستحب ہے اگر باب عمرہ پر کسی جگہ پڑھ لے تو یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ ... سعی میں باوضو ہونا اور کپڑوں کا پاک ہونا مستحب ہے اور اس کے بغیر بھی سعی ہو جاتی ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ ... خواتین دو سبز ستونوں کے درمیان نہیں دوڑیں گی بلکہ معمول کے مطابق چلتی رہیں گی سعی کے باقی مسائل مرد و عورت سب کے لئے یکساں ہیں۔

(غنیہ وزبدہ)

سعی سے فارغ ہو کر

اگر احرام صرف عمرہ کا ہے یا حج میں تمتع کا ہے تو اب احرام اور عمرہ کے افعال تمام ہو گئے سعی سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈا دے یا بقدر ایک پورا انگشت کے کتروا دے مونڈنے کو حلق اور کاٹنے کو قصر کہتے ہیں۔ اس حلق یا قصر کرنے کے بعد احرام ختم ہو گیا صرف عمرہ کرنے والا فارغ ہو گیا اور حج تمتع کا عمرہ کرنے والا عمرہ تمتع سے فارغ ہو گیا احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں اب عام اہل مکہ کی طرح مکہ شریف میں مقیم رہے اور ایام حج جو آٹھویں ذی الحجہ سے شروع ہوں گے ان کا انتظار کرے اس دوران میں مسجد حرام کی حاضری اور نفلی طواف بکثرت کرنے کو سعادت کبریٰ سمجھے بازاروں مجلسوں میں بلا ضرورت وقت ضائع نہ کرے۔

اگر یہ شخص مفرد ہے یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھا ہے یا قارن

ہے کہ میقات سے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو ان دونوں کا احرام ابھی باقی ہے اب دونوں پر لازم ہے کہ احرام کی پابندیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں قیام کریں مسجد حرام کی حاضری اور بیت اللہ کے طواف کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ وقت اس میں لگائیں اور ایام حج جو آٹھویں ذی الحجہ سے شروع ہوں گے ان کا انتظار کریں۔

مسئلہ نفل طواف میں اضطباع اور رمل نہیں ہوتا۔

حج کے پانچ دن

ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ سے حج کے افعال و ارکان مسلسل شروع ہوتے ہیں ساتویں تاریخ کو ظہر کے بعد امام حج کا پہلا خطبہ ہوتا ہے جس میں حج کے احکام اور پانچ دن کا پروگرام بتایا جاتا ہے۔

پہلا دن ۸/ذی الحجہ

آج طلوع آفتاب کے بعد حالت احرام میں سب حاجیوں کو منیٰ جانا ہے مفرد جس کا احرام حج کا ہے اور قارن جس کا احرام حج و عمرہ دونوں کا ہے ان کے احرام تو پہلے سے بندھے ہوئے ہیں متمتع جس نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا تھا اسی طرح اہل مکہ حج کا احرام آج باندھیں گے۔ وہ سنت کے مطابق غسل کر کے احرام کی چادریں باندھ کر مسجد حرام میں آئیں اور مستحب یہ ہے کہ طواف کریں اور طواف کی دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد احرام کے لئے دو رکعت پڑھیں اور حج کی نیت اس طرح کریں کہ یا اللہ میں آپ کی رضا کے لئے حج کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان کر دیجئے اور قبول فرمایئے اس کی نیت کے بعد تلبیہ پڑھیں۔

ان کا درست ہوجائے گا ورنہ ان کا حج ہی نہیں ہوگا اس بات کو خوب سمجھ لیا جائے محض معلموں کے کہنے پر نہ رہیں۔ عرفات کے پورے میدان میں جس جگہ چاہیں ٹھہر سکتے ہیں اور جبل رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل ہے۔

وقوف عرفات

وقوف کے لفظی معنی ٹھہرنے کے ہیں نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک کے درمیانی حصہ میں کسی قدر ٹھہرنا حج کا رکن اعظم ہے اور نویں کے غروب تک عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے مستحب یہ ہے کہ زوال آفتاب سے پہلے غسل کریں اور اس کا موقع نہ ملے تو وضو بھی کافی ہے اس طرح تیاری کر کے مسجد نمرہ میں جائیں یہاں امام المسلمین یا اس کا نائب حج کا دوسرا خطبہ دے گا جو سنت ہے واجب نہیں پھر ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائے گا پہلے ظہر کی پھر عصر کی اس صورت میں ظہر کی دو سنتیں چھوڑ دی جائیں گی جو نماز عصر کے بعد بھی نہ پڑھی جائیں گی۔

آج کی نماز ظہر و عصر

مسئلہ...... عرفات میں عرفہ کے روز ظہر و عصر دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع کرنا سنت ہے مگر شرط یہ ہے کہ حج کا احرام باندھے ہوئے ہو، اور امام المسلمین یا اس کے نائب کی اقتداء میں پڑھ رہا ہو پہلے ظہر پھر عصر الگ الگ پڑھی جائیں۔

مسئلہ...... جمہور صحابہؓ کے نزدیک اس دن کی نمازوں میں بھی عام نمازوں کی طرح مقیم کو چار رکعت نماز فرض پوری پڑھنا فرض ہے مگر بعض حضرات کے نزدیک اس دن میں مقیم کو بھی قصر کرنا یعنی چار رکعت کی نماز میں دو رکعت پڑھنا احکام حج میں داخل ہے، اگر مسجد نمرہ میں ظہر و عصر کی امامت کوئی مقیم امام کرے اور نماز میں

قصر کرے تو جمہور کے نزدیک یہ نماز نہیں ہوئی اس لئے اس کا اعادہ واجب ہے۔

آج کل عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ مقیم امام جماعت کے ساتھ قصر کر کے دو رکعت پڑھاتا ہے اس لئے اپنی جگہ پر خیموں ہی میں ظہر کو ظہر کے وقت میں پھر عصر کو عصر کے وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کریں کیونکہ دونوں نمازوں کو ظہر کے وقت میں جمع کرنے کی شرط یہ ہے کہ امام المسلمین یا اس کے نائب کی اقتداء میں ہو اور امام المسلمین یا اس کا نائب چونکہ مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہے اس لئے حنفی مقیم یا مسافر کی نماز اس کے پیچھے درست نہیں ہے۔

وقوف عرفات کا مسنون طریقہ

زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک پورے میدان عرفات میں جہاں چاہے وقوف کر سکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ جبل الرحمۃ جو عرفات کا مشہور پہاڑ ہے اس کے قریب جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے وقوف فرمایا تھا وہاں وقوف کرے، بالکل اس جگہ نہ ہو تو جس قدر اس سے قریب ہو بہتر ہے لیکن اگر جبل الرحمۃ کے پاس جانے میں دشواری ہو یا واپسی کے وقت اپنا خیمہ تلاش کرنا مشکل ہو جیسا کہ آج کل عموماً پیش آتا ہے تو اپنے خیمہ ہی میں وقوف کرلے اصل چیز دل جمعی اور خشوع و خضوع ہے وہ جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ قلب اپنے سامان یا متعلقین کی طرف لگا ہوا نہ ہو۔

مسئلہ... افضل واعلیٰ تو یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑا ہو کر مغرب تک وقوف کرے اگر پورے وقت تک کھڑا نہ ہو سکے تو جس قدر کھڑا ہو سکتا ہے کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے پھر جب قوت ہو کھڑا ہو جائے اور پورے وقت میں خشوع و خضوع کے ساتھ بار بار تلبیہ پڑھتا رہے گریہ وزاری کے ساتھ ذکر اللہ اور تلاوت اور درود شریف اور استغفار میں مشغول رہے اور دینی و دنیاوی مقاصد کے لئے اپنے واسطے اور اپنے متعلقین

واحباب کے اور تمام مسلمانوں کے واسطے دعائیں مانگتا رہے یہ وقت مقبولیت دعا کا خاص وقت ہے اور ہمیشہ نصیب نہیں ہوتا اس میں بلا ضرورت آپس کی جائز گفتگوؤں سے بھی پرہیز کرے پورے وقت کو دعاؤں اور ذکر اللہ میں صرف کرے۔

مسئلہ ...... وقوف کی دعاؤں میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا سنت ہے جب تھک جائے ہاتھ چھوڑ کر بھی دعا مانگ سکتا ہے حضور سرور کائنات ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے دست مبارک اٹھا کر تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہا اور پھر یہ دعا پڑھی۔

لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْـدَہٗ لَا شَـرِیْکَ لَـہٗ لَـہُ الْمُلْکُ وَلَـہُ الْحَمْدُ ط اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ بِالْھُدٰی وَنَقِّنِیْ بِالتَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی.

کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اے اللہ تو مجھے ہدایت پر رکھ اور تقویٰ کے ذریعہ پاک فرما اور مجھے دنیا و آخرت میں بخش دے۔

پھر ہاتھ چھوڑ دے اتنی دیر جتنی دیر میں الحمد پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پھر ہاتھ اٹھا کر وہی کلمات اور دعا پڑھے پھر اتنی دیر یعنی بقدر الحمد للہ ہاتھ چھوڑے رکھے پھر تیسری مرتبہ وہی کلمات اور دعا پڑھے۔ (زبدہ)

وقوف کے وقت کی دعائیں

اصل بات یہ ہے کہ جو دعا دل سے اور خشوع و خضوع کے ساتھ مانگی جائے وہی بہتر ہے خواہ کسی زبان میں مانگے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شخص کو مانگنے کا سلیقہ نہیں آتا ہمارے جان و مال اور ماں باپ قربان ہوں رسول اللہ ﷺ پر کہ آپ نے ہمیں دینی مقاصد کے ساتھ دنیاوی کاموں اور ضرورتوں کے لئے بھی ایسی دعائیں

سکھادی ہیں جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتی تھیں، یہ دعائیں علماء نے مستقل کتابوں میں جمع کردی ہیں مثلاً الحزب الاعظم اور اس کا خلاصہ مناجات مقبول چھپی ہوئی ہر جگہ ملتی ہے دعاؤں کے نیچے ترجمہ بھی لکھا ہوا ہے وقت وسیع ہے اس میں پورا الحزب الاعظم یا پوری مناجات مقبول کی دعائیں مانگی جاسکتی ہیں مگر یاد رہے کہ دعا کا پڑھنا مقصد نہیں دعا مانگنا مقصود ہے اس لئے خوب گڑگڑا کر دعا مانگیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفہ کے روز بہترین دعا اور جو دعائیں میں نے پڑھیں یا مجھ سے پہلے انبیاء نے پڑھیں ان میں بہتر دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں حکومت اسی کی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہ مختصر دعا ہے اس کو بار بار پڑھتے رہیں اور بہت دعائیں یہ ہیں۔

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخش سکتا پس تو میری مغفرت فرمادے اپنی خاص مغفرت اور مجھ پر رحم فرما بلا شبہ تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(۲) ... اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً تُصْلِحُ بِھَا شَاْنِیْ فِی الدَّارَیْنِ وَتُبْ عَلَیَّ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا لَا اَنْکُثُھَا اَبَدًا وَّ اَلْزِمْنِیْ سَبِیْلَ

الاستقامۃ لا ازیغ عنہا ابدًا۔

اے اللہ! تو میری ایسی مغفرت فرمادے جس سے تو دونوں جہان میں میرے حال کی اصلاح فرمادے اور تو میری ایسی نیکی قبول فرما جسے میں کبھی نہ چھوڑوں اور مجھے راست بازی کی راہ پر لگادے جس میں کبھی نہ بھٹکوں۔

(۳)... اللّٰھم انقلنی من ذل المعصیۃ الی عز الطاعۃ۔

اے اللہ! مجھے نافرمانی کی ذلت سے فرمانبرداری کی عزت کی طرف پھیر دے۔

مسئلہ... جو شخص غروب آفتاب سے قبل عرفات کی حدود سے نکل گیا اس پر لازم ہے کہ واپس آئے اور غروب کے بعد عرفات سے باہر نکلے، اگر ایسا نہ کیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

مسئلہ... اگر کسی شخص کو کسی مجبوری سے نویں تاریخ کے زوال سے مغرب تک وقوف عرفہ کا موقع نہیں ملا تو وہ غروب آفتاب کے بعد شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے وقوف کرلے ایسا کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا اگرچہ یہ وقوف چند منٹ کا ہو۔ (مناسک ملا علی)

عرفات سے مزدلفہ کو روانگی اور وہاں کے مسائل

مزدلفہ منیٰ سے مشرق کی جانب تین میل کے فاصلہ پر حدودِ حرم کے اندر ہے عرفات کے وقوف سے فارغ ہو کر دسویں ذی الحجہ کی شب میں مزدلفہ پہنچنا ہے اور مغرب اور عشاء کی دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں جمع کرکے پڑھنا ہے۔ اس کے راستہ میں بھی ذکر اللہ اور تلبیہ پڑھتے ہوئے چلیں، اس روز حجاج مغرب کی نماز کو

مؤخر کر کے مزدلفہ میں عشاء کے ساتھ پڑھیں مغرب کے فرض کے فوراً بعد عشاء کے فرض پڑھیں مغرب کی سنتیں اور عشاء کی سنت اور وتر سب بعد میں پڑھیں۔ (زبدہ)

مسئلہ .. مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھی جائیں۔

مسئلہ ..... مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں عشاء کے وقت میں جمع کرنا واجب ہے اور اس کے لئے جماعت بھی شرط نہیں۔ (حیات القلوب)

مسئلہ ..... اگر مغرب کی نماز عرفات میں یا راستے میں پڑھ لی ہے تو مزدلفہ پہنچ کر اس کا اعادہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ..... اگر عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ گیا تو ابھی مغرب کی نماز نہ پڑھے عشاء کے وقت کا انتظار کرے اور عشاء کے وقت میں دونوں نمازوں کو جمع کرے۔ (زبدہ)

مسئلہ .. مزدلفہ کی رات میں جاگنا اور عبادت میں مصروف رہنا مستحب ہے یہ رات بعض کے نزدیک شب قدر سے بھی افضل ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ .. دسویں شب ذی الحجہ یعنی عید کی شب مزدلفہ میں قیام کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ (حیات القلوب)

حج کا تیسرا دن

وقوفِ مزدلفہ

آج ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے اس میں حج کے بہت سے کام واجبات وفرائض ادا کرنا ہیں اسی لئے تو حج سے نماز عید معاف کر دی گئی ہے پہلا واجب وقوف مزدلفہ کا ہے اس کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے تک ہے اگر کوئی طلوع فجر کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر منیٰ چلا جائے طلوع آفتاب کا انتظار نہ کرے تو بھی واجب وقوف ادا ہو گیا واجب کی ادائیگی کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ نماز فجر مزدلفہ میں پڑھ لے مگر سنت یہی ہے کہ طلوع آفتاب تک ٹھہرے۔

مسئلہ: مزدلفہ کے تمام میدان میں جہاں چاہے وقوف کر سکتا ہے بجز وادی محسر کے جو منیٰ کی جانب مزدلفہ سے خارج وہ مقام ہے جہاں اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا۔ اس کو آج کل وادی النار بھی کہتے ہیں سعودی حکومت نے اس کے شروع پر تختی لگا دی ہے تاکہ غلطی سے کوئی وادی محسر میں نہ ٹھہرے۔ افضل یہ ہے کہ مشعر حرام جس کو جبل قزح بھی کہا جاتا ہے وہاں وقوف کرے اگر بھیڑ کی وجہ سے وہاں پہنچنا مشکل ہو تو جس جگہ ٹھہرا ہے وہیں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ کر وقوف کرے اس وقوف میں بھی تکبیر اور تسبیح وتہلیل اور استغفار وتوبہ اور درود شریف کی کثرت کرے۔

مسئلہ: وقوف مزدلفہ واجب ہے لیکن عورتیں اور بہت بوڑھے ضعیف بیمار مرد اگر یہ وقوف ترک کر دیں اور سیدھے منیٰ چلے جائیں تو جائز ہے اور اس کا کوئی کفارہ اور دم وغیرہ بھی واجب نہیں البتہ مرد اگر بیماری اور بہت بڑھاپے کے عذر کے

بغیر یہ وقوف ترک کر دیں تو دم (قربانی) واجب ہوگا (غنیہ)

مسئلہ ..... بیمار اور غیر بیمار کا یہ فرق کہ بیمار پر وقوف مزدلفہ چھوڑنے سے کوئی دم لازم نہیں ہوتا صرف وقوف مزدلفہ کے ساتھ خاص ہے ممنوعات احرام میں سے کسی کی خلاف ورزی اگر بیماری کی وجہ سے بھی کرنی پڑی تب بھی دم واجب ہوتا ہے۔ (زبدہ)

مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی

جب طلوع آفتاب سے کچھ دیر بقدر دو رکعت کے باقی رہے تو مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں اس کے بعد تاخیر کرنا خلاف سنت ہے (حیات القلوب) اور مستحب یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے لئے سات کنکریاں بڑے چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر مزدلفہ سے اٹھا کر ساتھ لے جائیں۔ (زبدہ)

دسویں ذوالحجہ کا دوسرا واجب جمرۂ کی رمی

آج منیٰ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام جمرہ عقبہ کی رمی ہے جو آج کے دن واجب ہے یاد رہے کہ منیٰ میں تین جگہ ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے اور ان پر سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں پہلا جمرہ منیٰ کی مسجد یعنی مسجد خیف کے نزدیک ہے جس کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرا جمرہ اس کے آگے ہے جس کو جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں تیسرا جمرہ بالکل منیٰ کے آخر میں ہے جس کو جمرہ عقبہ کہا جاتا ہے آج دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ پر سات کنکریوں میں رمی کرنا ہے رمی کے معنی کنکریاں مارنے کے ہیں یہ رمی حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقبول عمل کی یادگار ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے لئے لے جانے کے وقت تین جگہ جب شیطان بہکانے کے لئے آیا اس کو کنکریاں مار کر دفع کیا تھا۔

مسئلہ ... پہلے دن کی رمی جمرۂ عقبہ کے لئے سات کنکریاں مزدلفہ سے لانا مستحب ہے کسی دوسری جگہ سے لے لے تو یہ بھی جائز ہے مگر جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے کیونکہ جمرات کے پاس جو کنکریاں پڑی رہ جائیں وہ حسب تصریح حدیث اللہ کے نزدیک مردود ہیں جن کا حج قبول ہوتا ہے ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں، باقی دنوں میں جو جمرات کی رمی کی جائے گی ان کی کنکریاں مزدلفہ سے لانا مستحب نہیں وہاں سے یا کہیں اور سے اٹھانا برابر ہے مگر جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے۔ (زبدہ)

مسئلہ ... کنکری بڑے چنے کے برابر ہو کھجور کی گٹھلی کے برابر ہو تو بھی جائز ہے بڑے پتھر سے رمی کرنا مکروہ ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ .. ناپاک کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ رمی سے پہلے کنکریوں کو دھولیا جائے اور جب تک ناپاکی کا یقین نہ ہو بغیر دھوئے استعمال میں بھی مضائقہ نہیں۔

جمرۂ عقبہ کی رمی کا طریقہ

دسویں تاریخ ذی الحجہ کو جو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے اس کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال آفتاب تک ہے اور زوال سے غروب آفتاب تک بھی جائز ہے غروب کے بعد مکروہ ہے مگر ضعیف بیمار عورتوں کے لئے غروب کے بعد بھی مکروہ نہیں۔ (زبدہ) آج کل سخت ہجوم ہوتا ہے اور زوال سے پہلے رمی کرنے میں سخت بھیڑ کی وجہ سے بعض اموات بھی واقع ہوگئی ہیں اس لئے غروب آفتاب تک کرنے کی گنجائش ہے اس سے کام لیں اور غروب آفتاب سے پہلے عورتوں کو موقع نہ مل سکے تو مغرب کے بعد رمی کریں اسی طرح بیمار اور کمزور مرد بھی مغرب کے بعد رمی کرلیں ترک نہ کریں۔

مسئلہ . جمرۂ عقبہ سے کم از کم پانچ ہاتھ کے فاصلہ پہ کھڑا ہو زیادہ فاصلہ

اپنی رمی دوسرے سے کرانا

مسئلہ ...مرد، عورت بیمار، ضعیف سب خود اپنے ہاتھ سے رمی کریں کسی کو نائب بنا کر رمی کرانا عذر شرعی کے بغیر جائز نہیں اور شرعی عذر ایسی بیماری یا کمزوری ہے جس کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہو یا جمرات تک سوار ہو کر پہنچنے میں بھی سخت تکلیف ہو یا مرض کے شدت اختیار کرنے کا قوی اندیشہ ہو یا پیدل چلنے میں قدرت نہیں ایسا شخص معذور ہے وہ اپنی طرف سے دوسرے آدمی کو نائب بنا کر رمی کرا سکتا ہے۔ (غنیۃ صفحہ ۱۰۰)

مسئلہ ... جو شخص کسی دوسرے آدمی کی طرف سے رمی کرے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ پہلے اپنی رمی کرے بعد میں دوسرے کی طرف سے کرے جن دنوں میں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے ان میں پہلے اپنی طرف سے تینوں جمرات کی رمی کر کے فارغ ہو جائے پھر دوسرے کی طرف سے تینوں جمرات کی رمی کرے، اور اگر ہر جمرہ پر اپنی سات کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی دوسرے کی طرف سے اسی وقت سات کنکریوں سے رمی کر دی پھر دوسرے اور تیسرے جمرہ پر اسی طرح کیا تو یہ بھی جائز ہے اور آج کل شدید ہجوم کی وجہ سے اسی میں سہولت ہے لیکن ہرگز ایسا نہ کرے کہ ایک کنکری اپنی طرف سے مار دی اور دوسری کنکری دوسرے کی طرف سے مارے کیونکہ یہ مکروہ ہے اگرچہ واجب ادا ہو جائے گا اور کوئی کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا بلکہ اپنی پہلے سات کنکریاں ختم کرے پھر دوسرے کی طرف سے سات کنکریاں مارے۔ (غنیۃ صفحہ ۱۰۰)

مسئلہ ... معذور کی طرف سے دوسرے کی رمی درست ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دوسرا آدمی اس کو اپنا نائب بنا کر خود بھیجے بغیر اس کے کہنے سے دوسرے نے رمی کر دی تو وہ معتبر نہیں البتہ بے ہوش اور چھوٹے بچوں اور مجنون کی طرف سے ان کے ولی خود کر دیں تو یہ جائز ہے۔ (زبدۃ المناسک)

مسئلہ۔ کنکری کا جمرہ پر لگنا ضروری نہیں ہے اگر کنکری جمرہ کے قریب گر گئی تو بھی جائز ہے اور قریب کی حد دیوار کا وہ احاطہ ہے جو ہر جمرہ کے گرد بنا دیا گیا ہے جو کنکری احاطہ میں نہ گرے تو اس کی جگہ دوسری کنکری مارے۔

مسئلہ...کنکریوں کو جمرہ کی جڑ پر مارنا چاہئے، کچھ اوپر بھی لگ جائے تو بھی حرج نہیں۔ (غنیہ)

دسویں تاریخ کا تیسرا واجب قربانی

قارن اور متمتع کی چونکہ دو عبادتیں عمرہ اور حج ادا ہوئیں اس لئے ان پر بطور شکرانہ ایک قربانی واجب ہے لہٰذا قارن اور متمتع پر واجب ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر اس وقت تک حلق یا قصر نہ کرائیں جب تک یہ قربانی نہ کریں اگر اس سے پہلے حلق یا قصر کرا لیا تو دم واجب ہوگا البتہ مفرد جس نے حج کا احرام باندھا ہے اس کے لئے یہ قربانی واجب نہیں مستحب ہے لہٰذا اگر کوئی مفرد قربانی نہ کرے اور حلق کرا لے تو جائز ہے۔

مسئلہ...اگر قارن اور متمتع کے پاس مال میں اتنی گنجائش نہیں کہ قربانی کر سکیں تو قربانی کے بدلے دس روزے رکھنا بھی کافی ہے شرط یہ ہے کہ ان میں سے تین روزے یوم عرفہ تک رکھ لیں باقی سات کا اختیار ہے جب چاہیں واپسی کے بعد رکھیں لیکن اگر یہ تین روزے عرفہ کے دن تک نہیں رکھے تو قربانی کرنا ہی متعین ہے اور عدم گنجائش کی وجہ سے قربانی نہ کر سکیں تو حلق کر کے حلال ہو جائیں مگر اب ان کے ذمہ دو دم لازم ہو جائیں گے ایک دم قران یا تمتع جسے دم شکر کہا جاتا ہے اور دوسرا دم جنایت جو قربانی سے پہلے حلق کرنے کی وجہ سے بطور سزا کے واجب ہو گیا۔ (زبدہ)

دسویں تاریخ کا چوتھا واجب حلق یا قصر ہے

قربانی کے بعد سر کے بال منڈوانا یا انگلی کے ایک پورے کے برابر کتروانا واجب ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آج ہی کرے بارہویں تاریخ تک کر سکتا ہے مگر جب تک حلق یا قصر نہیں کرے گا احرام میں رہے گا اور احرام کی پابندیاں برقرار رہیں گی خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے اور دسویں تاریخ کو منیٰ میں حلق یا قصر کرے گا تو احرام سے فراغت ہو جانے کی سلا ہوا کپڑا پہننا، خوشبو لگانا، ناخن اور بال کاٹنا سب حلال ہو جائے گا مگر بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار اس وقت تک حلال نہیں جب تک طواف زیارت یعنی طواف فرض سے فارغ نہ ہو جائے۔ (زبدہ)

مسئلہ عورت کے لئے سر کے بال منڈوانا حرام ہے اس لئے صرف قصر کرنے کا حکم ہے یعنی تمام سر کے بالوں کو انگلی کے ایک پورے کے برابر کاٹنے یا کتروانے اگر چوتھائی سر کے بال بھی ایک پورے کے برابر کٹ گئے تو احرام سے نکلنے کیلئے کافی ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ سر کے بال منڈوانے یا کتروانے سے پہلے ناخن کاٹنا یا بال تراشنا جائز نہیں ایسا کرے گا تو دم لازم ہوگا۔ (غنیہ)

مسئلہ حج کا حلق منیٰ میں کرنا سنت ہے لیکن حدود حرم میں کسی دوسری جگہ کرے تو بھی جائز ہے اور اگر حد حرم سے باہر جا کر حلق کیا تو دم لازم ہو جائے گا۔ (زبدۃ، اقرب)

قربانی اور بال کٹوانے سے متعلق ایک آسانی

جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد دو واجب یعنی قربانی پھر حلق دسویں تاریخ کو لازمی نہیں بارہویں تک بھی کر سکتے ہیں اگر جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد

قربانی کرنا لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے مشکل ہو تو بلا ضرورت اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں آج نہیں ہو سکی تو کل پرسوں تک قربانی کر سکتے ہیں البتہ قران یا تمتع کرنے والا جب تک قربانی نہ کرلے حلق یا قصر کرنا جائز نہیں اور جب تک حلق یا قصر نہ کرے احرام سے خارج نہیں ہوگا۔

طواف زیارت کن وقتوں میں کیا جاسکتا ہے

احرام کے بعد حج کے رکن اور فرض کل دو ہیں ایک وقوف عرفات دوسرے طواف زیارت جو دسویں تاریخ کو ہوتا ہے اس طواف کی سنت یہ ہے کہ رمی، قربانی اور حلق کے بعد کیا جائے۔ اگر ان سے پہلے طواف زیارت کرے گا تو بھی فرض ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ ... طواف زیارت کا افضل دن دسویں ذی الحجہ ہے لیکن بارہویں تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے کرلے تو یہ بھی جائز ہے اگر بارہویں تاریخ گذر گئی اور طواف زیارت نہ کیا تو تاخیر کی وجہ سے دم دینا لازم ہوگا اور طواف پھر بھی فرض رہے گا۔

یہ طواف کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کا بدل دے کر ادا ہو سکتا ہے بلکہ آخر عمر تک اس کی ادائیگی فرض رہے گی اور جب تک اس کو ادا نہیں کرے گا حج ادا نہ ہوگا اور بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار حرام رہے گی۔ (غنیۃ)

مسئلہ ۔ طواف زیارت سے فارغ ہو کر ممنوعات احرام سب حلال ہو جاتی ہیں، بیوی سے مباشرت بھی حلال ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۔ جو عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو اس کے لئے طواف کرنا جائز نہیں دسویں تاریخ کو یا اس سے پہلے حیض یا نفاس شروع ہو گیا اور بارہویں تاریخ تک بھی فراغت نہ ہوئی تو طواف زیارت کو مؤخر کرے اور اس تاخیر پر اس کے ذمہ دم

لازم نہیں ہے لیکن جب تک حیض ونفاس سے پاک نہ ہو جائے طواف زیارت نہیں ہوسکتا اور طواف زیارت کے بغیر وطن کو واپس نہیں ہوسکتی اگر واپس ہو جائے تب بھی عمر بھر یہ فرض لازم رہے گا اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر طواف کرنا پڑے گا اس لئے حیض ونفاس سے پاک ہونے کا انتظار لازمی ہے۔

صفا ومروہ کے درمیان حج کی سعی

جو شخص حج کی سعی طواف قدوم کے ساتھ کر چکا ہے اب نہ سعی کرے اور نہ طواف زیارت میں اضطباع ورمل کرے البتہ مفرد جس نے طواف قدوم کے ساتھ سعی نہیں کی اور قارن ومتمتع جنہوں نے وقوف عرفات سے پہلے صرف عمرہ کی سعی کی ہے حج کی سعی نہیں کی ان پر واجب ہے کہ طواف زیارت کے بعد سعی کریں اور طواف زیارت کے ابتدائی تین شوط میں رمل بھی کریں اور طواف زیارت اگر سلے ہوئے کپڑوں میں کرے تو اضطباع نہیں سعی کا طریقہ بیان ہو چکا ہے طواف زیارت اور سعی کے بعد دسویں تاریخ کے سب کام پورے ہو گئے اب اس سے فارغ ہو کر پھر منیٰ چلا جائے۔

حج کا چوتھا دن گیارہ ذی الحجہ

اب حج کے واجبات میں مختصر کام رہ گئے ہیں دو یا تین دن منیٰ میں رہ کر تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے ان دنوں کی راتیں بھی منیٰ میں گذارنا سنت مؤکدہ ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے منیٰ سے باہر مکہ میں یا کسی دوسرے مقام میں رات گزارنا ممنوع ہے (ارشاد الساری)

اگر قربانی یا طواف زیارت کسی وجہ سے دس تاریخ کو نہیں کر سکا تو آج گیارہویں تاریخ کو کرلے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے اس سے فارغ ہو جائے

زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں۔ آج کی رمی کا وقت مستحب زوال کے بعد سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے غروب کے بعد مکروہ ہے مگر بارہویں تاریخ کی صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے رمی کر لی جائے تو ادا ہو جاتی ہے دم دینا نہیں پڑتا اور اگر بارھویں تاریخ کی صبح ہو گئی تو اب گیارہویں تاریخ کی رمی کا وقت فوت ہو گیا اس پر قضا بھی لازم ہے اور جزاء میں دم بھی واجب ہے یعنی بارھویں تاریخ کو اس دن کی رمی بھی کرے اور گیارھویں کی فوت شدہ رمی کی بھی قضاً کرے اور قضاً کرنے کی وجہ سے دم بھی دے گیارھویں تاریخ کی رمی اس ترتیب سے کرے کہ پہلے جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریوں سے رمی اسی طریقے سے کرے جس طرح دس تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی کر چکا ہے۔ اس کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد مجمع سے ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرے، کم سے کم اتنی دیر ٹھہرنا سنت ہے جتنی دیر میں بیس آیتیں پڑھی جائیں اس وقت میں تکبیر تہلیل و استغفار اور درود شریف میں مشغول رہے اپنے اور اپنے احباب اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کرے کہ یہ بھی قبولیت کا مقام ہے۔ (زبدہ)

اس کے بعد جمرہ وسطیٰ پر آئے اور اسی طرح سات کنکریاں اس جمرے کی جڑ میں مارے جس طرح پہلے کر چکا ہے اور اس کے بعد بھی مجمع سے ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر دعا و استغفار میں کچھ دیر مشغول رہے پھر جمرہ عقبہ پر آئے اور یہاں بھی حسب سابق سات کنکریوں سے رمی کرے اور اس کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے کہ یہاں سنت سے ثابت نہیں ہے۔ آج کی تاریخ کا اتنا ہی کام تھا جو پورا ہو گیا باقی اوقات اپنی جگہ پر منیٰ میں گزارے، ذکر اللہ، تلاوت، دعا میں مشغول رہے۔ غفلتوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کرے۔

حج کا پانچواں دن ۱۲ ذی الحجہ

اگر قربانی یا طواف زیارت گیارھویں تاریخ کو بھی نہ کر سکا تو آج بارھویں تاریخ کو کر لے اور آج کا اصل کام صرف تینوں جمرات کی رمی کرے جس طرح گیارہ ذی الحجہ کو کی ہے۔ اب تیرھویں تاریخ کی رمی کے لیے منیٰ میں مزید قیام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے اگر چاہے تو آج بارھویں کی رمی سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ جاسکتا ہے بشرطیکہ سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل جائے اگر بارھویں تاریخ کا آفتاب منیٰ میں غروب ہو گیا تو منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے اس کو چاہیے کہ آج کی رات اور منیٰ میں قیام کرے اور تیرھویں تاریخ کو رمی کر کے مکہ معظمہ جائے اگر بعد غروب مکہ مکرمہ چلا گیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے اور اگر منیٰ میں تیرھویں کی صبح ہو گئی تو رمی اس دن کی بھی اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے بغیر رمی کیے ہوئے جانا جائز نہیں اگر بغیر رمی چلا جائے گا تو دم واجب ہو گا البتہ تیرھویں تاریخ کی رمی میں یہ سہولت ہے کہ وہ زوال آفتاب سے پہلے بھی جائز ہے باقی طریقہ وہی ہے جو ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کا ہے۔

مسئلہ..... تیرھویں تاریخ کی شب میں منیٰ کا قیام اور تیرھویں تاریخ کی رمی اصل سے واجب نہیں مگر افضل ہے البتہ تیرھویں کی صبح منیٰ میں ہو جائے تو اس دن کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے۔

منیٰ سے مکہ معظّمہ کو واپسی

اب منیٰ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ کو واپس آئے راستہ میں مقام محصب میں

تھوڑی دیر ٹھہرنا سنت ہے مگر آج کل موٹروں کی سواری عموماً اختیار میں نہیں ہوتی اس لیے راستہ میں ٹھہرنا سخت مشکل ہوتا ہے اس مجبوری سے اگر یہاں ٹھہرنے کا موقع نہ ملے تو کوئی حرج نہیں۔ (زبدہ)

اب اس کے ذمہ حج کے کاموں میں صرف ایک طواف وداع باقی رہا ہے جو مکہ سے واپس ہوتے وقت واجب ہے جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہے دوسرے نفلی طواف اپنی قدرت کے مطابق کثرت سے کرتا رہے حرم شریف کی حاضری، بیت اللہ کا طواف اور بیت اللہ کو بقصد تعظیم دیکھنا۔ حرم میں نمازیں اور ذکر و تلاوت کو غنیمت جانے کہ پھر معلوم نہیں نصیب ہو یا نہ ہو۔ کم از کم ایک قرآن شریف حرم شریف میں ختم کرنے کی کوشش کرے اور صدقہ خیرات جتنا کرتا رہے کرے۔ اہل مکہ سے محبت اور ان کی تعظیم و ادب ضروری سمجھے ان کی حقارت سے انتہائی پرہیز کرے اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرے کیونکہ حرم مکہ میں جیسا عبادات کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے اسی طرح وہاں جو گناہ سرزد ہو جائے تو اس کا وبال بھی بہت ہی بڑا ہے۔ (زبدہ)

طوافِ وداع

میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے کہ جب مکہ شریف سے واپس جانے لگیں تو رخصتی طواف کریں اور یہ حج کا آخری واجب ہے اور اس میں حج کی تینوں قسمیں برابر ہیں یعنی ہر قسم کا حج کرنے والے پر واجب ہے یہ طواف اہل حرم اور حدود میقات کے اندر رہنے والوں پر واجب نہیں۔

مسئلہ ... جو عورت حج کے سب ارکان و واجبات ادا کر چکی ہے اور اس کا محرم روانہ ہونے لگا اور عورت کو اس وقت حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو طواف صدر اس عورت کے ذمہ واجب نہیں رہتا اس کو چاہیے کہ مسجد میں داخل نہ ہو مگر دروازہ کے

پیش آنے والے ضروری مسائل درج کرتے ہیں۔

جنایات کی قسمیں

جنایات حج دو قسم کی ہیں۔

اول... جنایات احرام یعنی حالت احرام میں جو کام ناجائز ہیں ان کا ارتکاب۔

دوم... حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کر دینا یا کسی طرح اس میں کوتاہی ہونا۔

قسم اول جنایات احرام اور ان کی جزائیں

جنایات احرام کے متعلق پہلے ضابطے کے طور پر چند ضروری ہدایات لکھی جاتی ہیں۔

ہدایت نمبر ا

جنایات احرام حسب ذیل ہیں:۔

ا... خوشبو لگانا

۲... مرد کو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا کپڑا پہننا

۳... مردوں کو سر اور چہرہ ڈھانکنا اور عورت کو صرف چہرہ ڈھانکنا

۴... جسم کے کسی حصے کے بال دور کرنا

۵... ناخن کاٹنا

۶... اپنے بدن یا کپڑے سے جوں مارنا یا جدا کرنا

۷... جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ بوس و کنار کرنا

۸... خشکی کے جانور کا شکار کرنا۔ (غنیہ)

ہدایت نمبر۲

ممنوعات احرام کا معاملہ عام عبادات سے مختلف ہے اس میں بھول چوک، خطاء اور عذر بلا عذر ہر حال میں جزاء لازم ہوتی ہے احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی کرنا خواہ ناواقفیت سے ہو یا خطا اور بھول سے یا کسی کی زبردستی سے اور خواہ جاگتے ہوئے ہو یا سوتے ہوئے ہو یا بے ہوشی اور نشے میں ہو یا تنگدستی اور مجبوری سے خود کرے یا دوسرے سے کرائے یا دوسرا اس کے کہے بغیر اس کے ساتھ کرے۔ مثلاً زبردستی اس کو خوشبو لگا دے ہر حال میں جزاء محرم پر واجب ہوتی ہے اور اس تفصیل میں مرد اور عورت سب برابر ہیں (زبدہ)

البتہ بھول چوک، یا عذر سے خلاف ورزی کرنے میں گناہ نہیں ہوتا صرف جزاء لازم ہوتی ہے اور بلا عذر کرنے میں گناہ بھی ہوتا ہے اور جزاء بھی لازم ہوتی ہے۔ (غنیہ)

کوئی پیسے والا اگر بلا عذر ممنوعات احرام کی خلاف ورزی اس بناء پر کرے کہ جزاء یعنی دم دے دے گا تو سخت گناہ گار ہے اس پر حج مبرور مقبول نہیں ہوتا۔ (زبدہ)

عذر اور بلا عذر میں دوسرا فرق یہ ہے کہ بلا عذر خلاف ورزی کی صورت میں جو جزاء مقرر کی گئی ہے وہ ہی واجب ہوتی ہے اس کے بدلے میں روزے رکھنا کافی نہیں ہوتا اور جو خلاف ورزی عذر سے کی جائے تو اس میں اس طرح کی سہولتیں ہیں جن کا بیان آگے آرہا ہے۔

ہدایت نمبر۳

جنایات کی جزاء کا فوراً ادا کرنا واجب نہیں مگر افضل یہ ہے کہ جلد ادا کر دے مرنے سے پہلے ادا کرنا واجب ہے اگر خود نہ کر سکا تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے بغیر وصیت کے بھی اگر وارث احساناً اس کی طرف سے ادا کر دیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس کو میت کی طرف سے ادائیگی قرار دیدیں مگر وارث میت کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ (زبدہ)

ہدایت نمبر ۳: اصطلاحات کی تشریح

دم:

جس جگہ لفظ دم بولا جاتا ہے اس سے مراد بکری یا بھیڑ یا ساتواں حصہ گائے کا یا اونٹ کا ہوتا ہے اور اس میں وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو قربانی کے جانور کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

بدنہ:

جہاں بولا جاتا ہے اس سے مراد پوری گائے یا پورا اونٹ ہوتا ہے اور یہ پوری گائے یا اونٹ کی قربانی صرف دو جنایتوں میں لازم ہوتی ہیں ایک حیض یا نفاس یا جنابت کی حالت میں طواف زیارت کرنا دوسرے وقوف عرفہ کے بعد حلق یا قصر اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنا۔

اور لفظ صدقہ:

جہاں مطلق ہو اس کی خاص مقدار ساتھ نہ لکھی ہو اس سے صدقۃ الفطر کی مقدار مراد ہوتی ہے یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت اور جہاں لفظ صدقہ کے ساتھ اس کی کوئی مقدار بھی لکھی ہو وہاں وہی مقدار واجب ہوگی (زبدہ) ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطلق صدقہ کے بجائے کہا جاتا ہے اور کچھ صدقہ کردے اس میں مٹھی بھر غلہ یا اس کی قیمت یا ایک روٹی یا ایک قرش نقد دے دینا بھی کافی ہوتا ہے۔

روزے:

جنایات کی بعض صورتوں میں ایک یا تین یا دس روزے بھی واجب ہو جاتے ہیں جن کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

جنایات میں عذر اور بلا عذر کا فرق

عذر سے مراد اس جگہ بخار، شدید سردی، شدید گرمی، زخم، درد سر، جوئیں، اور ہر وہ بیماری ہے جس میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہو، مرض کا مشتد ہونا یا ہلاکت تک پہنچنے کا خطرہ شرط نہیں (زبدہ) خطا، بھول چوک، بے ہوشی، نیند اور مفلسی عذر نہیں (زبدہ) دونوں قسموں میں کسی انسان کا جبر بھی عذر معتبر نہیں۔

اگر بیماری وغیرہ کے عذر سے سلا ہوا کپڑا پہنا یا خوشبو استعمال کی یا بال کٹوائے یا سر کو یا چہرہ کو کپڑے سے چھپایا یا عورت نے چہرہ کو کپڑے سے اس طرح چھپایا کہ کپڑا اس کے چہرے کو لگا ہوا رہا تو ان سب صورتوں میں اگر جنایت کامل ہوئی تو اختیار ہے کہ دم دے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو بقدر صدقۃ الفطر صدقہ دے یعنی ہر مسکین کو پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت دے اور اگر جنایت کامل نہیں تو دو چیزوں کا اختیار ہے کہ جو صدقہ واجب ہوا ہے یعنی ایک صدقۃ الفطر کی مقدار وہ ادا کرے یا اسکے بدلے ایک روزہ رکھے (ارشاد الساری) ایک صدقہ دے یا ایک روزہ رکھے تین یا دو چیزوں میں اختیار صرف عذر کی حالت میں ہے اور بغیر عذر کے کرے گا تو کامل جنایت میں دم اور ناقص میں صدقہ متعین ہے روزے سے جزاء ادا نہ ہوگی اور جنایت کامل اور ناقص کی تفصیل حسب ذیل ہے (غنیۃ زبدہ)

جنایت کامل یا ناقص کی تشریح

جنایت کامل یا ناقص کی تفصیل ہر ایک قسم کی جنایت میں الگ الگ ہے جس کا بیان یہ ہے۔

بدن پر خوشبو استعمال کرنے کی جنایت

اگر کسی بڑے عضو مثلاً سر یا داڑھی یا ہتھیلی یا ران یا پنڈلی پر پورے عضو کو خوشبو لگائی تو جنایت کامل ہوگئی اگرچہ تھوڑی دیر ہی استعمال کی ہو اس صورت میں بغیر عذر کے دم لازم ہے اگر فوراً ہی اس کو دھو ڈالا ہو تب بھی دم ساقط نہیں ہوگا۔ (غنیہ)

اور عذر کی صورت میں مذکورہ سابق تین اختیار ہیں کہ دم دے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو بقدر صدقۃ الفطر ادا کرے۔ اگر کسی چھوٹے عضو جیسے ناک، کان، آنکھ، مونچھ، انگلی کو خوشبو لگائی یا بڑے عضو کے کسی حصہ کو خوشبو لگائی پورے عضو کو نہیں تو جنایت ناقص ہے جس میں ایک مسکین کو صدقہ بقدر صدقۃ الفطر کے واجب ہے اور عذر کی حالت میں ایک روزہ بھی قائم مقام ہو سکتا ہے (زبدہ، مناسک ملا علی)

مسئلہ۔ حجر اسود پر اگر خوشبو لگی ہو (حج کے موسم میں بعض لوگ اس پر خوشبو لگا دیتے ہیں) اور طواف کرنے والا محرم ہو تو اس کا استلام جائز نہیں بلکہ ہاتھوں سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دے لے اگر محرم نے حجر اسود کا استلام کیا تو اس کے منہ یا ہاتھ کو خوشبو لگی ہے اگر بہت لگی تو دم اور تھوڑی لگی تو صدقہ لازم ہوگا۔ (غنیہ)

مسئلہ۔ سر یا تحت یا داڑھی کو حالت احرام میں مہندی لگانا ممنوع ہے اگر پورے سر یا پوری داڑھی یا چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی کو مہندی لگائی اور مہندی پتلی

---

(۱) اس مسئلہ میں چوتھائی داڑھی قائم مقام کل کے ہے جیسا کہ تنویر زبدہ میں ہے حاشیہ میں احقر کا ۔۔۔ ۱۳۴۳ھ

ٹکی لگائی خوب گاڑھی نہیں لگائی تو دم واجب ہے اور اگر گاڑھی گاڑھی لگائی تو دو دم واجب ہوں گے۔ ایک دم خوشبو کی وجہ سے دوسرا دم سر یا چہرہ ڈھانکنے کی وجہ سے یہ اس صورت میں ہے جب کہ سارے دن یا ساری رات لگائے رکھا اور اگر ایک دن یا رات سے کم لگایا تو ایک دم اور ایک صدقہ واجب ہوگا یہ مرد کا حکم ہے عورت پر ایک ہی دم واجب ہوگا کیونکہ اس کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع نہیں۔

مسئلہ ...... پوری ہتھیلی پر مہندی لگانے سے بھی دم واجب ہوتا ہے اگر عورت ہتھیلی کو مہندی لگائے تو دم واجب ہوگا (غنیۃ)

مسئلہ ..... پان میں خوشبودار تمباکو یا الائچی ڈال کر کھانا محرم کے لئے بالاتفاق مکروہ ہے اور کتب فقہ کی بعض عبارات سے دم لازم ہونے کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

مسئلہ ..... اگر خوشبودار سرمہ ایک دو بار لگایا تو صدقہ لازم ہے اور اگر دو بار سے زیادہ لگایا تو دم واجب ہوگا۔ بلا خوشبو کا سرمہ لگانے میں نہ کچھ حرج ہے اور نہ کچھ واجب ہے (غنیۃ)

مسئلہ ..... احرام کے بعد گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا مکروہ ہے عام طور پر لوگ اس طرف خیال نہیں کرتے ہیں اور خوشبودار پھل یا پھول قصداً سونگھنا بھی مکروہ ہے مگر اس سے کچھ لازم نہیں ہوتا۔ (غنیۃ)

مسئلہ ..... اگر چند اعضاء کو تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی تو اگر سب مل کر ایک بڑے عضو کے برابر ہو جائے تو دم لازم ہوگا ورنہ صدقہ۔ (زبدہ)

ضروری وضاحت

یہ اس وقت ہے جبکہ خوشبو تھوڑی مقدار میں ہو اور اگر خوشبو زیادہ ہو تو پھر

اور آدھی رات سے آدھے دن تک ایک دن شمار ہوگا۔ (زبدہ)

مسئلہ.. کھانے کی چیز میں اگر خوشبو ملا کر پکائی گئی ہو تو اس کے کھانے سے کچھ لازم نہیں ہوتا اگرچہ خوشبو آرہی ہو اور غالب ہی کیوں نہ ہو اگر کھانا پکنے کے بعد خوشبو ملائی گئی جیسے مصالحہ، دار چینی، الائچی وغیرہ ڈالتے ہیں تو ایسا کھانا کھانے سے بھی کچھ لازم نہ ہوگا البتہ اگر کھانے میں خوشبو آرہی ہو تو یہ فعل مکروہ ہوگا اور اگر ایسی چیز کھائے جس میں خوشبو ملائی ہوئی ہو مگر وہ پکایا نہیں گیا جیسے چٹنی، اچار وغیرہ تو اگر خوشبو غالب ہے تو دم واجب ہوگا جب کہ مقدار کھانے کی زیادہ ہو اور تھوڑا سا کھائے تو صدقہ دے اگرچہ خوشبو نہ آتی ہو کیونکہ اس صورت میں جزاء کا مدار اجزاء پر ہے نہ کہ خوشبو آنے پر۔ اگر اس طرح کا کھانا تھوڑا تھوڑا کئی بار کھایا تو دم لازم ہوگا۔ بغیر پکائے ہوئے کھانے کی چیز میں اگر خوشبو ملا دیں گے تو اگر وہ کھانے کی چیز غالب ہے تو کچھ لازم نہیں اگرچہ بہت کھائے لیکن اگر خوشبو آتی رہی تو مکروہ ہوگا۔ (غنیہ و زبدہ)

مسئلہ..... اگر کسی نے بہت سی خوشبو چبالی مثلاً زعفران چبائی اور منہ کے اکثر حصہ میں لگ گئی تو دم واجب ہے اور منہ کے اکثر حصہ میں نہیں لگی تو صدقہ لازم ہوگا یہ مسئلہ خالص خوشبو کھانے کا ہے جو نہ پکائی گئی ہے نہ کسی اور چیز کے ساتھ ملائی گئی ہو۔ (زبدہ)

مسئلہ.. لیمن سوڈا اور کوئی پانی کی بوتل یا شربت جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو احرام کی حالت میں پینا جائز ہے اور جس بوتل میں خوشبو ملی ہوئی ہو اگر معمولی خوشبو ہو تو صدقہ واجب ہوگا لیکن اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار پیے تو دم واجب ہوگا اور اگر خوشبو غالب ہو تو ایک ہی بار زیادہ پینے میں دم واجب ہو جائے گا۔ (غنیہ)

مسئلہ. جس بستر میں خوشبو لگائی ہو محرم کے لئے اس پر لیٹنا آرام کرنا جائز نہیں اس کی جزاء میں وہی تفصیل ہے جو اوپر کپڑے کے مسئلے میں بیان ہوئی۔

سلے ہوئے کپڑے کا استعمال

جو کپڑا بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا ہو اگر اس کو پہنا اور پورے دن یا پوری رات پہنے رہا تو جنایت کامل ہے دم لازم ہوگا اور اس سے کم وقت استعمال کیا تو صدقہ واجب ہوگا اور عذر و بے عذر کا فرق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ ... اگر کسی شخص نے سلے ہوئے کپڑوں ہی میں احرام باندھ لیا یعنی نیت احرام کی کر کے تلبیہ پڑھ لیا تو اگر تلبیہ پڑھنے کے بعد پورے دن سلے ہوئے کپڑے پہنے رہا تو صدقہ بقدر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ (غنیہ)

موزے یا بوٹ جوتے پہننا

موزے اور ایسا جوتا جو قدم کے بیچ میں ابھری ہوئی ہڈی کو چھپا لے جیسے انگریزی فل بوٹ میں اور بعض دیسی قسم کے جوتوں میں ہوتا ہے یہ احرام میں ممنوع ہے اگر ایسا جوتا یا موزہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہا تو دم واجب ہے اور اس سے کم میں صدقہ بقدر صدقۃ الفطر۔ (غنیہ)

سر یا چہرہ ڈھانپنے کی جنایت

اگر مرد نے سر یا چہرہ اور عورت نے چہرہ کپڑے وغیرہ سے ڈھانپ لیا تو اگر ایک دن کامل یا ایک رات کامل اسی طرح رکھا تو جنایت کامل ہوگی دم لازم ہوگا اس سے کم میں صدقہ واجب ہوگا اور عورت کو احرام کی حالت میں بھی سر چھپانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح عام حالات میں، اگر اس نے سر کھول دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں کیونکہ سر کو چھپانا اس کے لئے احرام کا جزو نہیں ہے عام حکم ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ ... اگر سلا ہوا کپڑا سارے دن پہنے رہے یا سر و چہرہ دن بھر ڈھانپے رکھا اور اس کا کفارہ ایک دم دے دیا مگر کپڑا بدستور استعمال کرتا رہا تو دوسرا کفارہ و

دینا ہوگا اور اگر حج میں کفارہ دوم نہیں دیا تو ایک ہی دم کافی ہو جائے گا۔ (بدائع)

مسئلہ۔۔۔۔ چوتھائی سر یا چوتھائی چہرہ کا ڈھانکنا سارے سر اور سارے چہرہ کے حکم میں ہے۔ (زبدہ)

بال منڈوانے یا بال کتروانے کی جنایت

چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی یا اس سے زیادہ کے بال منڈوانے یا کتروانے یا کسی کے ذریعہ دور کرے یا اکھاڑے خواہ اختیار سے ہو یا بے اختیاری ہر حال میں جنایت کاملہ ہے جس کی جزاء میں دم لازم ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ۔۔ اسی طرح ایک پوری بغل منڈوائی یا زیر ناف کے پورے بال صاف کئے یا پوری گردن کے بال صاف کرائے تو دم لازم ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ۔۔ اگر دو تین بال مونڈے یا کاٹے تو ہر بال کے بدلے میں ایک مٹھی گندم یا ٹکڑا روٹی کا صدقہ دے دے اور تین بال سے زائد میں پورا صدقۂ فطر واجب ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ۔۔ اگر بال از خود بغیر محرم کے کسی فعل کے گر جائیں تو کچھ لازم نہیں اور اگر محرم کے اپنے فعل سے گریں جس کی صورت جیسے وضو تو تین بال میں ہر ایک مٹھی گندم کا صدقہ کافی ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ۔۔ ایک محرم دوسرے کا چوتھائی سر یا اس سے زیادہ سر مونڈے تو مونڈنے والے پر صدقہ واجب ہے اور منڈوانے والے پر دم۔ (زبدہ)

مسئلہ۔۔ ناخن چاروں ہاتھ پاؤں کے ایک مجلس میں کاٹے یا صرف ایک ہاتھ یا پاؤں کے ناخن پورے کاٹے تو جنایت کاملہ ہے دم لازم ہوگا۔ (زبدہ)

جوئیں مارنا

اگر ایک جوں ماری یا کپڑا دھوپ میں ڈالا تاکہ جوئیں مرجائیں یا کپڑا جوں مارنے کے لئے دھویا تو ایک جوں کے عوض روٹی کا ٹکڑا اور دو تین کے بدلے میں ایک مٹھی گیہوں دیوے اور تین سے زیادہ کے عوض اگرچہ کتنی ہی ہوں پورا صدقہ یعنی پونے دو کلو دے۔ (زبدہ)

مسئلہ۔۔ اگر کپڑا دھوپ میں ڈالا یا دھویا اور جوئیں مرگئیں لیکن جوئیں مارنے کی نیت نہ تھی تو کچھ واجب نہیں۔ (غنیہ)

مسئلہ۔۔۔۔ اپنے بدن کی جوں کو کسی دوسرے سے مروانا یا پکڑ کر زمین میں زندہ ڈال دینا یا خود پکڑ کر کسی دوسرے کو مارنے کے لئے دے دینا سب برابر ہے سب صورتوں میں جزا واجب ہوگی۔ (غنیہ)

جنایات متعلقہ جنسی خواہشات

مسئلہ۔ کسی عورت یا مرد کو شہوت کے ساتھ بوسہ لینے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے دم واجب ہوتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔ (غنیہ)

مسئلہ۔۔۔۔ اگر وقوف عرفات سے پہلے جماع کرلیا تو حج فاسد ہوگیا اگلے سال یا اس کے بعد اس کی قضا بھی لازم ہے اور دم یعنی بکری ذبح کرنا بھی واجب ہے اگر دونوں محرم تھے تو دونوں پر ایک ایک دم ہوگا اور حج کے فاسد ہونے کے سبب افعال حج کو ترک کر دینا جائز نہیں بلکہ صحیح حاجی کی طرح تمام افعال حج پورے ادا کرنا واجب ہے مگر اس سے اس کا حج ادا نہ ہوگا بلکہ اگلے سال قضا کرنا واجب ہوگا اگر فاسد شدہ حج فرض حج تھا تب تو قضا واجب ہونا ظاہر ہے اور اگر حج نفل تھا تو وہ بھی چونکہ شروع کرنے سے واجب ہوگیا اس لئے اس کی قضا ضروری ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ... اگر وقوف عرفات کے بعد حلق یا (قصر) و طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد نہیں ہوا مگر ایک بدنہ یعنی سالم گائے یا سالم اونٹ ذبح کرنا لازم ہوگا۔ (غنیۃ و زبدہ)

مسئلہ... اور اگر حلق یا قصر کے بعد طواف زیارت سے قبل جماع کر لیا تو اس صورت میں بھی حج فاسد نہ ہوگا لیکن جزاء میں ایک بکری واجب ہوگی بعض حضرات نے اس صورت میں بھی بدنہ ہی واجب کہا ہے۔ (غنیۃ و زبدہ)

مسئلہ... اور طواف زیارت کے بعد حلق سے پہلے جماع کیا تو بالاتفاق صرف دم واجب ہے اس صورت میں بدنہ واجب نہیں۔

احرام میں شکار مارنا

مسئلہ... احرام کی حالت میں خشکی کا شکار مارنا، زخمی کرنا، اس کے پاؤں توڑنا، پر کاٹنا، انڈا توڑنا، دودھ نکالنا اور شکار کی طرف مارنے کے لئے اشارہ کرنا، بتلانا یہ سب بھی منع ہے اور ان سب پر جزاء واجب ہوتی ہے جن کی تفصیلات بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مسئلہ... احرام میں بکری، گائے، اونٹ، بطخ، مرغی وغیرہ جانوروں کو ذبح کرنا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ پالتو کبوتر ہو اس کی تحقیق ایک جداگانہ رسالہ میں مفصل کی ہے کیونکہ حرم میں رہنے والے بہت سے لوگ پالتو کبوتر کا ذبح حلال سمجھتے ہیں جو غلط ہے۔ (غنیۃ)

مسئلہ... احرام میں ٹڈی مارنا بھی منع ہے ایک دو تین ٹڈی کے مارنے سے جو چاہے تھوڑا سا صدقہ دیدے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔ (موطا)

اور تین سے زیادہ میں نصف صاع گندم دے (زبدہ) اور ٹڈی کو حرم میں مارنے کا بھی وہی حکم ہے جو احرام میں مارنے کا ہے (غنیہ)

حرم کا شکار مارنا یا درخت کاٹنا

مسئلہ ... حرم میں شکار کرنا محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے اور حرم کی گھاس اور درخت کاٹنا بھی ممنوع ہے اس میں جزاء لازم ہو جاتی ہے اگر ایسا واقعہ ہو جائے تو کسی عالم سے دریافت کرلیں منیٰ، مزدلفہ، حدود حرم میں داخل ہیں یہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے پرہیز لازم ہے عرفات کا میدان حدود حرم سے باہر ہے اس کی گھاس کاٹنے کا مضائقہ نہیں۔

جنایات کی دوسری قسم متعلقہ واجبات حج

بلا احرام میقات سے آگے بڑھ جانا

مسئلہ ... اگر کوئی شخص عاقل بالغ جو میقات سے باہر رہتا ہو اور مکہ میں داخل ہونے کا خیال رکھتا ہے، خواہ حج و عمرہ کی نیت ہو یا اور کسی غرض سے جانا چاہتا ہو میقات سے بلا احرام آگے مکہ مکرمہ کی طرف جائے گا تو گنہگار ہوگا اور میقات کی طرف لوٹنا واجب ہوگا اور اگر لوٹ کر میقات پر نہ آیا اور میقات سے آگے ہی احرام باندھ لیا تو ایک دم دینا واجب ہوگا اور اگر میقات پر واپس آکر احرام باندھا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ (غنیہ)

بے وضو یا جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں طواف کرنا یا طواف کے چکروں میں کمی کرنا

مسئلہ ... اگر بدن پاک نہ ہو، طواف فرض یا طواف نفل کرتے وقت

نجاست لگی ہوئی تھی تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن مکروہ ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ اگر پورا یا اکثر طواف زیارت بے وضو کیا تو دم دے اور اگر طواف قدوم یا طواف وداع یا نفل یا نصف طواف سے کم طواف زیارت بلا وضو کیا تو ہر پھیرے کے لئے بقدر صدقۃ الفطر صدقہ ہے اور اگر ان تمام صورتوں میں وضو کر کے طواف کا اعادہ کر لیا تو کفارہ اور دم ساقط ہو جائے گا۔ (مناسک)

مسئلہ اگر پورا یا اکثر طواف زیارت جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں کیا تو بدنہ (یعنی ایک اونٹ یا ایک گائے سالم) واجب ہوگا اور اگر طواف قدوم یا طواف وداع یا طواف نفل ان حالتوں پر کیا تو ایک بکری واجب ہوگی اور ان سب صورتوں میں طہارت کے ساتھ طواف کا اعادہ کر لینے سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ (غنیہ)

مسئلہ جو طواف جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں کیا ہو اس کا اعادہ واجب ہے اور جو بے وضو کیا ہے اس کا اعادہ مستحب ہے۔ (زبدہ) لیکن اگر اعادہ نہ کیا تو مذکورہ بالا جزاء دینا لازم ہے۔

مسئلہ اگر سعی پہلے طواف کے بعد کر چکا ہو تو سعی کا اعادہ نہ کرے کیونکہ پہلا طواف معتبر ہو گیا لیکن ناقص ہونے کی وجہ سے اعادہ کیا گیا ہے اور دوسرا طواف صرف اس نقصان کی تلافی کے لئے ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ طواف زیارت ایام نحر میں بے وضو کر لیا تو اگر اس کے بعد طواف وداع ایام نحر میں ہی با وضو کر لیا تو یہ طواف زیارت بن جائے گا اور اگر ایام نحر کے بعد کیا تو طواف زیارت کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ دم واجب رہے گا۔ (زبدہ)

مسئلہ طواف عمرہ پورا یا اکثر یا اقل اگرچہ ایک ہی چکر ہو اگر جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں یا بے وضو کیا تو دم واجب ہوگا۔ (زبدہ)

مسئلہ اور اگر طواف کا اعادہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ (غنیہ)

مسئلہ .... عمرہ کے کسی واجب کے ترک کرنے سے بدنہ یا صدقہ واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف دم (یعنی ایک بکری یا ساتواں حصہ گائے یا اونٹ کا) واجب ہوتا ہے لیکن عمرہ کے احرام میں ممنوعات حرام کے ارتکاب سے مثل احرام حج کے دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ .... اگر طواف قدوم یا طواف وداع کا ایک چکر یا دو تین چکر ترک کئے تو ہر چکر کے بدلے پورا صدقہ واجب ہوگا اور چار چکر یا زیادہ چھوڑ دے تو دم واجب ہوگا اور طواف قدوم بالکل چھوڑنے کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا لیکن چھوڑنا مکروہ اور برا ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ .... اگر طواف قدوم شروع کرنے کے بعد چھوڑا تو اکثر اشواط میں دم ہے اور اقل میں ہر شوط کے بدلے صدقہ مثل طواف صدر کے ہے اور نفل طواف کا حکم مثل قدوم کے ہے۔ (غنیہ شامی)

سعی کی جنایات

مسئلہ .... اگر پوری سعی یا اکثر چکر سعی کے بلا عذر ترک کئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو حج ہو گیا لیکن دم واجب ہوگا اور پیدل اعادہ کرنے سے دم ساقط ہو جائے گا اور اگر عذر کی وجہ سے سوار ہو کر سعی کی تو کچھ واجب نہ ہوگا اور ایک یا دو تین چکر سعی کے چھوڑ دیئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو ہر چکر کے بدلے صدقہ لازم ہوگا۔ (غنیۃ الناسک ص ۱۰۰)

غروب آفتاب سے قبل عرفات سے نکل آنا

مسئلہ .... اگر عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے نکل گیا تو دم واجب ہوگا اگرچہ بھاگے ہوئے اونٹ کو پکڑنے کے لئے یا کسی شخص کو تلاش کرنے کے لئے نکلا ہو البتہ غروب سے پہلے عرفات میں واپس آ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا اور اگر

غروب کے بعد آیا تو دم ساقط نہ ہوگا۔ (زبدہ)

بلا عذر وقوف مزدلفہ ترک کرنا

مسئلہ ...... اگر وقوف مزدلفہ بلا عذر ترک کیا تو دم واجب ہوگا اور اگر عذر کی وجہ سے ترک کیا مثلاً عورت یا بہت بوڑھے ضعیف مرد نے ہجوم کے خوف سے ترک کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ (غنیہ)

دسویں تاریخ کے افعال خلاف ترتیب ادا کرنا

مسئلہ ...... اگر مفرد یا قارن یا متمتع نے رمی سے پہلے سر منڈایا یا قارن اور متمتع نے ذبح سے پہلے سر منڈایا یا قارن اور متمتع نے رمی سے پہلے ذبح کیا تو دم واجب ہوگا کیونکہ ان چیزوں میں ترتیب واجب ہے مفرد کے لئے صرف رمی اور سر منڈانے میں ترتیب واجب ہے کیونکہ ذبح اس پر واجب نہیں اور قارن پر تینوں (یعنی رمی اور ذبح اور سر منڈانا) میں ترتیب واجب ہے۔ اول رمی کرے اس کے بعد ذبح کرے اس کے بعد سر منڈائے اگر تقدیم و تاخیر کی تو دم واجب ہوگا۔ (غنیہ وزبدہ)

جنایات متعلقہ رمی

مسئلہ ...... ایک دن کی رمی پوری ترک کر دے یا اکثر کنکریاں چھوڑ دے تو دم واجب ہے مثلاً پہلے دن کی رمی میں چار کنکریاں چھوڑ دیں تین سے رمی کی یا باقی دنوں کی رمی میں گیارہ کنکریاں چھوڑ دیں دس سے رمی کی تو دم واجب ہوگا اگر ایک دن سے زیادہ دنوں کی یا پورے چاروں دنوں کی رمی چھوڑ دی تب بھی ایک ہی دم واجب ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ ...... تیرھویں تاریخ کی رمی اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ منیٰ میں تیرھویں تاریخ کی صبح ہو جائے اس صورت میں اگر کسی نے صرف تیرھویں تاریخ

کی رمی چھوڑ دی تب بھی دم واجب ہوگا۔ (زبدہ)

دم اور صدقہ دینے کا طریقہ اور متعلقہ تفصیلات

(۱) جتنے مسائل میں دم واجب ہونے کا ذکر ہے ان سب میں ضروری ہے کہ جانور حدود حرم کے اندر ذبح کیا جائے حرم سے باہر ذبح کرنا کافی نہیں اور ذبح شدہ جانور صدقہ کرنا لازم ہے اس میں خود کھانا یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں۔ (غنیہ)

(۲) اگر بوجہ مفلسی کے دم یا صدقہ میسر نہ ہو تو یہ کفارہ اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے جب میسر ہو ادا کرے مگر جس نے بلا عذر کے ایسی جنایات کی جس پر دم یا صدقہ واجب ہے تو کفارہ اس پر باقی رہے گا جب تک ادا نہ کرے اس کے بدلے میں روزے رکھنے کا اختیار نہیں ہے ہاں اگر عذر سے ان پانچ جنایتوں کا ارتکاب کیا جو شروع میں لکھی گئی ہیں یعنی (۱) سلا ہوا کپڑا یا جوتا موزے پہنے، (۲) یا خوشبو استعمال کی (۳) یا بال کٹوائے (۴) یا مرد نے سر کو یا چہرہ کو کپڑے سے چھپایا یا عورت نے چہرہ کو کپڑے سے اس طرح چھپایا کہ کپڑا اس کے چہرے کو لگا ہوا ہو (۵) یا ناخن کاٹے اور ان کی وجہ سے دم یا صدقہ واجب ہوا تو دم کے بجائے تین روزے رکھ لینا کافی ہے اور صدقہ کے بجائے ایک روزہ بھی کافی ہے۔ (زبدہ)

(۳) جنایات احرام میں قارن پر دو جزائیں واجب ہوتی ہیں خواہ دم واجب ہو یا صدقہ کیونکہ اس کے دو احرام ہوتے ہیں البتہ اگر قارن میقات سے بلا احرام گذر جائے تو ایک ہی دم واجب ہوگا نیز واجبات حج میں قارن سے جو جنایت ہوگی اس پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔ (غنیہ)

(۴) دم جنایات کی قیمت دینا جائز نہیں جانور کی قربانی حرم میں کرنا واجب ہے تو جہاں دم اور اطعام (یعنی کھانا دینے) میں اختیار دیا گیا ہے اس میں دم کی قیمت ادا کرنے سے ادا بھی ہو جائے گی۔ (غنیہ)

زیارتِ مدینہ منورہ

حج کے بعد سب سے افضل اور سب سے بڑی سعادت سید الانبیاء رحمۃ للعالمین کے روضۂ اقدس کی زیارت ہے رسول مقبول ﷺ کی محبت و عظمت وہ چیز ہے جس کے بغیر ایمان ہی درست نہیں ہوتا اس کا تقاضا فطری طور سے بھی ہونا چاہئے کہ دیارِ مقدس میں پہنچنے کے بعد روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کے بغیر واپس نہ ہو اور اس پر مزید یہ ہے کہ روضۂ اقدس کے سامنے حاضری اور سامنے حاضر ہو کر درود کے وہ عظیم الشان ثمرات اور برکات ہیں جو دور سے درود و سلام پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتے۔

حدیث ... میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی۔ (زبدہ)

حدیث ... اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کو آئے اور مقصود میری زیارت ہی ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ قیامت میں اس کی شفاعت کروں۔ (زبدہ)

حدیث ..... اور فرمایا اگر میرے انتقال کے بعد میری قبر کی زیارت کرے تو ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (زبدہ)

کون سا مسلمان ہے جو بغیر کسی مجبوری کے اس سعادت کبریٰ سے محروم واپس آجائے گا۔

مسئلہ .... جس شخص پر حج فرض ہے اس کے لئے پہلے حج کر لینا اور زیارت مدینہ کے لئے بعد میں جانا بہتر ہے ورنہ اختیار ہے پہلے مدینہ منورہ حاضر ہو بعد میں حج کرے، یا حج کرنے کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو۔ (زبدہ)

حاضری مدینہ منورہ کے بعض آداب

جب مدینہ منورہ کی طرف چلے تو راستہ میں کثرت سے درود شریف پڑھتا

رہے اور جب مدینہ طیبہ کے درخت نظر پڑیں اور زیادہ کثرت کرے اور جب وہاں
کی عمارتیں نظر پڑیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّکَ فَاجْعَلْہُ وِقَایَۃً لِّی مِنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ
الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ.

یا اللہ یہ آپ کے نبی کا حرم ہے اس کو میرے لئے جہنم سے پردہ اور عذاب
سے اور برے حساب سے امان کیجئے۔

مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں داخلہ سے پہلے غسل کرے اور وضو بھی کافی ہے
اور پاک صاف کپڑے اور اچھا لباس پہن لے اپنے پاس موجود ہو وہ پہنے اگر نئے کپڑے
ہوں تو وہ بہتر ہے اور خوشبو لگائے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے پیادہ چلے تو اس
شہر مقدس کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے نہایت خشوع وخضوع اور تواضع کے ساتھ
شہر میں آئے اور جب مدینہ میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ
اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ زِیَارَۃِ رَسُوْلِکَ ﷺ
مَا رَزَقْتَ اَوْلِیَاءَکَ وَاَھْلَ طَاعَتِکَ وَاغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ
یَا خَیْرَ مَسْئُوْلٍ وَّاَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِطَاعَتِکَ
عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ
وَقَبْرِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ عَاجِلَہٗ وَاٰجِلَہٗ مَا عَلِمْتُ
مِنْہُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّرِّ کُلِّہٖ مَا عَلِمْتُ مِنْہُ وَمَا لَمْ

أَعْلَمُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ وَاجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ آخِرَهُ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهُ وَخَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيْهِ.

اے میرے پروردگار مجھے یہاں صحیح طور داخل کیجئے اور صحیح طریقہ سے نکالئے اور اپنی طرف سے میرے لئے مددگار بنا دیجئے۔ یا اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے اور مجھے اپنے رسول کی زیارت سے وہ فائدہ عطا فرمایئے جو آپ اپنے اولیاء اور اپنے فرمانبردار بندوں کو عطا فرماتے ہیں اور میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ جن سے کچھ مانگا جاتا ہے آپ ان میں سب سے بہتر ہیں اور مجھے اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے اور اپنی طاعت کے ذریعہ اپنی معصیت سے اور اپنے فضل کے ذریعہ اپنے غیر سے مستغنی کر دے اور میرے دل اور قبر کو نور سے بھر دے میں تجھ سے ہر بھلائی مانگتا ہوں جلدی آنے والی بھی اور دیر سے آنے والی بھی وہ بھلائی بھی جو میرے علم میں ہے اور وہ بھلائی بھی جو میرے علم میں نہیں اور ہر برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اس برائی سے بھی جو میرے علم میں ہے اور اس سے بھی جو میرے علم میں نہیں ہے اے اللہ! تو مجھ پر اپنا سب سے زیادہ رزق میرے بڑھاپے اور اختتام عمر کے قریب نازل فرما اور میری بہترین زندگی آخری عمر کو اور بہترین عمل آخری اعمال کو اور بہترین دن اپنی ملاقات کے دن کو بنا دے۔

ادب اور خشوع و خضوع کے ساتھ درود شریف پڑھتا ہوا داخل ہو اور یہ پیش نظر رکھے کہ یہ وہ زمین ہے جس پر جا بجا رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پڑے ہیں۔

مسجد نبوی ﷺ میں داخلہ

سب سے پہلے مسجد نبوی میں داخل ہو تو داہنا پاؤں پہلے رکھے اور درود شریف پڑھے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ پڑھے بہتر یہ ہے کہ باب جبریل سے مسجد میں داخل ہو عورتیں باب النساء عورتوں کے دروازے سے داخل ہوں جو باب جبریل کی طرف مبارک ہے جب مسجد میں اگر جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو مرد مردوں کی صفوں میں اور عورتیں خواتین کی صفوں میں جس کی جگہ عورتوں کے لئے الگ مقرر ہے وہاں نماز پڑھیں بعد نماز اگر جگہ ہو اور دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو تو پہلے روضۃ الجنۃ میں آئے جو قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان جگہ ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ یہ قطعہ جنت کا ہے روضۃ الجنۃ میں تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھے اس کے بعد روضہ اقدس کے پاس حاضر ہو اور سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو۔ نہ بالکل جالیوں کے پاس جائے اور نہ بہت دور بلا ضرورت کھڑا ہو اور رخ روضہ اقدس کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کر کے یہ تصور کرے کہ آنحضرت ﷺ قبر شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے لیٹے ہیں۔ اور پھر نہایت ادب کے ساتھ درمیانہ آواز سے نہ بہت پکار کر نہ بالکل آہستہ سلام عرض کرے یہاں سلام کے کوئی خاص الفاظ مقرر نہیں لیکن نیچے لکھے ہوئے الفاظ میں درود و سلام عرض کرے تو بہتر ہے۔

رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خِیَرَۃَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْہَدُ اَنَّکَ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَشْہَدُ اَنَّکَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّۃَ وَکَشَفْتَ الْغُمَّۃَ، فَجَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ اَللّٰہُمَّ اَعْطِ سَیِّدَنَا عَبْدَکَ وَرَسُوْلَکَ مُحَمَّدَ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ وَاَنْزِلْہُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ اِنَّکَ سُبْحَانَکَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا خیر خلق اللہ، اے اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے برگزیدہ آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے حبیب آپ پر سلام ہو اے اولاد آدم کے سردار آپ پر سلام ہو، یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے رسالت پہنچا دی اور امانت ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی کی اور بے چینی کو دور کر دیا پس اللہ آپ کو اچھی جزا دے، اللہ آپ کو ہماری طرف سے ان جزاؤں سے بہتر جزا دے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو، اے اللہ تو اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور ان کو اپنے نزدیک مقرب درجہ عطا فرما بے شک تو پاک ہے اور عظیم احسان والا ہے۔

اور پھر حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے۔ کہے:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ وَاَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ فِیْ

اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰی مِلَّتِکَ وَسُنَّتِکَ۔

یارسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور اللہ کی طرف آپ کا وسیلہ چاہتا ہوں اس بات کے لئے کہ میں اسلام اور آپ کی ملت وسنت پر مروں۔

اور ان الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں لیکن سلف جہاں تک اختصار ممکن ہو مستحسن رکھتے ہیں اور بہت پکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ آہستہ خضوع اور ادب سے عرض کرے اور جس کسی کا سلام کہتا ہو عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفِعُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سلام

پھر بقدر ایک ہاتھ کے ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَثَانِیَہٗ فِی الْغَارِ وَرَفِیْقَہٗ فِی الْاَسْفَارِ وَاَمِیْنَہٗ عَلَی الْاَسْرَارِ اَبَابَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ خَیْرًا۔

اے رسول اللہ کے خلیفہ، غار میں ان کے ساتھی اور سفروں میں ان کے رفیق اور ان کے رازوں کے امین ابوبکر صدیق آپ پر سلام ہو، اللہ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام

پھر بقدر ایک ہاتھ کے اور ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ الْفَارُوْقَ الَّذِیْ اَعَزَّ اللّٰہُ بِہِ الْاِسْلَامَ اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ مَرْضِیًّا حَیًّا وَّمَیِّتًا

جزاك الله عن امة محمد خيرا.

اے امیر المؤمنین عمر فاروق کہ جن کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی آپ پر سلام ہو اللہ نے آپ کو مسلمانوں کا امام بنایا اور زندہ و مردہ پسند کیا اللہ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور یہاں بھی الفاظ کی کمی زیادتی میں اختیار ہے اور جس نے کہہ دیا ہو اس کا سلام پہنچا دے پھر ذرا آگے بڑھ کر کہے۔

السلام عليكما يا ضجيعي رسول الله ﷺ ورفيقيه ووزيريه جزاكما الله احسن الجزاء جئنا كما نتوسل بكما الى رسول الله ﷺ ليشفع لنا ويدعو لنا ربنا ان يحيينا على ملته وسنته ويحشرنا في زمرته وجميع المسلمين

اے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لیٹنے والو اور ان کے رفیقو اور وزیرو اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بہترین جزا عطا فرمائے ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ تک اپنا وسیلہ بنائیں تا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری شفاعت کریں اور ہمارے لئے پروردگار سے یہ دعا کریں کہ وہ ہمیں ان کی ملت اور سنت پر زندہ رکھے اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو حشر میں ان کے زمرہ میں اٹھائے۔

پھر آگے بڑھ کر چہرہ مبارک کے مقابل کھڑا ہو کر جو کچھ ہو سکے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے خصوصاً اپنے اور اپنے والدین اور تمام مسلمانوں کے واسطے دعا کرے پھر وہاں سے نکل کر ستون اسطوانہ ابولبابہ کے پاس آ کر دو رکعت پڑھ کر دعا کرے پھر روضۃ الجنہ میں آ کر نفلیں پڑھے اگر وقت مکروہ ہو تو اذکار استغفار و دعا کرتا رہے جس قدر اس میں کثرت ہو سکے بہتر ہے اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے تلاوت اور ذکر

کرتا رہے اور درود شریف میں لگا رہے اور راتوں میں بہت جاگے اور وقت ضائع نہ کرے اور حتی الوسع نماز مسجد نبوی میں پڑھے اور زیارت قبر مبارک کے بعد ہر روز یا جمعہ کو زیارت مزارات بقیع کی بھی ضرور کرے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عباسؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت ابراہیمؓ پسر نبی کریم ﷺ اور ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہاں تشریف رکھتے ہیں اور حضرت امیر حمزہ اور شہدائے اُحد کی بھی زیارت کرے اور مسجد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جا کر نماز پڑھے اور ہفتہ کے روز مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھ کر دعا کرے۔

جب تک مدینہ منورہ میں قیام ہو کثرت سے روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کیا کرے خصوصاً پانچ نمازوں کے بعد۔ (زبدہ)

مسئلہ..... اگر کسی وقت خاص مواجہ شریف پر حاضری کا موقع نہ ملے تو روضہ اقدس کے کسی طرف بھی کھڑے ہو کر یا مسجد نبوی میں کسی جگہ بھی سلام عرض کر سکتا ہے اگرچہ اس کی وہ فضیلت نہیں جو سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کی ہے۔

مسئلہ..... مسجد نبوی سے باہر بھی جب کبھی روضہ اقدس کے سامنے سے گذرے تو تھوڑی دیر ٹھہر کر سلام عرض کر کے آگے بڑھے۔

مسئلہ..... عورتوں کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت اور مواجہ شریف میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا چاہئے۔ البتہ ان کے لئے بہتر ہے کہ رات کے وقت حاضر ہوں اور جب زیادہ ازدحام ہو تو کچھ فاصلہ ہی سے سلام عرض کر دیں۔

مسئلہ..... مسجد نبوی میں دنیا کی باتوں سے بہت زیادہ پرہیز کرے اور بلند آواز سے کوئی بات نہ کرے۔

مدینہ طیبہ سے رخصت

رخصت کے وقت دو نفل مسجد نبوی میں پڑھے پھر روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کرے پھر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے سفر کو آسان فرما دے اور مجھے بہ سلامت عافیت اپنے اہل و عیال میں پہنچا دے اور دونوں جہاں کی آفتوں سے محفوظ رکھ اور یہ کہ مجھے پھر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب فرما اس حاضری کو میری آخری حاضری نہ بنا۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❀❀❀❀
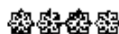
احکام حج بدل

حج بدل کے احکام میں تفصیل طویل ہے یہاں اس کے خاص خاص ضروری مسائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ۔۔۔ جس شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس نے زمانہ حج کا پایا مگر باوجود قدرت کے کسی وجہ سے حج نہیں کیا پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہو گیا اور آئندہ بھی قدرت ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں مثلاً ایسا بیمار ہو گیا جس سے شفا کی کوئی امید نہیں مثلاً نابینا یا لنگڑا ہو گیا اپاہج ہو گیا یا بڑھاپے کی وجہ سے ایسا کمزور ہو گیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہو سکتا تو اس کے ذمہ فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو بھیج کو حج بدل خود کرا دے یا یہ وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے میرے مال سے حج بدل کرا دیا جائے۔

اگر ایسے دائمی عذر کی وجہ سے کسی نے اپنا حج فرض کسی سے اپنی زندگی میں کرا دیا بعد میں اتفاق سے یہ عذر جاتا رہا تو اب خود حج ادا کرنا اس پر فرض ہے[1] پہلا حج جو بطور بدل کرایا تھا وہ نفل ہو جائے گا[2]۔

---

(۱) یہ مسئلہ جواہر الفقہ میں درج نہیں اور یہاں پر بھی حوالے کے بغیر آیا ہے بظاہر اس میں کتابت وغیرہ کی کوئی غلطی ہے کیونکہ شرح لباب زبدہ (ص ۲۲۸) اور زبدہ (ص ۱۳۹) کے حوالے سے یہ حکم اس عذر میں لکھا ہے جس کے رفع ہونے کی توقع تھی اور جس عذر کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہوتی اس میں حج بدل کرانے کے بعد اگر غیر متوقع طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ عذر جاتا رہا تو لکھا ہے کہ اس پر حج کا اعادہ فرض نہیں اس کا فرض ادا ہو گیا۔ رفیع ۱۲ صفر ۲۲ھ

(۲) امداد الفتاویٰ جواہر الفقہ (ص ۵۰۰) میں مناسک ملا علی قاری کے حوالے سے مسئلہ نمبر ۲ اسی طرح لکھا ہوا ملا جس طرح یہاں (احکام حج) میں درج ہے نیز فتح القدیر اور غنایہ اور الفقہ میں بھی اسی طرح ہے جب کہ زبدہ (شرح زبدہ) میں جو حکم لکھا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ رفیع

مسئلہ اسی طرح اگر عورت کے پاس بقدر ضرورت حج مال موجود ہو مگر ساتھ کے لئے کوئی محرم نہیں ملتا یا ملتا ہے مگر وہ اپنا خرچ برداشت نہیں کر سکتا اور عورت کے پاس اتنا مال نہیں کہ اپنے خرچ کے علاوہ محرم کا خرچ بھی خود برداشت کرے تو اس عورت پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرائے یا وصیت کرے۔

مسئلہ ... بہتر یہ ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج ادا کر لیا ہے اگر کسی ایسے شخص سے حج بدل کرایا جس نے ابھی اپنا حج ادا نہیں کیا اور اس پر حج فرض بھی نہیں تو حج بدل ہو جائے گا مگر خلاف اولیٰ ہوگا۔

اور اگر اس کے ذمہ اپنا حج فرض ہونے کے باوجود اس نے اب تک حج فرض ادا نہیں کیا تو اس کے لئے دوسرے کے واسطے حج بدل پر جانا جائز نہیں بلکہ وہ تحریمی اور گناہ ہے مگر حج بدل کرانے والے کا حج فرض پھر بھی ادا ہو جائے گا۔ (غنیہ)

مسئلہ ... حج بدل اجرت پر کرانا جائز نہیں حج کرنے پر معاوضہ یا اجرت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اگر کسی نے اجرت طے کر کے حج بدل کرا دیا تو کرنے والا اور کرانے والا دونوں گنہگار ہوئے البتہ حج پھر بھی آمر ہی کا ادا ہو جائے گا اور جو اجرت لی ہے وہ واپس کرنا لازم ہوگا صرف مصارف حج اس کو دیئے جائیں گے۔

مسئلہ ... حج بدل پر تمام ضروری مصارف حج کرانے والے کے ذمہ ہیں جس میں آنے جانے کا کرایہ اور زمانہ سفر میں اور قیام حرمین میں کھانے پینے کپڑے دھلوانے وغیرہ کے اخراجات رہنے کے لئے مکان یا خیمہ کا کرایہ وغیرہ سب داخل ہیں اور احرام کے کپڑے اور سفر کے لئے ضروری برتن اور اشیائے ضرورت کی خریداری سب آمر کے ذمہ ہے لیکن کپڑے اور برتن وغیرہ حج سے فارغ ہونے کے بعد آمر یعنی حج کرانے والے کو واپس دینا ہوں گے۔

اسی طرح خرچ کرنے کے بعد اگر کچھ نقد رقم بچ رہی ہو تو بھی واپس کرنا ہوگی

یہ نفلی حج ہوگا اگر بعد میں اس کے پاس اتنا مال جمع ہوگیا جو حج کے لئے کافی ہو اور حج فرض ہونے کی باقی شرطیں بھی پائی گئیں تو اس کو اپنا حج فرض پھر ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ..... اگر آمر یعنی حج بدل کرانے والے نے اس کو عام اجازت دیدی کہ تمہیں اختیار ہے میری طرف سے جس قسم کا چاہو حج کرلو خواہ افراد یعنی صرف حج کرلو یا قران یعنی حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھ لو یا تمتع کرو کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھو پھر عمرہ سے فارغ ہو کر حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھ کر حج کرلو۔ تو اس صورت میں مامور کے لئے افراد اور قران تو باتفاق جائز ہیں مگر تمتع کے معاملہ میں فقہاء کا اختلاف ہے بہت سے فقہاء اس کو آمر کی اجازت کے باوجود جائز نہیں کہتے ان کے نزدیک تمتع کی صورت میں آمر کا حج ادا نہیں ہوگا اگرچہ اجازت مل جانے کی وجہ سے مامور پر یہ لازم نہ ہوگا کہ مصارف حج واپس کرے مگر آمر کو اپنا حج بدل دوبارہ کرانا ضروری ہوگا اس لئے اس میں بہت احتیاط لازم ہے۔

البتہ چونکہ بہت سے فقہاء نے آمر کی اجازت سے تمتع کرنے کو بھی جائز کہا ہے اس لئے شدید مجبوری تمتع کرنے کی پیش آجائے اور تمتع کرلے تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ حج کرانے والے کا فرض ادا ہوجائے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دعائے عرفات

وقوف کا اصلی وقت زوال آفتاب سے غروب تک ہے اس وقت افضل واعلیٰ تو یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑا ہو کر مغرب تک وقوف کرے اگر پورے وقت میں کھڑا نہ ہو سکے تو جس قدر کھڑا ہو سکتا ہے کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے پھر جب قدرت ہو کھڑا ہو جائے اور سارے وقت میں ذکر اللہ اور تلاوت اور درود شریف اور استغفار و توبہ میں مشغول رہے درمیان میں بار بار تلبیہ بآواز بلند پڑھتا رہے اور گریہ وزاری کے ساتھ اپنے لئے اور عزیزوں دوستوں کے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے دعا کرتا رہے یہ قبولیت دعا کا خاص وقت ہے۔

وقوف کی دعاؤں میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا سنت ہے جب تھک جائے ہاتھ چھوڑ کر دعا کرے پھر جب قدرت ہو ہاتھ اٹھائے آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے دست مبارک اٹھا کر تین مرتبہ اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد کہا اور پھر یہ دعا پڑھی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ بِالْهُدٰى وَنَقِّنِيْ بِالتَّقْوٰى وَاغْفِرْلِيْ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى

پھر ہاتھ چھوڑ دیئے اتنی دیر جتنی دیر میں سورۃ فاتحہ پڑھی جا سکے اس کے بعد پھر ہاتھ اٹھا کر وہی کلمات اور وہی دعا پڑھی۔ پھر اتنی دیر ہاتھ چھوڑے رکھے جتنی دیر میں سورۃ فاتحہ پڑھی جا سکے پھر تیسری مرتبہ یہی دعا ہاتھ اٹھا کر پڑھی۔ (زبدۃ المناسک)

اور یہ بھی بروایت حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورا وقت وقوف کا دعا اور ذکر اللہ میں صرف فرمایا مگر ان دعاؤں اور ذکر اللہ کی کوئی تعیین احادیث

میں مذکور نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ حزب الاعظم کی پوری دعائیں ترجمہ دیکھ کر سمجھ کر مانگے یہ نہ ہو سکے تو اس سے مختصر مناجات مقبول ہے اس کی پوری دعاؤں کو سمجھ کر خشوع وخضوع کے ساتھ مانگے یہ دونوں کتابیں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہوئی ملتی ہیں ساتھ رکھنا مشکل نہیں اور کم از کم جو دعائیں حزب اعظم میں عرفات میں پڑھنے کے لئے لکھی ہیں وہ تو ضرور پڑھ لے اس دعا کے اکثر اجزاء حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں منقول ہیں جس کو تفسیر درمنثور میں بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا گیا۔

حدیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان عرفہ کے دن بعد زوال میدان عرفات میں قبلہ رخ ہو کر

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

(۱۰۰) سو مرتبہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

پوری سورت سو (۱۰۰) مرتبہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ.

سو مرتبہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا اے میرے فرشتو! اس بندہ کی کیا جزاء ہے جس نے میری تسبیح وتہلیل، تکبیر وتعظیم، تعریف وثناء کی اور میرے

ضمیمہ احکام حج

طواف کی دعائیں

جس میں طواف حج کے ساتوں پھیروں اور
مقام ابراہیم ملتزم اور زمزم وغیرہ پر پڑھنے کی
دعائیں مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری کی
کتاب احکام حج سے نقل کی گئی ہیں۔

طواف کی دعائیں

طواف خود عبادت ہے اور بہت بڑی عبادت ہے اس میں ذکر اور دعا میں مشغول ہونے سے ثواب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے طواف میں تیسرا کلمہ یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان رَبَّنَـا اٰتِنَـا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ پڑھنا ثابت ہے اس کے علاوہ اور جو چاہے دعا مانگے حضور قلب کے ساتھ دعا کرے اور اصل دعا وہی ہے جو حضور قلب کے ساتھ ہو۔

ہر چکر کے لئے الگ الگ دعائیں جو معروف و مشہور ہیں گو ان میں سے بعض دعائیں حضور سے ثابت ہیں مگر خاص کر طواف کے لئے اور کسی خاص چکر کے لئے ان میں سے کسی دعا کا مخصوص ہونا ثابت نہیں ہے یوں یہ دعائیں اچھی ہیں اور عوام کی آسانی کے لئے بعض حضرات نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اگر ان کو پڑھے اور مضمون نہ سمجھے تو ان کا پڑھنا بھی درست ہے ذیل میں ہم وہ دعائیں لکھتے ہیں حضور قلب ان کے پڑھنے میں بھی ہونا چاہیے اور ان کے معنی اور مطلب کو سمجھ کر پڑھے تو بہت ہی اچھا ہے۔

پہلے چکر کی دعا

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

ﷺ. اَللّٰهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكَلِمَاتِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ ﷺ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ.

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور (گناہوں سے پھرنے کی طاقت) اور عبادت کی طرف راغب ہونے کی) قوت اللہ کی طرف سے ہے جو بزرگی اور عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام (نازل ہو) اللہ کے رسول ﷺ پر۔ اے اللہ تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیرے کلمات کی تصدیق کرتے ہوئے اور تجھ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی اور تیرے حبیب ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے (میں طواف کرتا ہوں) اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (گناہوں سے) معافی کا اور ہر (بلاء سے) سلامتی کا اور (ہر تکلیف سے) دائمی حفاظت کا۔ دین اور دنیا اور آخرت میں اور جنت نصیب ہونے اور دوزخ سے نجات پانے کا۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور اس سے آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھئے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَأَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْأَبْرَارِ ط يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرمائے

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ ط یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرمائے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

تیسرے چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ وَالشِّرْکِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَ الْمَمَاتِ ط

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں (تیرے احکام میں) شک کرنے سے اور تیری ذات وصفات سے میں شرک کرنے سے اور نفاق سے اور برے اخلاق سے اور برے حال سے اور برے انجام سے مال میں اور اہل وعیال میں۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضامندی کی بھیک مانگتا ہوں اور جنت کا

سوال کرتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں تیرے غضب سے اور دوزخ سے۔
اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کی آزمائش سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کی ہر مصیبت سے۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ ط يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

چوتھے چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّعَمَلًا صَالِحًا مَّقْبُوْلًا وَّتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ط يَا عَالِمَ مَا فِي الصُّدُوْرِ اَخْرِجْنِيْ يَا اَللّٰهُ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَّالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ ط رَبِّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَنِيْ وَاخْلُفْ عَلٰى كُلِّ غَائِبَةٍ لِّيْ مِنْكَ بِخَيْرٍ.

اے اللہ اسے حج مقبول اور سعی کو مشکور اور گناہوں کو بخشا ہوا اور عمل کو صالح اور مقبول اور تجارت کو بے نقصان اے دلوں کے بھید جاننے والے۔

چھٹے چکر کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ حُقُوْقًا کَثِیْرَۃً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ وَحُقُوْقًا کَثِیْرَۃً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَلْقِکَ ط اَللّٰھُمَّ مَا کَانَ لَکَ مِنْھَا فَاغْفِرْہُ لِیْ وَمَا کَانَ لِخَلْقِکَ فَتَحَمَّلْہُ عَنِّیْ وَاَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَۃِ ط اَللّٰھُمَّ اِنَّ بَیْتَکَ عَظِیْمٌ وَوَجْھَکَ کَرِیْمٌ وَاَنْتَ یَا اللّٰہُ حَلِیْمٌ کَرِیْمٌ عَظِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

اے اللہ! مجھ پر تیرے بہت حقوق ہیں ان چیزوں سے جو میرے اور تیرے درمیان ہیں اور بہت سے حقوق ہیں ان معاملات میں سے جو میرے اور تیری مخلوق کے درمیان ہیں۔ اے اللہ ان میں سے جن کا تعلق صرف تیری ذات سے ہے ان کی مجھے معافی دے اور جن چیزوں کا تعلق تیری مخلوق سے ہے ان کا تو خود ذمہ دار بن جا۔ اے اللہ! مجھے رزق حلال عطا فرما کر حرام سے بے نیاز فرمادے اور اپنی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما کر نافرمانی سے اور اپنے فضل سے بہرہ مند فرما کر اپنے سوا دوسروں سے مستغنی فرمادے۔ اے وسیع مغفرت والے۔ اے اللہ بے شک تیرا گھر بڑی عظمت والا ہے اور تیری ذات بڑی عظمت والی ہے اور تو اے اللہ بڑا حلم والا ہے بڑا کرم والا ہے اور بڑی عظمت والا ہے تو معافی کو پسند فرماتا ہے سو میری خطاؤں کو معاف فرمادے۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھئے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ ط یَا رَبَّ

الْعَالَمِيْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

ساتویں چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا كَامِلًا وَّيَقِيْنًا صَادِقًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّقَلْبًا خَاشِعًا وَّلِسَانًا ذَاكِرًا وَّرِزْقًا حَلَالًا طَيِّبًا وَّتَوْبَةً نَّصُوْحًا وَّتَوْبَةً قَبْلَ الْمَوْتِ وَرَاحَةً عِنْدَ الْمَوْتِ ط وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً بَعْدَ الْمَوْتِ ط وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ ط وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ ط بِرَحْمَتِكَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ ط رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ط

اے اللہ! میں تجھ سے کامل ایمان اور سچا یقین اور کشادہ رزق اور عاجزی کرنے والا دل اور تیرا ذکر کرنے والی زبان اور حلال اور پاک روزی اور سچے دل کی توبہ اور موت سے پہلے توبہ اور موت کے وقت کا آرام اور مرنے کے بعد مغفرت اور رحمت اور حساب کے وقت معافی اور جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات (یہ سب کچھ میں مانگتا ہوں) تیری رحمت کے وسیلہ سے اے بڑی عزت والے اے بڑی مغفرت والے۔ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما دے۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ ط يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے۔ اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

طواف کرتے ہوئے جب بھی حجر اسود پر آئے تو بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور اسی طرح سے اس کا استلام کرے جس طرح شروع میں کیا تھا یعنی حجر اسود پر دونوں ہاتھ رکھ کر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان حجر اسود کو بوسہ دے یہ نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ رکھ کر یا صرف داہنے ہاتھ سے چھو کر ہاتھوں کو بوسہ دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ حجر اسود کی طرف اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف ہوں اور ہتھیلی کی پشت اپنی طرف ہو اس کے بعد ہاتھوں کو بوسہ دے۔ جب طواف ختم کر چکے تو آٹھویں مرتبہ بطریق مذکور حجر اسود کا استلام کرے نیز ہر چکر میں رکن یمانی کا بھی دونوں ہاتھوں سے یا سیدھے ہاتھ سے استلام کرے اور اگر استلام کا موقع نہ ہو تو اس کے لئے اشارہ نہ کرے یاد رہے کہ حجر اسود یا رکن یمانی کے استلام میں یا طواف کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر دھکا پیل کر کے کسی کو ایذا نہ دے کیونکہ ایذاء مسلم حرام ہے۔

مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کی رکعتیں

ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز طواف پڑھنا واجب ہے اس کو واجب الطواف کہتے ہیں ان دو رکعتوں کو مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل ہے مقام

بِالصَّالِحَاتِ اَعْمَالَنَا ط اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ ط وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ط وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ ط اٰمِيْنَ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

اے اللہ تو میری سب چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے لہٰذا میری معذرت قبول فرما اور تو میری حاجت کو جانتا ہے لہٰذا میری خواہش کو پورا فرما اور تو میرے دل کا حال جانتا ہے لہٰذا میرے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا ایمان جو میرے دل میں سما جائے اور ایسا سچا یقین جس کی وجہ سے جان لوں کہ جو تو نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی مجھے پہنچے گا اور تیری طرف سے جو میری قسمت میں مقرر کیا گیا اس پر رضامندی کا سوال کرتا ہوں تو ہی میرا مددگار ہے دنیا اور آخرت میں مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما۔ اے اللہ اس مقدس مقام کی حاضری کے موقع پر کوئی ہمارا گناہ بغیر معاف کئے نہ چھوڑنا اور کوئی پریشانی دور کئے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی حاجت دنیا اور آخرت کی حاجتوں میں سے پوری کئے بغیر اور سہل کئے بغیر نہ چھوڑنا سو ہمارے تمام کام آسان کر دے اور ہمارے سینوں کو کھول دے اور ہمارے دلوں کو روشن کر دے اور ہمارے عملوں کو نیکیوں کے ساتھ ختم فرما۔ اے اللہ ہمیں اسلام کی حالت میں زندہ رکھ اور حالت اسلام میں موت دے اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرما نہ ہم رسوا ہوں نہ آزمائشوں میں پڑیں۔ آمین اے رب العالمین۔

زمزم پینا

مسجد حرام میں زمزم پینے کو بھی خوب ملتا ہے اور اس کا پینا مستحب ہے اور باعث برکت ہے، جب بھی پیئے خوب ڈٹ کر پیئے اور تین سانس میں پیئے شروع

میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زمزم پی کر یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ۔

اے اللہ مجھے علم نافع نصیب فرما اور وسعت اور فراخی کے ساتھ روزی عطا فرما اور ہر بیماری سے شفا دے۔

ملتزم پر پڑھنے کی دعا

کعبہ شریف کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان جو دیوار کا حصہ ہے اس کو ملتزم کہتے ہیں، موقع پا کر اس جگہ بھی جائے اور اس جگہ کعبہ شریف کی دیوار پر دونوں ہاتھ سر کے اوپر سیدھے بچھا دے اور اپنا سینہ دیوار سے ملا دے اور رخساروں کو (کبھی داہنا رخسار اور کبھی بایاں رخسار) دیوار پر رکھے اور خوب خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگے، یہ دعا قبول ہونے کی جگہ ہے۔ تجربہ ہے کہ یہاں جو دعا کی جائے رد نہیں ہوتی بعض بزرگوں سے اس جگہ ذیل کی دعا کرنا منقول ہے۔

اَللّٰھُمَّ یَا رَبَّ الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اَعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ اٰبَآئِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَاِخْوَانِنَا وَاَوْلَادِنَا مِنَ النَّارِ ط یَا ذَا الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ ط وَالْفَضْلِ وَالْمَنِّ وَالْعَطَآءِ وَالْاِحْسَانِ ط اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ ط اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَاقِفٌ تَحْتَ بَابِکَ مُلْتَزِمٌ بِاَعْتَابِکَ مُتَذَلِّلٌ بَیْنَ یَدَیْکَ ط اَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَاَخْشٰی

عَذَابِكَ مِنَ النَّارِ يَا قَدِيْمَ الْإِحْسَانِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اَنْ

تَرْفَعَ ذِكْرِيْ وَتَضَعَ وِزْرِيْ وَتُصْلِحَ اَمْرِيْ وَتُطَهِّرَ قَلْبِيْ وَتُنَوِّرَ لِيْ

فِيْ قَبْرِيْ وَتَغْفِرَ لِيْ ذَنْبِيْ وَاَسْئَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مِنَ

الْجَنَّةِ اٰمِيْنَ ط

اے اللہ! اے اس قدیم گھر کے مالک ہماری گردنوں کو اور ہمارے باپ دادوں اور ماؤں اور بھائیوں اور اولادوں کی گردنوں کو دوزخ سے آزاد کر دے، اے بخشش والے، کرم والے، فضل والے، احسان والے، عطا والے، خوبی کا برتاؤ کرنے والے، اے اللہ تمام معاملات میں ہمارا انجام بخیر فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ، اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرا بندہ زادہ ہوں تیرے (مقدس) گھر کے نیچے کھڑا ہوں تیرے دروازے کی چوکھٹوں سے چمٹا ہوا ہوں تیرے سامنے عاجزی کے ساتھ ہوں تیری رحمت کا طلب گار ہوں اور تیرے دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اے ہمیشہ کے محسن، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے ذکر کو بلندی عطا فرما اور میرے گناہوں کو ختم فرما اور میرے کاموں کو درست فرما اور میرے دل کو پاک فرما اور میرے لئے قبر کی روشنی فرما اور میرے گناہ معاف فرما اور میں تجھ سے جنت کے اونچے درجے کی بھیک مانگتا ہوں۔ آمین۔

منهج الخیر فی الحج عن الغیر

حج بدل اور اس کے احکام

تاریخ تالیف ــــــــــ رجب ۱۳۹۲ھ (مطابق ۱۹۷۲ء)

مقام تالیف ــــــــــ دارالعلوم کراچی

اس مقالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے، اس کا اصل محرک اس مسئلہ کی تحقیق تھی کہ حج بدل کرنے والا قِران یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟ پھر ضمناً حج بدل سے متعلق دوسرے مسائل بھی اس میں جمع کر دیے گئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منهج الخير في الحج عن الغير

حج بدل اور اس کے احکام

حج بدل کے مسائل سے پہلے ایک اصولی سوال کا جواب سمجھ لیجئے، سوال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے کوئی عبادت ادا کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں، ایک عبادت بدنی جیسے نماز، روزہ۔ دوسرے عبادت مالی جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، تیسرے وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے، یعنی اس میں کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے کچھ جسمانی محنت بھی اٹھانی پڑتی ہے، جیسے حج وعمرہ وغیرہ۔

ان تینوں قسم کے احکام یہ ہیں کہ عبادات بدنیہ میں تو ایک کا فرض کوئی دوسرا آدمی مطلقاً ادا نہیں کر سکتا، ایک کی نماز کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا، ایک کا روزہ دوسرا نہیں رکھ سکتا۔ اور عبادات مالیہ میں مطلقاً ایک کا فرض دوسرا ادا کر سکتا ہے، جس پر زکوٰۃ فرض ہے، وہ کسی کو بھی اپنا وکیل بنا کر زکوٰۃ اس کے ذریعہ ادا کر سکتا ہے، اس کا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، اور کوئی دوسرا آدمی اپنے مال سے دوسرے کی زکوٰۃ فرض اس کی اجازت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے، اس میں کوئی شرط نہیں۔

حج بدل فرض کے احکام

نفلی حج بدل کے احکام بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

مسئلہ: جس شخص پر حج فرض ہو گیا، اور اس نے ادائے حج کا زمانہ بھی پایا، مگر باوجود قدرت کے کسی وجہ سے حج ادا نہ کیا، پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہو گیا، تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر خود حج بدل کرائے، یا وصیت کرے کہ میرے بعد میری طرف سے حج کرا لیا جائے۔

مسئلہ: اگر حج کی مالی استطاعت حاصل ہو جانے کے بعد زمانۂ حج آنے سے پہلے فوت ہو گیا، تو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ حج اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا، اسی طرح اگر یہ شخص پہلے ہی سال حج کے لئے روانہ ہو گیا، پھر حج سے پہلے فوت ہو گیا، تو اس کے ذمہ سے بھی حج ساقط ہو گیا، وصیت کی ضرورت نہیں۔ (مناسک ملا علی قاری)

حج سے عاجز و معذور قرار دینے کی شرائط

حج سے عاجز اور معذور ہونے کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر گذری کہ حج کا موقع پانے سے پہلے انتقال ہو گیا، اس میں تو حج سرے سے ساقط ہی ہو جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے اس کو قید کر لیا، یا زبردستی مکہ معظمہ جانے سے روک دیا، تیسری یہ کہ کوئی ایسا مرض پیش آ گیا، جس سے صحت کی امید نہیں، مثلاً اپاہج یا نابینا یا لنگڑا ہو گیا، یا بڑھاپے کا ضعف ایسا ہو گیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہو سکتا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں رہا، سفر کرنے میں جان و مال کا اندیشہ ہے۔ پانچویں صورت خاص عورتوں کے لئے یہ ہے کہ کوئی محرم ساتھ کے لئے نہ ملا، ان سب

صورتوں میں اس کو معذور سمجھا جائے گا، بشرطیکہ یہ عذر موت تک مسلسل جاری رہا ہو، اگر یہ اعذار قبل الموت رفع ہو جائیں، مگر پھر خود زمانہ حج پانے کی صورت میں حج کرنے کی نوبت نہ آئے، تو حج بدل کرانا یا اس کی وصیت کرنا واجب ہے، اور اگر مرنے تک یہ اعذار قائم رہے، تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشہور روایت کے مطابق وصیت کرنا واجب نہیں، بشرطیکہ عذر سے پہلے زمانہ حج نہ پایا ہو۔ کیونکہ شرط نہ پانے کی وجہ سے فرض ساقط ہو گیا۔ اور صاحبین کے نزدیک مالی استطاعت تو ایسی شرط ہے کہ اس کے نہ ہونے یا ایام حج آنے سے پہلے ختم ہو جانے کی وجہ سے فرض حج ساقط ہو جاتا ہے۔ باقی شرائط وجوب حج کے لئے نہیں بلکہ ادائے حج کے لئے ہیں۔ ان کے فوت ہو جانے کی وجہ سے فرض ساقط نہیں ہوتا، مگر جب خود ادا کرنے پر قدرت نہ رہے، تو حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہے، محقق ابن ہمام وغیرہ نے صاحبین کے مذہب کو ترجیح دی ہے، اس لئے احتیاط ان سب صورتوں میں یہ ہے کہ حج بدل کی وصیت کر جائیں، اور وارث حج بدل کرا دیں۔ (مناسک ملا علی قاری)

حج بدل کی شرائط

یہ شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں، یہاں ملا علی قاری کے مناسک سے لکھی جاتی ہیں، لیکن ترتیب کچھ بضرورت بدل گئی ہے۔ جس شخص کے ذمہ حج فرض ہو یا اس نے بذریعہ نذر (منت) اپنے اوپر حج یا عمرہ کو لازم کر لیا ہو، پھر خود ادا کرنے کی قدرت نہ رہی، جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے، تو ایسے شخص کا حج یا عمرہ بطور بدل ادا کرانے کے لئے بیس شرطیں ہیں ان شرائط میں دو لفظ بار بار آئیں گے، ان کے معنی سمجھ لیجئے، ایک آمر دوسرا مامور، حج کرانے والے کو آمر کہتے ہیں، اور جو دوسرے کے حکم سے حج بدل کرتا ہے، اس کو مامور کہتے ہیں۔

پہلی شرط

یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جارہا ہو، اس پر حج بدل کرانے کے وقت حج فرض ہو، اگر اس وقت اس پر حج فرض نہیں تھا، اس حالت میں اپنی طرف سے حج بدل کرادیا، تو یہ نفلی حج ہوا، اگر اس کے بعد اس کو حج کی استطاعت ہو تو حج فرض ہو گیا، اب دوبارہ حج خود کرنا پڑے گا، خود نہ کرسکا تو حج بدل دوبارہ کرانا پڑے گا۔

دوسری اور تیسری شرط

دائمی عجز اور حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا ہے، یعنی جن اعذار کی وجہ سے انسان کو حج سے معذور قرار دیا گیا ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے، ان اعذار کا موت تک باقی رہنا   حج بدل کرانے سے پہلے موجود ہونا بھی فرض حج بدل کے لئے شرط ہے، اگر کسی معذور شخص کا حج بدل کرادینے کے بعد عذر رفع ہو گیا، اور حج پر قدرت ہو گئی، مثلاً بیمار تھا اچھا ہو گیا، عورت کو محرم مل گیا تو دوبارہ خود حج ادا کرنا ضروری ہوگا، اور جو حج بدل پہلے کرایا ہے وہ نفلی حج ہو جائے گا۔ ([illegible])

چوتھی شرط

یہ ہے کہ جس کا حج فرض ادا کرنا ہے اس کی طرف سے حج بدل کرنے والے کو امر کیا گیا ہو، یا کم از کم اجازت دی گئی ہو، اگر اس کے امر واجازت کے بغیر کسی شخص نے اس کی طرف سے حج بدل کردیا تو اس کا فرض ادا نہ ہوگا۔

اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جس پر حج فرض تھا، وہ اس نے ادا نہیں کیا، اور ادا کرانے کے لئے وصیت بھی نہیں کی تو کوئی آدمی اگر اس پر احسان کرکے اس کی طرف سے حج بدل کردے تو اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ

نے ایک حدیث کی بناء پر فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کی طرف سے یا کسی اور وارث یا اجنبی نے اپنے مرنے والے عزیز کی طرف سے بغیر اسکے امر اور وصیت کے ہی حج بدل ادا کر دیا، تو انشاء اللہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا، انشاء اللہ اس لئے کہا کہ کسی نص صریح سے اس کا ادا ہو جانا یقینی طور پر ثابت نہیں۔

پانچویں، چھٹی، ساتویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی حج کرنے والا، مسلمان ہو، عاقل ہو، مجنون پاگل نہ ہو، اگر نابالغ ہو تو ممیز ہو، یعنی احکام حج ادا کرنے اور سفر کے انتظام کی تمیز رکھتا ہو۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ مامور کا بالغ ہونا شرط نہیں۔ نابالغ بھی حج بدل کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں اتنی تمیز اور صلاحیت ہو کہ احکام حج ادا کرلے، یعنی قریب البلوغ ہو مگر اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ نابالغ سے حج نہ کرایا جائے۔ (مناسک ملا علی قاری)

آٹھویں شرط

یہ ہے کہ حج بدل کرنے پر کوئی اجرت و معاوضہ نہ لیا جائے، اگر کسی نے باقاعدہ اجرت طے کر کے کسی سے حج بدل کرایا، تو لینے اور دینے والے دونوں گناہ گار ہوں گے، مگر حج آمر کا ادا ہو جائے گا، اور جو معاوضہ حج پر لیا ہے، وہ واپس کرنا واجب ہوگا، البتہ بقدر اخراجات حج مامور کو آمر کی طرف سے مال دلایا جائے گا۔

نویں، دسویں شرط

یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہو، اس کے مال سے حج کرے، اور سواری پر کرے، پیادہ نہ ہو، اگر حج بدل کرنے والے نے اپنا مال خرچ کر

کے اس کی طرف سے حج بدل کرے، ورنہ اس کا فرض ادا نہیں ہوگا۔ اور شرط یہ ہے کہ اکثر حصہ مصارف حج کا اس کی طرف سے ہو، اگر کچھ تھوڑا مال خود حج بدل کرنے والے نے اپنا بھی خرچ کرلیا تو مضائقہ نہیں، اسی طرح اگر پیدل حج کیا تو آمر یعنی حج کرانے والے کا حج فرض ادا نہیں ہوگا، اس میں بھی اکثر سفر کا سواری پر کرنا کافی ہے، کچھ حصہ سفر کا پیدل بھی طے کرلیا تو حرج نہیں۔

گیارہویں شرط

یہ ہے کہ آمر یعنی حج کرانے والے کے وطن سے سفر حج شروع کیا جائے، اگر حج کرانے والے کے کئی وطن ہوں تو اس وطن کا اعتبار ہوگا، جو بہ نسبت دوسرے کے مکہ مکرمہ کی طرف قریب ہو۔

مسئلہ: جو شخص ہندوستان میں فوت ہوا اور حج بدل کی وصیت کرگیا مگر بعد میں اس کے اہل و عیال یا جس کو وصیت کی تھی، وہ ہجرت کرکے پاکستان آگیا تو وصی پر لازم ہے کہ اس کا حج ہندوستان کے وطن سے کرائے، ہندوستان ہی سے کسی آدمی کو حج بدل کے لئے مامور کردے۔ لیکن اگر وہاں سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنے پر قدرت نہ ہو، خواہ اس وجہ سے کہ قوم وہاں سے منتقل ہوجائے یا وہاں سے کسی آدمی کا بھیجنا قدرت میں نہ ہو تو پاکستان ہی میں اس جگہ سے جہاں وصی ہجرت کرکے آیا ہے، کسی کو حج بدل کے لئے بھیج دے، تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ صراحۃً کتب فقہ میں موجود نہیں ہے، مگر اس کی ایک نظیر یہ موجود ہے، کہ میت کا مال اگر اس کے وطن سے حج کرانے کے لئے کافی نہ ہو تو جس جگہ سے کافی ہو، وہاں سے حج کرادینے کی اجازت ہے، اس صورت میں بھی آمر کے وطن سے حج کرنے پر قدرت نہ رہی تو جہاں سے قدرت ہے وہیں سے حج کرادینا انشاء اللہ کافی ہوگا۔

بارھویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا احرام باندھنے کے وقت حج کی نیت آمر یعنی حج کرانے والے کی طرف سے کرے، اگر احرام کے وقت نیت نہیں کی، تو امام اعظم کے نزدیک افعال حج شروع کرنے سے پہلے پہلے نیت کر لے لہٰذا حج بدل کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ احرام کے وقت زبان سے کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں، اور پھر جب تلبیہ کہے، تو اس میں یہ الفاظ کہے، لبیک عن فلان، لفظ فلاں کی جگہ اس کا نام لے، اگر نام یاد نہ رہے، تو صرف اتنا کہہ دے، کہ جس نے مجھے حج بدل کے لئے بھیجا ہے، اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں، اور لبیک عن الآمر کہہ دے، اور اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہے، صرف دل سے نیت آمر کے حج کی کرے، تو یہ بھی کافی ہے، اگر احرام باندھتے کے وقت مطلق حج کی نیت کر لی، اپنی یا دوسرے کی کوئی نیت نہیں کی، تو افعال حج شروع کرنے سے پہلے آمر کی طرف سے نیت کر لینا کافی ہو جائے گا۔

تیرھویں اور چودھویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی جس کو حج بدل کے لئے کہا گیا ہے وہ خود ہی اس کی طرف سے حج بدل کرے، کسی دوسرے سے بغیر اجازت آمر کے کرانا جائز نہیں، اگر بغیر اجازت سے کسی کو بھیجا تو وہ حج مامور کا ہو جائے گا، آمر کا نہیں ہوگا، اور اس کو آمر کی رقم واپس کرنا پڑے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مامور کو اجازت عام دے دی جائے کہ وہ کسی وجہ سے خود نہ کر سکے تو دوسرے سے کرا دے۔

اسی طرح اگر مرنے والے نے حج بدل کی وصیت میں کسی خاص شخص کو معین کر کے کہہ دیا کہ اس کے سوا میرا حج بدل کوئی اور نہ کرے، تو کسی دوسرے سے اس کا حج

بدل کرانا جائز نہیں، اور اگر معین تو کیا، مگر دوسرے کی نفی نہیں کی، یعنی صرف اتنا کہا کہ میرا حج بدل فلاں سے کرادیں، اس صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ اسی معین شخص سے حج کرائیں، ہاں اگر وہ انکار کردے، یا کسی وجہ سے معذور ہو جائے، تو دوسرے سے کرا سکتے ہیں، اس کے انکار اور معذوری کے بغیر بھی اگر وصی نے کسی اور کو بھیج دیا، تو حج فرض آمر کا ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر وصیت کرنے والے نے صرف اتنا کہا کہ میری طرف سے حج بدل کرا دیا جائے، اور کسی کو وصی مقرر نہیں کیا، تو سب وارث جمع ہو کر باہم مشورے سے کسی کو بھی حج بدل کے لئے بھیج سکتے ہیں، حج فرض آمر کا ادا ہو جائے گا۔

(مناسک ملا علی قاری)

پندرھویں اور سولھویں شرط

یہ ہے کہ مامور حج کو فاسد نہ کرے، اور فوت بھی نہ کرے، فاسد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لے، اور فوت کرنے کی صورت یہ ہے کہ احرام کے باوجود عرفات کا وقوف نہ کرے، اگر فاسد کر دیا یا فوت کر دیا، تو آمر کا حج ادا نہیں ہوا، اور فاسد کرنے والے پر واجب ہوگا، کہ آمر کی رقم جتنی اس نے حج بدل کے لئے دی تھی، واپس کرے، اور آئندہ سال اپنے مال سے حج کی قضا کرے، یہ قضا بھی اسی مامور کی طرف سے ہوگی، آمر کی طرف سے نہیں ہوگی، آمر کو اپنا حج بدل الگ کرانا ہوگا۔

اور فوت ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی غفلت و کوتاہی سے ارکان حج ادا نہیں کئے، اس صورت میں اس کو بھی آمر کی رقم کا ضمان دینا پڑیگا۔ اور اپنے فوت شدہ حج کی قضا اپنے مال سے الگ کرنا ہوگی، اس قضا سے بھی آمر کا حج فرض ساقط نہیں ہوگا، اور خود مامور کا بھی حج فرض اس سے ادا نہیں ہوگا، اگر بعد میں اس کو حج پر

قدرت ہوگئی، تو اپنا فرض الگ ادا کرنا پڑے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آسمانی آفت بیماری یا قید ہو جانے، وغیرہ کے سبب ارکان حج کی ادائیگی سے معذور ہو گیا، اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ اگلے سال اس کی قضا کرے، اور آمر کو کوئی ضمان دینا نہیں پڑے گا، مگر اگلے سال جو قضا کرے گا، اس سے آمر کا حج ادا ہو سکتا ہے، اگر آمر اس کو حکم کرے، اور یہ قضا میں آمر کی نیت کرے۔

سترہویں اور اٹھارہویں شرط

یہ ہے کہ مامور صرف ایک حج کا احرام باندھے ایسا نہ کرے، کہ بیک وقت دو حج کی نیت کر کے احرام باندھے ایک اپنا ایک آمر کا، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ایک ہی شخص کی طرف سے احرام باندھے، ایسا نہ کرے کہ دو آدمیوں کے حج کی نیت کرے، اور دونوں کے لئے احرام باندھے۔

انیسویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا، آمر یعنی حج کرانے والے کے میقات سے احرام باندھے، یعنی اس کے وطن سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے جو میقات آتا ہے، اس سے احرام حج بدل کا باندھے۔ جیسے ہندو پاکستان والوں کے لئے بحری جہاز سے سفر کرنے میں یلملم ہے، اگر مامور نے یہاں سے احرام عمرہ کا باندھا، عمرہ ادا کر کے مکہ معظمہ سے احرام حج کا باندھا جیسا کہ حج تمتع کا قاعدہ ہے تو چونکہ حج میقات آمر سے نہیں ہوا، اس لئے آمر کا حج ادا نہ ہوا، خود مامور کا ہو گیا، اس پر لازم ہے کہ آمر کی دی ہوئی رقم اس کو واپس کرے، اسکی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بیسویں شرط

یہ ہے کہ مامور آمر کی مخالفت نہ کرے، مثلاً آمر نے اس کو حج افراد کرنے کے

لئے کہا تھا، اگر اس نے حج کے ساتھ عمرہ بھی ملا کر قران کرلیا، تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا، مامور پر ضمان آئے گا کہ آمر کی رقم واپس کرے، یہ حکم اس صورت میں تو متفق علیہ ہے، جب کہ اس نے عمرہ کی نیت اپنی طرف سے اور حج کی نیت آمر کی طرف سے کی ہو، اور اگر عمرہ بھی آمر کی طرف سے کیا حج بھی، تو اس میں امام اعظمؒ کا قول تو یہی ہے کہ مخالفت آمر کی وجہ سے یہ حج آمر کا نہیں مامور کا ہوگیا، اس پر ضمان لازم ہوگا، مگر صاحبینؒ کے نزدیک آمر کا حج اس سے ادا ہو جائے گا۔ (مناسک ملا علی قاری)

امام اعظمؒ کے نزدیک چونکہ اس حکم کا مدار مخالفت آمر پر ہے، اس لئے اگر آمر نے خود ہی اجازت قران کی دے دی ہے، تو مقتضائے کلام یہ ہے کہ باتفاق حج آمر کا ادا ہو جائے گا، یہ حکم قران کا ہے، اگر مامور نے عمرہ کا اضافہ بصورت تمتع کرلیا، کہ میقات آمر سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرلیا، پھر مکہ مکرمہ سے احرام حج کا باندھا، تو امام صاحب اور صاحبین دونوں کے نزدیک آمر کا حج ادا نہیں ہوا، مامور پر ضمان واجب ہے۔ (کما یظہر من البحر والفتح) اس مسئلے کی تفصیل آگے آئے گی۔

خلاصہ شرائط

شرائط مذکورہ میں چار شرائط تو آمر یعنی حج کرانے والے کی ذات سے متعلق ہیں۔

(۱) اس کا مسلمان ہونا، اور اس پر حج فرض ہونا، اور خود قادر نہ ہونا

(۲) اس کے عجز کا دائمی ہونا۔

(۳) حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا۔

(۴) حج بدل کے لئے کسی کو خود مامور کرنا یا اس کے لئے وصیت کرنا، اور چار شرائط مامور کی ذات سے متعلق ہیں،

(۵) مسلمان ہونا،

البتہ اگر نفلی حج یا عمرہ کسی نے اپنے خرچ سے کیا، اور کرنے کے بعد کسی کو ثواب پہنچا دیا تو یہ حج وعمرہ خود کرنے والے کا ہوگا، اور جس شخص کو ثواب پہنچایا ہے، اس کو ثواب ملے گا۔ (غنیۃ)

مسئلہ: جس شخص نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے، اس کے لئے نفلی حج کرنے سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے فرض کا حج بدل کرے، حدیث میں ہے جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرتا ہے، اس کو سات حج اس کا ثواب ملتا ہے۔ (غنیۃ)

جس نے اپنا حج نہیں کیا اس سے حج کرانا

افضل اور بہتر تو سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج فرض کا بدل اس شخص سے کرایا جائے، جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو، اور جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اگر وہ ایسا ہے، کہ اس پر حج فرض ہی نہیں، تو اس کا حج بدل کے لئے امر کرنا جائز ہے، مگر مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، اور اگر اس شخص کے ذمہ خود حج فرض ہے، اور وہ ابھی ادا نہیں کیا، اس حالت میں دوسرا کوئی اس کو اپنے حج بدل کے لئے بھیجے، تو بھیجنے والے کے لئے مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، کیونکہ اس کے ذمہ لازم ہے، کہ جب اس کو حج کی سہولت میسر آجائے، تو اپنا حج فرض ادا کرے۔ (غنیۃ)

مسئلہ: جس شخص پر پہلے سے حج فرض نہیں تھا اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل پر چلا گیا، اور اسی کی طرف سے احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا، تو بیت اللہ کے پاس پہنچنے سے اس کے ذمہ اپنا حج فرض نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اس حالت میں مکہ مکرمہ پہنچا ہے، کہ دوسرے کی طرف سے احرام باندھنے کی بناء پر اپنا حج کرنے پر اس کو قدرت نہیں اور واپسی کے بعد غریب ہونے کی بناء پر دوبارہ جانے کی قدرت نہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگرچہ اس کے ذمہ پہلے سے حج فرض نہیں

تھا، مگر بیت اللہ کو دیکھنے سے اس پر حج فرض ہوگیا، اس لئے اس پر لازم ہے کہ سال بھر وہیں ٹھہرے اور اگلے سال اپنا حج کر کے واپس آئے۔ (غنیۃ)

آج کل چونکہ نہ قیام طویل اختیار میں ہے، نہ اس کے وسائل اختیار میں، اس لئے پہلے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے، بحیثیت دلیل بھی وہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

آمر کے وطن سے حج بدل کرنے کا مسئلہ

جو اوپر شرائط میں مذکور ہے یہ اس وقت ہے، جب کہ وصیت کرنے والے کے کل مال کا ایک تہائی اتنا ہو کہ اس کے وطن سے حج کرایا جا سکے، اور اگر تہائی مال میں یہ گنجائش نہ ہو، اور وارث تہائی سے زائد خرچ کرنے کے لئے راضی نہیں، تو ایک تہائی مال میں جس جگہ سے حج کرایا جا سکتا ہے، کرا دیا جائے۔ (غنیۃ، ملاعلی)

مسئلہ: اسی طرح اگر مرنے والے نے خود اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے حج بدل کرنے کی وصیت کر دی، تو وصی اسی جگہ سے حج کرائے۔

حج بدل میں قران اور تمتع

حج بدل کرنے والا اگر آمر کی اجازت کے بغیر قران کرے، اس طرح کہ عمرہ اپنی طرف سے اور حج آمر کی طرف سے کرے، تو باتفاق فقہاء یہ حج آمر کا ادا نہیں ہو گا، خود مامور کا ہو جائے گا، اور مامور پر نفقہ حج کا ضمان عائد ہوگا، اور اگر عمرہ کی نیت بھی آمر کے لئے کی، اور حج کی بھی تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں، اور اس صورت میں حج آمر کا نہیں ہوگا، مامور پر ضمان واجب ہو گا۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ اور وجہ اختلاف کی مبسوط شمس الائمہ سرخسی میں بعبارت ذیل مذکور ہیں:

۱:..... "ولو قرن مع الحج عمرة كان مخالفاً ضامناً للنفقة عند ابی حنيفةؒ و عندهما لايصير مخالفا استحسانا لانه اتى بالمامور به و زاد عليه ما يجانسه فلا يصير مخالفا كالوكيل بالبيع اذا باع باكثر مما سمّىٰ له من جنسه و ابو حنيفه يقول هو مامور بانفاق المال فى سفر مجرد للحج و سفره هذا ما تفرد بل للحج و العمرة جميعاً فكان مخالفا كما لو تمتع ولا ولاية عليه للحاج فى اداء نسك عنه الا بقدر ما امره الاترى انه لو لم يامره بشئٍ لم يجز ادائه عنه فكذالك اذالم يامره بالعمرة فاذا لم تكن عمرته عن الميت صار كانه نوى العمرة عن نفسه و هناك يصير مخالفا (ثم قال بعد ذالك) ثم دم القران عندهما على الحاج من مال نفسه و كذالك عند ابى حنيفة اذا كان مأمورا بالقران من جهة الميت حتى لم يصر مخالفاً لان دم القران للنسك و سائر المناسك عليه ثم قال بعد ذالك."

۲:..... "واذا كان امر بالحج فبدأ و اعتمر فى اشهر الحج ثم حج من مكة كان مخالفاً فى قولهم جميعاً لانه مامور بان يحج عن الميت من الميقات و المتمتع يحج من جوف مكة فكان هذا غير ما امر به و لانه مامور بالانفاق فى سفر يعمل فيه للميت و انما انفق فى سفر كان عاملاً فيه لنفسه لان سفره انما كان للعمرة و هو فى العمرة عامل لنفسه."

مبسوط کی عبارت مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے، اول یہ کہ حج بدل میں قران وتمتع دونوں کے ناجائز ہونے اور آمر کا حج ادا نہ ہونے کی علت باتفاق ائمہ مخالفت حکم آمر کی ہے، اور تمتع میں حج کا میقاتی نہ رہنا بھی فی نفسہ علت عدم جواز نہیں، بلکہ وہ بھی مخالفت آمر ہی کی بنیاد پر ممنوع ہے، جیسا کہ عبارت نمبر ۱، ۲ سے واضح ہے۔

دوسرے یہ کہ صاحبین نے اس مخالفت کو قران کی حد تک تو استحساناً جائز قرار دے دیا، مگر تمتع میں مخالفت دوہری ہو گئی، ایک حج کے ساتھ بلا اجازت عمرہ کا شامل کرنا، دوسرے امر حج کے میقاتی کرنے کا تھا، اس صورت میں وہ حج مکی ہو گیا، اس لئے اس مخالفت کو انہوں نے بھی جائز نہیں سمجھا، اور حکم یہ دیا کہ آمر کا حج اس سے ادا نہیں ہوا، مامور پر ضمان آئے گا۔

تیسری بات اس سے یہ نکل آئی کہ جب عدم جواز کی علت مخالفت آمر ہوئی، تو اجازت آمر کے ساتھ قران اور تمتع دونوں جائز ہو جانے چاہئیں۔ چنانچہ باجازت آمر قران جائز ہونے کی تصریح عبارت نمبر ۲ میں آئی ہے، اسی طرح ہدایہ میں بھی باجازت آمر قران جائز ہونے کی تصریح ان الفاظ میں آئی ہے:

"فان امرہ غیرہ ان یقرن عنہ فالدم علی من احرم فانہ وجب شکرا لما وفقہ اللہ تعالیٰ من الجمع بین النسکین و المامور ھو المختص بھذہ النعمۃ لان حقیقۃ الفعل منہ۔"

مبسوط اور ہدایہ کی دونوں تصریحات میں ذکر صرف قران کا کیا گیا ہے، حالانکہ مدار اجازت جب آمر کی اجازت پر ٹھہرا، تو مقتضا اس کا یہ ہے کہ قران ہو یا تمتع، جب باذن آمر ہو، تو دونوں جائز ہونے چاہئیں، اسی لئے مبسوط کی مذکور الصدر بحث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"و أراد بالقران الجمع بين النسكين قرانا كان او تمتعاً كما صرح به في غاية البيان لكن بالاذن المتقدم."

جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آمر کی طرف سے اجازت ہو، تو قران و تمتع دونوں جائز ہیں، اور حج وعمرہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خان میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے بھی جو کلام نقل کیا ہے، اس کا ظاہر یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے حج کی تینوں قسمیں افراد، قران، تمتع سب جائز ہیں، بلکہ ان کی ہدایت یہ ہے کہ آمر کو چاہیے کہ مامور کو عام اجازت دے دے، تاکہ اس کو عمل میں تنگی اور دشواری پیش نہ آئے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"قال الشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ اذا أمر غيره بان يحج عنه فينبغي ان يفوض الامر الى المامور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت ان شئت حجة و ان شئت حجة و عمرة و ان شئت قرانا والباقي من المال لك وصية كيلا يضيق الامر على الحاج و لا يجب رد ما فضل على الورثة."

(قاضی خان برحاشیہ عالمگیری طبع مصر ص:۳۰۷، ج:۱)

منسک علامہ سندی کی لباب میں قاضی خان کی مذکورہ عبارت کا یہی مفہوم قرار دے کر لکھا ہے:

"و ينبغي للآمر ان يفوض الامرَ الى المامور فيقول حج عني كيف شئت مفردا او متمتعاً."

(ارشاد الساری، مناسک ملا علی قاری ص:۳۰۴)

لیکن ملا علیؒ نے منسک سندی کی شرح میں لباب کے اس قول کو سہو قرار دیا اور

اس کے قول متبعاً پر فرمایا:

"فیہ ان ھذا القید سھو ظاھر اذا التفویض المذکور فی کلام المشائخ مقید بالافراد و القران لا غیر (ثم قال) و اما فی قاضی خان من التخییر بحجۃ او عمرۃ و حجۃ او بالقران فلا دلالۃ لہ علی جواز التمتع اذا لوالی و حجۃ لا تفید الترتیب فتحمل علی حج و عمرۃ بان یحج اولاً ثم یاتی بعمرۃ لہ ایضاً فتدبر فانہ موضع خطر."

مگر علامہ حسین بن محمد سعید عبدالغنی نے عبارت مذکورہ کے حاشیہ میں اس کو سہو قرار دینے کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"قولہ فیہ ان ھذا القید سھو ظاھر قال القاضی عبد فی شرحہ لھذا لکتاب (یعنی اللباب) ولا یخفی ان ھذا سھو منہ (یعنی علی القاری) لان المیت لو امرہ بالتمتع فتمتع المامور صح و لا یکون مخالفا بلا خلاف بین الائمۃ الاسلاف کذا فی الحباب."

(ارشاد الساری ص ۳۰۲)

امام ابوبکر بن الفضل کے قول بروایت قاضی خان میں تخییر کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے، اول بحجۃ جس کے معنی افراد ہیں اور آخر میں قرانا ہے، اس سے پہلے بحجۃ و عمرۃ ہے، اس میں غور کرنے سے یہ تو ظاہر ہے کہ اگر تخییر صرف افراد اور قران کی مقصود ہوتی تو یہ تیسرا لفظ بحجۃ و عمرۃ فضول و بے معنی ہو جاتا ہے، مگر اس کو جواز تمتع کی تصریح بھی اس لئے نہیں کہا جا سکتا، کہ حجۃ کو مقدم، عمرۃ کو موخر کر کے لکھا ہے، جو تمتع کی ترتیب کے خلاف ہے۔

لیکن غنیۃ الناسک جو درحقیقت علامہ سندھی کے متن لباب ہی کی تشریح و تلخیص ہے، اس میں حجۃ وعمرۃ کے لفظ کی ایک دوسری تشریح کرکے باذن آمر اجازت کو صرف قران کے لئے مخصوص فرمایا، اور تمتع کی اجازت کو تسلیم نہیں کیا، ان کی عبارات حسب ذیل ہیں:

"فاذا وقع الاذن بخلافه كما لو امره بالقران جاز لانه قد اتى بما امر به و لا يصير مخالفا باحرامه من مكة للاذن به دلالة و كذا لو امره بالتمتع على القول بجواز النيابة فيه كما سياتي." (ص: ۱۶۹)

اس کے بعد فصل تقدیم میں فتاویٰ خانیہ سے امام ابوبکر بن الفضل کا مذکور الصدر نقل کرکے فرمایا:

"وقوله ان شئت حجة و عمرة بتقديم الحجة كما في النسخ الصحيحة بان يحج عنه اولاً ثم ياتي بعمرة له ايضاً فيكون افراداً بهما، و هكذا في الكبير لكنه قال فيقول حج عني بهذا كيف شئت ان شئت حجة و ان شئت فاقرن والباقي الخ فالتقييد بهما مع ان التمتع اسهل و انسب بالتفويض يدل على ان المتمتع لا يجوز عن الآمر و ان كان بامره، ثم سكوتهم عن دم المتمتع حيث قالوا و دم القران على المامور يؤيد ذالك (الى قوله) ولكن مازاد في اللباب يوافقه ما في البحر و غيره من جواز المتمتع عن الآمر اذا كان بامره كما سياتي عنقريب (و قال لقد ذالك) و دم الرفض على الحاج و

ان كان الحج يقع عن الآمر في القران و اما في التمتع فلو امره بالتمتع فتمتع عنه فالحج يقع عن المامور لا عن الآمر على ما مر من المشائخ فاولى ان يكون الدم عليه " (غنیة ۸۴ تا ۸۵)

خلاصۂ تحقیق

حضرات فقہاء کی مذکورہ بالا بحث وتحقیق میں غور کرنے سے حاصل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آئمہ مذہب کی تصریحات مندرجہ مبسوط وغیرہ سے حج بدل میں قران وتمتع دونوں کے عدم جواز کی علت مخالفت آمر کو قرار دیا ہے، اور در صورت تمتع حج کا آفاق امر کے بجائے مکہ مکرمہ سے ہو جانے کو بھی اسی علت پر مبنی کیا ہے، کہ اس میں آمر کی مخالفت ہے۔

اس کا مفہوم ظاہر یہی نکلتا ہے، کہ جب یہ علت ممانعت یعنی مخالفت آمر نہ رہے، آمر اجازت دے دے، تو قران وتمتع دونوں جائز ہونے چاہئیں۔

اور فی نفسہ نیابت کے معاملہ پر غور کیا جائے، تو مقتضائے اصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصیل یعنی آمر اگر خود اپنا حج ادا کرتا تو اس کو حج کی تینوں قسموں میں جس کو چاہے، اختیار کرنے کا حق تھا کہ افراد کرے یا قران یا تمتع، جب حالت عذر میں شریعت نے اس کو اپنے نائب کے ذریعہ حج فرض ادا کرنے کی اجازت دے دی، تو اس کو یہ حق مل گیا، کہ جن تین قسموں کا اس کو اختیار حاصل تھا، وہ اختیار اپنے نائب کو سپرد کر دے، اور باذن آمر نائب یعنی مامور کے لئے بھی تینوں قسمیں جائز قرار دی جائیں، اجازت آمر سے صرف قران جائز ہو سکے، تمتع جائز نہ ہو اس کی کوئی فقہی وجہ باقی نہیں رہتی، قران وتمتع میں فرق کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی، کہ قران میں حج وعمرہ

دونوں میقات آمر سے ہو رہے ہیں، تمتع میں حج میقات آمر سے نہیں رہتا، مگر اوپر مبسوط کی تصریح سے ثابت ہو چکا ہے، کہ حج کا آفاقی ہونا کوئی اصلی شرط نہیں۔

اس کو شرط اس لئے کہا گیا ہے، کہ عادتاً آمر مامور کو اپنے میقات سے احرام باندھنے کے لئے کہتا ہے، اس کے خلاف کرنے میں آمر کی مخالفت ہوتی ہے، جب یہ مخالفت آمر کی علت رفع ہوگئی، تو تمتع میں حج کے میقاتی نہ ہونے کو علت عدم جواز نہیں کہا جا سکتا۔

خصوصاً جب کہ میقاتی ہونے کی شرط خود اصیل یعنی آمر میں بھی عائد نہیں ہے، وہ اگر کسی ضرورت سے سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچ جائے، اور وہیں سے اپنا حج فرض ادا کرے، تو باتفاق جائز ہے، تو اس کے نائب پر حج کے میقاتی ہونے کی پابندی صرف امر آمر کی اتباع ہی کی بناء پر عائد ہو سکتی ہے، جب وہ خود تمتع کے عمل کرنے کی اجازت دے دے، تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

اشتباہ کی ایک وجہ یہ رہ جاتی ہے کہ فقہاء مذہب نے ایک طرف تو یہ واضح طور پر فرمایا کہ حج بدل میں قران وتمتع کی ممانعت کی وجہ مخالفت آمر ہے، مگر دوسری طرف اس کے مفہوم مخالف کو اولاً تو قصداً اور نصاً ذکر نہیں فرمایا، ضمنی طور پر وجوب دم شکر کے مسئلہ میں فرما دیا کہ جب قران باذن آمر ہو، تو بھی دم بذمہ مامور ہوگا، اس بیان میں صرف قران کا ذکر کیا ہے، تمتع کا ذکر نہیں کیا، اسی عدم ذکر کو صاحب غنیۃ نے اس کا قرینہ قرار دیا ہے کہ تمتع جائز نہیں کیونکہ وہ بھی جائز ہوتا تو قران کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہونا چاہئے تھا، مگر عدم ذکر کو ذکر عدم کا قائم مقام بغیر کسی واضح دلیل کے نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے صاحب بحر نے اس جگہ قران کو بمعنی جمع بین النسکین قرار دے کر تمتع کو بھی اس میں شامل کر دیا، اس توجیہ پر تمتع کا عدم ذکر بھی باقی نہیں رہتا، اور عدم ذکر کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تو بظاہر کوئی دلیل قران وتمتع میں فرق کرنے والی موجود نہیں،

لیکن علماء متاخرین میں حضرت ملا علی قاری اور صاحب غنیۃ اور ہمارے زمانے کے اکابر علماء خصوصاً فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے زبدۃ المناسک میں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں حج بدل میں قران و تمتع کے فرق اور قران کے جواز اور تمتع کے عدم جواز کو اختیار فرمایا ہے، اگرچہ باجازت آمر ہو، اس کے ساتھ ائمہ فقہاء کے کلام میں بھی جواز تمتع باذن الآمر کی تصریح باوجود تلاش کے نہیں ملی، اس لئے مسئلہ پھر محل غور و تامل ہو گیا۔

عبارات فقہاء میں غور کرنے سے قران و تمتع میں ایک وجہ فرق کی کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ فریضۂ حج بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت کا مجموعہ ہے، عذر کی حالت میں اس کی بدنی اور جسمانی حیثیت تو ساقط ہو گئی، اب صرف انفاق مال ہی ادائے فرض کا طریق رہ گیا، اور تمتع کی صورت میں یہ مال حج پر خرچ نہیں ہوا، بلکہ عمرہ پر خرچ ہو گیا، جو فرض نہیں، بخلاف قران کے کہ اس میں مال کا خرچ دونوں پر یکساں ہوا، اس کا تقاضا یہ ہے، کہ آمر کو قران کی اجازت دینے کا تو حق دیا جائے، تمتع کی اجازت دینے کا اس کو بھی حق نہ ہو، کیونکہ ادائے فریضۂ حج کے لئے اس صورت میں نہ اس کا کوئی عمل ہوتا ہے اور نہ حج پر اس کا مال خرچ ہوتا ہے اس لئے تمتع کی صورت میں اس کا حج ادا نہیں ہونا چاہئے۔ ملا علی قاری وغیرہ جن حضرات فقہاء نے باذن آمر بھی تمتع کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، مذکورہ تحریر سے ان کے کلام کی ایک وجہ ظاہر ہو گئی، مگر اس کو بھی کوئی قطعیت حاصل نہیں۔ دوسرے فقہاء صاحب لباب وغیرہ جو جواز تمتع کے قائل ہیں، وہ اس وجہ کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں، کہ یہ بات ناقابل تسلیم نہیں کہ تمتع کی صورت میں انفاق مال حج پر نہیں ہوا کیونکہ اس نے یہ خرچ کسی عمرہ مفردہ پر نہیں کیا، بلکہ حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم پر کیا ہے، جس میں عمرہ مقدم

ہوتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفاق مال صرف عمرو پر ہو گیا، حج انفاق مال سے خالی رہ گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

خلاصہ فتویٰ

اگرچہ من حیث الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہوں، اور فقہاء متاخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ جباب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا گیا ہے، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کا فتویٰ اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو، حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے تمتع نہ کریں، لیکن اس زمانے میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جا سکیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو، اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے، تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حج بدل کے مصارف اور نفقہ

حج بدل کے لئے تمام ضروری مصارف، سفر کی آمد و رفت اور بقدر ضرورت قیام اور ایام حج میں جن چیزوں کی عادتاً ضرورت ہوتی ہے۔ کھانے پینے کی ضروریات، کپڑوں کی دھلائی، رہنے کے لئے مکان یا خیمہ کا کرایہ وغیرہ، وہ سب آمر

یعنی حج بدل کرانے والے کے ذمہ ہیں، فقہاء رحمہم اللہ نے ان تمام ضروری مصارف کی تفصیل لکھی ہے، مگر ہر زمانے کی ضروریات اس کے مناسب ہوتی ہیں، مامور کو چاہئے کہ احتیاط کے ساتھ ان ضروریات کا تعین کرے، اور ان میں خرچ کرنے میں نہ اسراف و فضول خرچی سے کام لے، نہ بہت تنگی سے، بلکہ متوسط انداز سے خرچ کرے۔ (خلاصہ از مناسک ملا علی قاری) اور بعض مصارف ایسے بھی ہیں جن میں آمر کے مال سے خرچ کرنا جائز نہیں، مامور کو خود اپنے مال سے کرنا لازم ہے، مثلاً وضو اور غسل کے پانی کی قیمت، بیمار ہو جائے، تو دوا دارو کا خرچ مامور کو اپنے مال سے کرنا لازم ہے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں کسی دوسرے کی تواضع کرنا، اس کو کھلانا، آمر کے مال سے جائز نہیں، مگر یہ سب اس وقت ہے، جب کہ آمر نے اس کی اجازت اور وسعت نہ دی ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آمر خرچ میں وسعت سے کام لے، مامور کو اجازت دے دے، تا کہ ہر قدم پر اس کو یہ سوچنا نہ پڑے، کہ یہ خرچ آمر کے مال سے کروں، یا اپنے مال سے، کھانے کے وقت کوئی آ جائے، اور اس کو شریک کرنا پڑے، تو اس میں حساب لگانا نہ پڑے، کہ کتنا آمر کے مال پر ڈالے کتنا خود ادا کرے، اس طرح کے معمولی مصارف میں آمر کو چاہئے، کہ مامور کو اجازت عام دے دے، اس صورت میں باتفاق مامور کو ان سب چیزوں میں آمر کا مال خرچ کرنا جائز ہو گا۔ (مناسک ملا علی قاری)

مسئلہ: احرام کے کپڑے اور سفر میں برتنے کی اشیاء آمر کے مال سے خریدنا جائز ہے، مگر حج سے فراغت کے بعد یہ سب سامان اور جو کچھ نقد بچے، وہ سب آمر کو یا اس کے وارثوں کو واپس کرنا لازم ہے، اگر مامور نے یہ شرط کر لی ہو کہ یہ سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ میرا ہے، تو یہ شرط بھی باطل ہے، کیونکہ یہ حج کرنے کا معاوضہ ہو گا، جس کا لینا دینا حرام ہے، یہ چیزیں بہر حال اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: البتہ اگر آمر خود اس کو کہہ دے، کہ یہ سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہے، یا مرنے والا وصیت کر رہا ہے، تو وہ کہہ دے کہ باقی میری طرف سے بطور وصیت مامور کا حق ہے، اس صورت میں مامور پر باقی ماندہ نقد اور اشیاء کا واپس کرنا ضروری نہیں۔ فتاوی قاضی خان میں امام ابوبکر بن الفضل سے نقل کیا ہے کہ آمر کو ایسا کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ۔ حج بدل کرنے والے کو راستہ میں کسی جگہ قیام کرنا پڑے، یا حج سے پہلے اور بعد مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں جہازوں کی روانگی اور ان میں جگہ ملنے کے انتظار میں جتنا قیام کرنا پڑے، اس زمانہ قیام کے نفقات آمر کے مال سے لئے جائیں گے، خواہ یہ قیام پندرہ دن سے کم ہو یا زیادہ، البتہ اگر اپنی ضرورت سے زائد قیام کرے گا، تو اس زائد قیام کے زمانے کا نفقہ خورد ونوش وغیرہ آمر کے مال سے لینا جائز نہیں، اس میں اپنا مال خرچ کرنا لازم ہے۔

(یہ سب مسائل ارشاد الساری شرح مناسک ملا علی قاری سے ماخوذ ہیں)

مسئلہ: اگر آمر نے تیسرے درجے ڈیک میں سفر کرنے کا خرچ دیا، اور مامور اس سے اوپر والے درجے سیکنڈ یا فرسٹ میں سفر کرے، یا ہوائی جہاز سے سفر کیا، تو زائد خرچ مامور کو اپنے مال سے دینا ہوگا۔

❀❀❀

تنبیہ

مگر اس صورت میں اگر مجموعہ خرچ مامور کا آدھے مصارف حج کی برابر یا زیادہ ہو جائے تو قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ آمر کا حج ادا نہ ہو کیونکہ شرائط حج بدل میں اوپر آچکا ہے کہ حج بدل ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اکثر مال آمر کا خرچ ہو، اس صورت میں اکثر مال مامور کا خرچ ہو گیا، لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زیادتی خرچ کے لوازم میں نہیں بلکہ اپنی راحت کے لئے ہے اس لئے اس زیادتی کا اثر ادائیگی حج پر نہیں پڑنا چاہئے مگر فقہاء کے کلام میں یا ہمارے علم میں یہ مسئلہ نہیں ملا اس لئے عمل کرنے والوں کو چاہئے کہ ایسی صورت پیش آنے پر دوسرے علماء سے بھی استصواب کر لیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۹۲ھ

۵۵

عائلی قوانین

پر مختصر تبصرہ

تاریخ تالیف ــــــ ۱۳۸۱ھ (مطابق ۱۹۶۱ء)

مقام تالیف ــــــ کراچی

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دور حکومت میں جب خلاف شریعت عائلی قوانین نافذ کئے جانے والے تھے ۱۹۶۱ء میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ناصحانہ خط صدر پاکستان کو لکھا اور ساتھ ہی ان قوانین پر دلائل شرعیہ کی روشنی میں تبصرہ اور متبادل تجاویز تحریر فرمائیں۔ خط کا جواب آیا مگر تبصرہ وتجاویز پر کوئی عمل نہ ہوا۔

۱۳۸۲ھ میں یہ خط اور تبصرہ وتجاویز بصورت رسالہ ادارۃ المعارف سے شائع کرایا گیا جس کے شروع میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

اس رسالہ کو بھی بہت اہم فقہی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس مجموعہ کا جزو بنایا جا رہا ہے۔

عائلی قوانین کی اہمیت

اور

ہند و پاک میں اس کی مختصر تاریخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد!

کسی لکھے پڑھے انسان پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہر قوم وملت میں جو ازدواجی اور عائلی قانون رائج ہوتے ہیں، ان کو ہر قوم وملت اپنا مذہبی شعار سمجھتی ہے، اس کے خلاف کرنے کو حرام کاری قرار دیتی اور اجتماعی عار سمجھتی ہے۔ جن قوموں میں مذہب کی کوئی صحیح بنیاد بھی موجود نہیں، وہ بھی اپنے آباء اجداد کی رسوم کو یہی حیثیت دیتی ہیں۔ اسلام کا قانون جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے، وہ اس کو کیسے نظر انداز کرسکتا تھا۔ قرآن حکیم نے عموماً اصولی قانون بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، مگر عائلی قانون میں صرف اصول نہیں، بلکہ اکثر جزئیات کو بھی اتنے اہتمام سے بیان کیا ہے، جس کی نظیر

کسی دوسرے شعبے کے قانون میں نہیں ملتی۔ اور یہ بھی مشاہدہ ہے، کہ جس جگہ جب تک اسلامی قانون صحیح طور پر رائج رہا، عورتوں پر شوہروں کے مظالم کا راستہ نہ تھا۔ ہندوستان کے گئے گذرے زمانہ میں بھی جب تک قاضیوں کی عدالتیں قائم تھیں، اس وقت تک بھی عورتوں پر یہ مصیبت نہ تھی، جو خالص انگریزی دور اور انگریزی عدالتوں کے زمانہ میں پیش آئی۔

عائلی مظالم کی روک تھام کے لئے علماء کا اقدام

آج جب موجودہ عائلی قانون کے خلاف شرع اور منافی قرآن وسنت ہونے کی بناء پر علماء کی طرف سے احتجاج ہوتا ہے، تو بہت سی خواتین یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ علماء کو ان کے مصائب کی طرف التفات نہیں، اس لئے اس قانون کی مخالفت کی جا رہی ہے، اور اس کو بنیاد ٹھہرا کر علماء کو مخالفت کا ہدف بنالیا جاتا ہے۔ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط ہے، ان کے مصائب کا اصلی سبب انگریزی دور کا غیر اسلامی قانون اور پھر اس کا طول طویل ضابطہ کارروائی ہے، جس میں کسی مظلوم عورت کو داد رسی تک پہونچنے سے پہلے اتنے مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں کہ وہ شوہر کی پیدا کی ہوئی مصیبت پر صبر کرنے کو ان کے مقابلہ میں آسان سمجھتی ہے۔

مگر علماء ہی کا طبقہ ہے جنہوں نے ہر زمانہ اور حکومت کے ہر دور میں عورتوں سے عائلی مظالم کے انسداد کے لئے مقدور بھر کوشش جاری رکھی ہے، انگریز گورنمنٹ نے جب بھی ہندوستانیوں کو کچھ اصلاحات دینے کی پیش کش کی، اور اس کیلئے کوئی کمیشن یا کمیٹی بنائی، ہر ایک کے سامنے علماء ہی کی طرف سے ان مظالم کے انسداد کی تجویزیں پیش ہوئیں اور ہوتی رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سرکاری حلقوں کی حمایت حاصل نہ ہونے کے سبب وہ ہمیشہ نظر انداز ہوتی رہیں، اور یہ مظلوم صنف نازک اپنی مصائب میں

کراتی رہیں۔

علماء میں خصوصیت کے ساتھ ارباب فتویٰ کے سامنے چونکہ عورتوں کے مظالم اور مصائب بصورت سوالات آتے رہتے تھے، اس لئے وہ سب سے زیادہ متاثر تھے، اور قانونی اختیارات نہ ہونے کے سبب مشکل کا حل ان کے ہاتھ میں نہ تھا، تاہم جس قدر سہولتیں دائرہ شریعت میں رہ کر دی جاسکتی تھیں، وہ فتووں کے ذریعے دیتے رہتے تھے، مگر انسداد مظالم اور حل مشکلات کے لئے کافی نہ تھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی جدوجہد

۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ان مشکلات سے متاثر ہو کر اس پر غور کرنا شروع کیا کہ اگر چہ اس ملک کی اکثریت حنفی اور اہل فتویٰ بھی حنفی ہیں، مگر ضرورت کے مواقع میں شرائط کے موافق دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے، شرعی عدالتیں قائم ہونے کی صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک شرعی پنچائیت بھی عائلی مسائل میں فیصلہ دے سکتی ہے، اور وہ شرعاً نافذ ہوسکتا ہے، اس کے لئے موصوف نے مالکی مذہب کی کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ علماء مالکیہ سے حرمین شریفین میں خط و کتابت کر کے پوری تفصیلات ان مسائل کی معلوم فرمائیں۔ اور پھر مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے احکام و مسائل ترتیب دیئے اور مزید احتیاط کے لئے مشترکہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء کے پاس ملاحظہ اور تصدیق کے لئے بھیجا، جس میں علماء کے باہمی بحث و تمحیص میں کافی عرصہ لگا اور بالآخر تمام علماء ہندوستان کے اتفاق سے ان کو بنام "حیلۂ ناجزہ" شائع کیا۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ نزاعی معاملات کا فیصلہ جب تک حکومت تسلیم نہ کرے، وہ عموماً نزاعی ہی رہتا ہے، پنچائیت کے فیصلے بغیر حکومت کی تسلیم کے اکثر اوقات

نزاع ختم نہیں ہوتا، اس لئے حضرت ممدوح نے ایک دوسری کوشش اس کی شروع کی کہ اسمبلی میں پیش کرانے کے لئے بصورت بل ایک مسودہ تیار کیا، اور جناب کاظمی صاحب ممبر اسمبلی کی طرف سے نوٹس بلوا کر یہ مسودہ اسمبلی میں پیش کرایا، جو بعد میں کاظمی ایکٹ یا ایکٹ انفساخ نکاح کے نام سے ملک میں جاری ہوا اور آج تک جاری ہے۔

لیکن ''قطرہ کے گہر ہونے تک'' کے سارے مراحل طے کرتے کرتے جب یہ بل پاس ہوا تو معلوم ہوا کہ اس میں ہندوؤں کی مخالفت اور علم دین سے ناواقف مسلمانوں کی حمایت سے ایسی تبدیلیاں ہوگئیں، جن کی وجہ سے اس میں بہت سی چیزیں خلاف شرع داخل ہوگئیں، اور ضروری شرعی شرائط چھوٹ گئیں، اس لئے پھر حضرت ممدوح نے احقر راقم الحروف کو ایک ترمیمی مسودہ تیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ کہ ''حیلہ ناجزہ'' کی تصنیف اور مسودہ بل کی ترتیب میں بھی حضرت موصوف نے از راہ کرم احقر کو شریک رکھا تھا، اور اس مسودہ کے ذریعہ ممبران اسمبلی سے بل کی ترمیم کی کوششیں کی گئیں مگر ناکام رہیں، اسی اثناء میں تحریک پاکستان قوت کے ساتھ اٹھی، اور اس نے تمام مشاغل کو موخر کر دیا۔

پاکستان میں عائلی مسائل کی تاریخ

پاکستان بننے کے بعد ہماری حکومت نے جب پہلا ''اے'' کمیشن بنایا، جس کا احقر بھی ممبر رہا ہے۔ تو اس میں بھی جب عائلی مسائل کی نوبت آئی، راقم الحروف نے ایسی تجاویز پیش کیں، جن سے عورتوں کی مشکلات کا صحیح حل اور ظلم سے نجات کی صورتیں قرآن وسنت کے تحت عمل میں آسکیں لیکن مقدرات سے یہ ''اے'' کمیشن بھی اپنا کام نہ کر سکا، اور یہ مسائل اسی طرح رہ گئے۔

اس کے بعد ہماری حکومت نے ان مقاصد کے لئے ایک عائلی کمیشن مرتب کیا،

مگر افسوس کہ اس میں اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ عائلی مسائل کا بیشتر حصہ خالص مذہبی اور شرعی ہے، اس میں ایسے ہی لوگوں کی تجویز عام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے، جن کی علوم دینیہ کی مہارت پر پورے ملک کو اعتماد ہو، اس کمیشن میں صرف ایک عالم مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو لیا گیا، کمیشن نے ایک سوالنامہ پورے ملک میں شائع کرایا۔

سوالنامہ سے کمیشن کے عزائم اور ان کے مضمرات کی غمازی ہوتی تھی، ملک بھر میں علماء کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی طرف سے سوالات کے جوابات میں بھی ان چیزوں پر اقدام کرنے کی شدید مخالفت ظاہر کی گئی، جن میں خلاف شرع قانون سازی کا احتمال پایا گیا، بالآخر کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کر دی، جس میں علماء دین کے جوابات کو یکسر نظر انداز کر کے قرآن و سنت کے بالکل خلاف قوانین کی سفارش کی گئی۔

اس کمیشن میں جو ایک عالم مولانا احتشام الحق صاحب تھے، انہوں نے اس رپورٹ پر اپنا اختلافی نوٹ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا، جو اس رپورٹ کے ساتھ شائع ہوا۔

رپورٹ کے شائع ہونے پر اطراف ملک سے ہر طبقہ کے مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا، اس کے نتیجہ میں حکومت نے اس کو سکوت، التواء میں ڈال دیا۔ معلوم نہیں کن اسباب و دواعی کے ماتحت مارشل لاء حکومت کے دوران میں اس دفن شدہ قانون کو پھر نکالا گیا، اور پچھلی حکومتوں کے بنائے ہوئے تمام سابقہ قوانین اور منصوبوں میں سے صرف اسی کو اس قابل سمجھا گیا کہ تمام مذہب پرست مسلمانوں کے شدید احتجاج کے باوجود اس کو ان پر مسلط کر دیا جائے۔ اس کے لئے اتنا انتظار بھی گوارا نہ کیا گیا، کہ آگے آنے والی اسمبلی اس پر غور کرلے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس کی اصل محرک بعض خواتین ہوئیں، جنہوں نے یہ سمجھ کر اس پر اقدام کیا کہ اس کے ذریعہ

مظلوم عورتوں کی داد رسی اور ان کی مشکلات کا حل نکلے گا، اور جن علماء نے اس قانون کی مخالفت کی، ان کے بارہ میں اس طرح کے کلمات سننے میں آئے کہ یہ لوگ عورتوں پر ہونے والے مظالم سے یا بے خبر ہیں، اور یا جان بوجھ کر ان کو نظر انداز کر رہے ہیں، جس کا بے بنیاد اور غلط ہونا اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

اخبارات میں یہ خبریں گرم ہو گئیں کہ یہ قانون نافذ ہونے والا ہے، اس وقت لاہور میں مختلف مکاتب فکر کے چودہ مشاہیر علماء نے جمع ہو کر اس نافذ ہونے والے قانون پر تنقید کی، اور گورنمنٹ سے احتجاج کیا کہ اس کو نافذ نہ کیا جائے، جس پر کوئی تر لینے کے بجائے اس کو ممنوع الاشاعۃ قرار دے دیا گیا، اسی طرح چالیس سے زائد علماء سرحد کی طرف سے پھر مشرقی پاکستان کے پورے مشاہیر علماء کی طرف سے اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔

مقصد کی اہمیت اور معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر احقر نے یہ صورت اختیار کی کہ مطالبہ و احتجاج کی راہ چھوڑ کر جناب صدر مملکت کی خدمت میں ایک ہمدردانہ مشورہ کی صورت سے ایک معروضہ پیش کیا، جس کے ساتھ اس قانون کے خلاف قرآن وسنت ہونے کو اختصار کے ساتھ ظاہر کر کے عرض کیا کہ یہ بطور نمونہ کے چند دلائل قرآن وسنت کے لکھے گئے ہیں، اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی پیش کی جائے گی، یہ بات بالقصد اس لئے لکھی تھی کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ جب سے اس قانون کے ملک میں نافذ کرنے کی تجویز سامنے رکھی گئی ہے، دو طرح کے لوگوں سے اس کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ایک تو وہ آزاد لوگ جو اپنے معاملات میں قرآن وسنت اور مذہب و شریعت کو کوئی جگہ ہی نہیں دیتے، ان سب سے آزاد ہو کر اپنی پسند پر اپنے قانون کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، انہوں نے اسلامی قانون میں تحریفیں اور تلفیقیں کر کے اس کے قانون میں ان کا اثر اپنے اپنے طرز سے پیش کر کے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں کو

الجھایا ہے، دوسرے کچھ وہ لوگ جو کچھ عربی جاننے کی بناء پر علماء کہلاتے ہیں، اور ان کی کوشش خواہ اپنے ذاتی خیال سے یا کسی طمع اور لالچ سے یہ رہتی ہے کہ اسلام کا ایک ایسا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے، جس سے مغربی تہذیب خفا نہ ہو یا جس سے ان کے افسروں کی خوشنودی حاصل ہو، خواہ اس کے لئے قرآن وسنت کی نصوص میں کتنی ہی کھینچ تان بلکہ چیر پھاڑ کرنا پڑے۔

ان حضرات نے قرآن وسنت اور ان کے متعلقات کے حوالے سے ایسا مواد فراہم کر دیا، جو علم دین سے ناواقف مسلمانوں کے لئے اچھا خاصہ الجھاؤ پیدا کر دے، جس سے کم از کم عوام یہ سمجھ لیں، کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کچھ علماء حمایت کر رہے ہیں، کچھ مخالفت۔ اس بات کے لکھتے وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ اگر اس طرح کے کچھ مغالطے ہمارے ذمہ داروں کے ذہن میں ڈالے گئے، تو تفصیل کے وقت ان کو صاف کر دیا جائے گا۔

مگر ہوا یہ کہ ہماری حکومت نے میرا خط اور صدر محترم کا جواب پریس کو دے کر شائع کرا دیا، اور جو تحریر اس قانون کے خلاف قرآن وسنت ہونے کے متعلق تھی، اس کو شائع کرنے کے بجائے اس پر اکتفا کیا کہ صدر محترم نے میرے جواب میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس کا جواب وزارت متعلقہ دے گی۔......... میرے خط مورخہ یکم اپریل ۱۹۶۱ء کا جواب مجھے ۲ جون ۱۹۶۱ء کو ملا، میں نے کئی مہینے تک وزارت متعلقہ کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد ۳ جولائی ۱۹۶۱ء کو بذریعہ رجسٹری خط یاددہانی کی، تو کوئی جواب نہ ملا، پھر وزیر قانون سے کراچی آنے کے وقت ملاقات کر کے اس کے جواب کے لئے عرض کیا، مگر مجھے پھر بھی اس کا کوئی جواب نہ ملا، اور یہ قانون ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

صدر محترم کے جواب میں بھی کئی باتیں ایسی تھیں جن کے متعلق ان سے دوبارہ کچھ عرض کرنا تھا، لیکن اس مختصر تبصرہ کا متوقع جواب جو وزارت قانون کی طرف سے ملنا

چاہئے تھا، اس کے انتظار میں یہ کام بھی مؤخر ہوتا رہا۔

اسی دوران میں مارشل لاء ختم ہو کر قومی اسمبلی وجود میں آگئی، اور اس میں اس مسئلہ پر بحث ہو کر یہ طے ہوگیا کہ اس کو اسلامی مشاورتی کونسل میں بھیج دیا جائے، جو اسی قسم کے مسائل کے حل کے لئے نامزد کی گئی ہے، تاکہ وہ اپنا فیصلہ اسمبلی میں پیش کرے۔

عائلی قانون پر بطور نمونہ مختصر تبصرہ جو جناب صدر مملکت کی خدمت میں بھیجا گیا تھا، اور مراسلت شائع ہونے کے ساتھ وہ شائع نہ ہوا تھا، اس کی اشاعت کیلئے بہت سے احباب اور عام مسلمانوں کا تقاضا پہلے سے تھا، اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ میں اپنی اس تحریر کو شائع کر کے ممبران اسمبلی کے پاس بھیج دوں تاکہ وہ اس مسئلہ پر غور کرنے کے وقت میری معروضات کو بھی سامنے رکھیں۔

اس ارادہ کے ساتھ یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ پچھلی تحریر میں اختصار کی وجہ سے جن مواقع میں کچھ اجمال رہ گیا تھا اس کی کچھ وضاحت کر دی جاوے، نیز جن قابل اعتراض دفعات کا اس میں ذکر نہیں کیا گیا تھا، اس میں ان کا بھی اضافہ کر دیا جائے، تاکہ نیک نیتی اور انصاف کے ساتھ مسئلہ پر غور کرنے والے حضرات تصویر کے ہر رخ کو پوری طرح دیکھ کر کوئی فیصلہ صادر فرمائیں۔

واللہ الموفق والمعین

❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب بنام عالی جناب صدر مملکت پاکستان

بگرامی خدمت عالی جناب فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان صاحب

صدر مملکت پاکستان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ پاکستان کو ظاہری اور باطنی ترقیات عطاء فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں اور آفتوں سے محفوظ رکھے۔

عالی جناب! میں پاکستان کا ایک شہری اور دین اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں جو پاکستان کو مسلمانوں کی دینی اور دنیوی اہم ضرورت سمجھ کر بناء پاکستان کے وقت مقدور بھر خدمت کرتا رہا اور بننے کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت سمجھتا ہوں اور دنیا میں میری سب سے بڑی خوشی اس مملکت کا استحکام وترقی اور سب سے بڑا رنج اس کا ادنیٰ سا ضعف وانتشار ہے۔

میں نے بغیر کسی سابقہ تعارف اور وسیلے کے آپ تک اپنے کلمات پہونچانے کی جرأت اس لئے کی کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ حق بات کو سننے اور قبول کرنے میں بڑے فراخ حوصلہ ہیں۔

میں نہ سیاست سے کچھ شغف رکھتا ہوں اور نہ امراء وحکام سے مکاتبت ومراسلت یا اُن تک پہونچنے کا عادی ہوں۔ صرف اسلام اور پاکستان کی محبت اور آپ کے متعلق نیک گمان اور اچھی توقعات نے مجھے یہ کلمات لکھنے پر آمادہ کیا۔ خدا کرے کہ خالص ہمدردی اور دلسوزی سے نکلے ہوئے یہ چند کلمات جناب تک پہونچ جائیں اور آپ اطمینان کے ساتھ

ان پر غور فرمائیں۔

جناب والا! مجھے آپ کے متعدد بیانات سے یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ یہ حقیقت اچھی طرح آپ کے پیش نظر ہے کہ اسلام پاکستان کی روح ہے۔ جس کے بغیر اس کا وجود میں آنا ممکن تھا اور نہ اس کا باقی رہنا امکان میں ہے۔

ملک کے دونوں بازوؤں مشرقی اور مغربی کے طویل فاصلے اور زبان اور معاشرت کے اختلافات کے علاوہ ان دونوں علاقوں کے اندر وطنی، خاندانی، زبانوں اور معاشرتوں کا ایسا اختلاف ہے کہ اس ملک کے باشندے اگر عام دنیا کی طرح وطنی، لسانی، اور لونی وحدتوں کی بنیاد پر پورے پاکستان میں کوئی وحدت پیدا کرنا چاہیں تو اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ یہاں انگلینڈ، امریکہ، روس اور جرمنی کے سیاسی تصورات سے کوئی وحدت قائم نہیں کی جا سکتی۔

بس اسلام ہی وہ واحد نقطہ وحدت ہے جس کے درمیان کوئی پہاڑ اور دریا حائل نہیں ہو سکتے نسلی اور وطنی قومیتیں تو کیا حائل ہوتیں۔ بنائے پاکستان کے وقت اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ پنجابی، بنگالی، پٹھان، بلوچی، سندھی وغیرہ وغیرہ سب اپنے اپنے نسلی اور زبانی امتیازات کو یکسر چھوڑ کر صرف اسلام کے نام پر ایک متحد ہو گئے اور نتیجہ ان کو فتح ملی اس لئے پاکستان کے پورے نظم و نسق میں ہمیں کسی وقت یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہمارا کوئی قدم ہر اسلامی شعائر اور مذہبی اقدار مجروح نہ ہوں بلکہ جتنا ہم ان کو سربلند کریں گے اتنا ہی پاکستان مضبوط اور سربلند ہوگا۔

اس وقت سوء اتفاق سے متعدد ایسے امور پیدا ہو رہے ہیں جن کے باعث عامۃ المسلمین میں شدید ہیجان و اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ اور یہ احساس کیا جا رہا ہے کہ اسلامی شعائر و اقدار مجروح کئے جا رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ عائلی قوانین کا آرڈیننس ہے۔ سر دست دیگر مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کے متعلق یہ بتانے خلوص و دلسوزی

چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا نہ میں کوئی سیاسی آدمی ہوں اور نہ ان شعبوں سے کوئی خاص شغف رکھتا ہوں ساری زندگی درس و تدریس علوم شرعیہ اور فتوے کے کاموں میں گزری۔ قیام پاکستان کی تحریک کے سلسلہ میں بھی کسی سیاسی جماعت میں باقاعدہ شرکت کے بغیر دینی نقطہ نگاہ سے پوری سرگرمی کے ساتھ حمایت کی اور اسی بنا پر دارالعلوم دیوبند سے جہاں ستائیس سال معلم اور مفتی کی حیثیت سے کام کیا تھا کنارہ کشی اختیار کی، پاکستان میں بھی کچھ زمانہ تو دستور ساز اسمبلی کے مقرر کردہ بورڈ تعلیمات اسلامی کے رکن کی حیثیت سے دستوری مسائل کی دینی تحقیق میں یا حکومت کے مقرر کردہ ''لاء کمیشن'' کے رکن کی حیثیت سے اسلامی نقطہ نظر سے موجودہ قوانین کی اصلاح کی تجاویز میں صرف ہوا۔ ورنہ یہاں بھی میری ساری سرگرمیوں کا مرکز اصلی یا ایک دینی مدرسہ ہے یا فتویٰ کا کام۔

خصوصاً مؤخر الذکر کام میں اس نوعیت کا ہے کہ اب جبکہ تقریباً تیس سال کی مدت فتووں کی خدمت انجام دیتے ہوئے ہو چکی ہندو پاکستان ہی نہیں بیرونی ممالک سے بھی مذہبی مسائل سے متعلق بکثرت سوالات آتے رہتے ہیں اور میں اپنے علم و بصیرت کی حد تک اللہ و رسول کا حکم بتا دیتا ہوں۔ رویت ہلال اور عائلی قوانین کے آرڈیننس سے متعلق بھی سوالات کی بھرمار ہو رہی ہے۔ ایسے عمومی سوالات کا جواب انفرادی طور پر دینے کی بجائے یہ زیادہ سہل اور موزوں ہوتا ہے کہ بغرض افادۂ عام اخبار یا رسالے کے ذریعہ مسئلے کی وضاحت کر دی جائے مگر بعض اوقات اس سے ملک میں بے چینی اور اضطراب بڑھنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے جسے حتی الوسع روکنا ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ ایسی ہی صورت حال اس وقت بھی درپیش ہے مختلف گوشوں سے سوالات چلے آرہے ہیں۔ مکمل سکوت اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اخبارات کے ذریعہ مسئلے کی وضاحت خلفشار کا موجب ہو سکتی ہے جو کسی طرح پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت جو سب سے زیادہ اہم قضیہ سامنے ہے یعنی عائلی قوانین کا مسئلہ۔ اس کے متعلق سب سے پہلے کچھ ضروری

معلومات اور دینی نقطۂ نظر آپ کے سامنے اس توقع اور تمنا کے ساتھ پیش کردوں کہ آپ حق پسندی سے کام لیکر اس کا ایسا حل نکال لیں گے جو مسلمانوں کے اس اضطراب و خلفشار اور احساس مظلومیت کو دور کردے کہ ان کے قوانین کا جو حصہ کفار کے تسلط کے دوران میں محفوظ رہ گیا تھا آج وہ بھی مسخ و مجروح کیا جا رہا ہے۔

سردست صرف نمونے کے طور پر اسی ایک مسئلہ کے چند پہلوؤں کے متعلق اجمالاً اظہار خیال کرتا ہوں۔ اس کے متعلق یا دوسرے مسئلہ (رویت ہلال) کے متعلق اگر آپ تفصیلی معلومات کی ضرورت محسوس فرمائیں تو انہیں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ آپ مسئلہ کے تمام گوشوں پر نظر ڈال لیں اور غور فرمائیں اور ایسی راہ اختیار کریں جو شریعت اسلامی کے تحفظ کی ضامن ہو اور عامۃ المسلمین کے قلوب کے لئے باعث اطمینان ہو۔

مجھے معلوم نہیں کہ بیرون پاکستان بھی مسلمان عوام اور اہل علم اسے جس نظر سے دیکھتے ہیں وہ آپ کے علم میں ہے یا نہیں، بہرحال اس کا تھوڑا سا اندازہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے (جن سے غالباً آپ علی گڑھ کے زمانہ سے واقف ہوں گے اور جن کا انگریزی یا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن بھی شاید آپ کے مطالعہ میں آیا ہو) ان کے تبصرہ سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنے قدیم و مشہور اخبار صدق لکھنؤ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۶۱ء میں کیا ہے۔ آپ کی سہولت کے لئے اس کے چند جملے نقل کرتا ہوں جو اس عائلی قانون کے دفعات پر دینی حیثیت سے نکتہ چینی کے بعد لکھے ہیں۔

> "کہنا چاہئے کہ اس فرمان سے حکومت سے تجدد کی پہلی قسط اپنے ملک پر نازل کردی اور شریعت میں وہ مداخلت وہ ترمیم یہ مسلم حکومت کر گزری جس کی ہمت نہ کبھی انگریزی حکومت نے کی تھی اور نہ وہاں تک ہندوستان کی سیکولر حکومت کے قدم ابھی تک پہنچے ہیں۔"

پاکستان میں سیاسی پارٹیوں کے دس سالہ دور حکومت کا نصف آخر غالباً زیادہ خلفشار اور بہت سے تخریب کاریوں کا دور رہا ہے۔ آپ نے برسر اقتدار آنے کے بعد بہت سی

غلط کاریوں کے ازالہ اور مختلف شعبوں کا ازسرِ نو جائزہ لینے اور ان کی اصلاح کا اعلان کیا۔ چنانچہ زرعی، تعلیمی اور دیگر متعدد شعبوں کی اصلاحات کے لئے نئے کمیشن مقرر ہوئے۔ اسی دور کی ایک یادگار ازدواجی کمیشن کی سفارشات بھی ہیں جنہیں عوام کی شدید ناپسندیدگی کے پیشِ نظر ان حکومتوں نے نافذ کرنے سے احتراز کیا۔ کاش آپ اس دور کے بدترین ترکے کو اپنانے کے بجائے اس شعبے میں بھی کوئی نیا کمیشن مقرر کر دیتے تو بہت بہتر ہوتا۔

بہر حال اب بھی اگر آپ اطمینان کے ساتھ غور فرمائیں جس کی مجھے قوی امید ہے تو آپ سے مخفی نہ رہے گا کہ ان سفارشات کا بیشتر حصہ روحِ اسلامی اور احکامِ اسلام دونوں کے منافی ہے اور ان کے نفاذ کی کوشش خواہ وہ کتنے ہی مخلصانہ عزائم کے ساتھ ہو، عامۃ المسلمین کے لئے شدید خلفشار، بددلی، بے چینی کا موجب ہوگی جو ظاہر ہے کہ کسی طرح ملک وملت کے لئے کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے۔

اگر بہ جبر اس کے نفاذ میں کامیابی بھی ہوگئی تو یہ خوش آئند صورت نہ ہوگی کہ عوام کے دلوں میں اس قسم کی بے اطمینانی کی آگ اندر اندر سلگتی رہے اور وہ بے چین رہیں۔

میں اس مکتوب کے ساتھ آرڈیننس سے متعلق چند اجمالی معروضات منسلک کر رہا ہوں اور اس دعاء پر اسے ختم کر رہا ہوں کہ:

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ. اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

(ترجمہ) یا اللہ ہمیں حق کو حق دکھلا اور اس کا اتباع نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھلا اور اس سے پرہیز کی توفیق دے۔ والسلام۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(صدر مجلس منتظمہ دار العلوم کراچی پاکستان)

۱۵ شوال ۱۳۸۰ھ ۔ یکم اپریل ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازدواجی وعائلی قوانین

آرڈیننس نمبر ۸ ۱۹۶۱ء

پر مختصر تبصرہ

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اس قانون کا حقیقی منشاء مسلم خاندانوں کے اندر پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرنا ہے، جہاں تک اس مقصد کا تعلق ہے یہ بہت مبارک مقصد ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں دین اسلام کا ہر خادم بدل وجان آپ کی تائید کرے گا، لیکن جن حضرات نے علوم دینیہ کو صحیح اصول کے ساتھ پڑھا اور سمجھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ازدواجی زندگی اور تقسیم وراثت میں جس طرح کی خرابیاں پیدا ہوا کرتی ہیں یا ہو سکتی ہیں، قرآن وسنت نے ان کی اصلاح کا بہترین نظام بنایا ہے، جس کا مختصر خاکہ اس تحریر کے آخر میں دیا گیا ہے، اس لئے جو حضرات اس مبارک مقصد کے لئے کوئی اقدام کرنا چاہیں، ان کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا از بس ضروری ہے۔

۱۔ ازدواجی وعائلی قوانین ہر قوم وملت کے خالص مذہبی قوانین ہوتے ہیں، جن کی تقدیس کو وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں، اسی لئے جو حکومتیں کسی قوم کے مذہب میں مداخلت کو پسند نہیں کرتیں، وہ ہر جگہ ہر قوم کے پرسنل لاء کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہیں، انگریزوں کے پورے دور حکومت میں مسلمانوں، ہندوؤں اور

دوسری قوموں کے ازدواجی و عائلی مسائل کو ہمیشہ محفوظ اور آزاد رکھا گیا، اور آج بھی ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ نے مسلمانوں کے یہ قوانین خالص ان کے مذہبی اصول کے تابع محفوظ رکھے ہیں، خصوصاً شریعت نے تو اول دن سے اس معاملہ میں ہر قوم و ملت کو پوری آزادی دی ہے کہ ازدواجی اور عائلی مسائل میں اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں، اور ان کے اس عمل کا یہاں تک تحفظ کیا ہے کہ اگر نکاح کے بعد زوجین مسلمان ہو جائیں، تو ان کا بحالت کفر کیا ہوا نکاح برقرار اور اسلام میں بھی جائز سمجھا جائے گا۔

ان حالات میں اگر مسلمانوں کے ازدواجی مسائل میں قرآن و سنت اور فقہاء امت کے طے کردہ قوانین سے مختلف کوئی بھی قانون نافذ کیا گیا خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاحی جذبہ سے کیا گیا ہو، پوری مسلمان قوم بدیہی طور پر اس کا یہ اثر لے گی کہ اپنے اسلامی ملک میں ہمارا شخصی قانون بھی محفوظ نہ رہا جو انگریز اور ہندو کے ہر دور میں محفوظ چلا آتا رہا تھا، اور خود پاکستان میں دوسری قوموں کے لئے آج بھی محفوظ ہے، مسلمان اس صورت میں اپنے آپ کو سخت مظلوم پائیں گے، ان حالات میں اگر کسی قانونی دباؤ سے بالفعل ان کو خاموش بھی کر دیا گیا تو ان کے دینی جذبات بری طرح مجروح ہوں گے، اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بجا طور پر مظلوم سمجھتے ہوئے اضطراب و بے چینی کی زندگی گذاریں گے، جو کسی وقت بھی ملک کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔

۲:..... جناب پر یہ بات مخفی نہیں کہ بحمد اللہ پاکستان کے عوام کا مزاج خالص مذہبی ہے، اور وہ اپنے مذہبی مسائل میں بجا طور پر صرف انہیں حضرات کے فیصلوں کو معتبر اور قابل اتباع سمجھتے ہیں، جنہوں نے قرآن و سنت اور اصول دین کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے میں اپنی عمریں وقف کی ہیں، اور اسی خدمت میں مشغول ہیں۔ عامۃ المسلمین اپنے عمل میں کتنی ہی غفلت اور کوتاہی کے شکار ہو جائیں، مگر مذہبی شعار اور مسائل میں حق اسی کو مانتے ہیں جو علماء دین کے فتووں اور فیصلوں سے معلوم ہو۔

موجودہ رگی قوانین کے جاننے والے اگر پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی ان مسائل میں کوئی قانونی تبدیلی کرنا چاہیں، تو وہ کسی طرح عامۃ المسلمین کے لئے قابل قبول نہیں ہوگی، جب تک مذہبی اعتبار سے اس پر اعتماد نہ ہو۔

۳:...... یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ مذہبی مسائل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کا تعلق عرف اور رسم ورواج یا شخصی اور مقامی حالات سے ہوتا ہے، وہ عرف اور حالات کے بدلنے سے متاثر ہو سکتے ہیں، حالات و مقامات کے تابع ضروری حد تک ان میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے، اور ہر زمانہ کے علماء ایسے مسائل میں اپنے اپنے ماحول کے اعتبار سے اسلامی قانون کے مزاج اور اس کی بنیادی ساخت کو محفوظ رکھتے ہوئے ان میں مناسب حال احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔

دوسرے وہ مسائل ہیں جو زمان و مکان اور اقوام و اشخاص کے بدلنے سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے، یہ اسلام کے غیر متبدل قوانین ہیں، ان میں کوئی تغیر تبدل خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاح کے پیش نظر کیا جائے، وہ دین کی تحریف اور الحاد کہلاتا ہے، اور اسلامی حیثیت سے بالکل ناقابل قبول ہے، تمام عبادات اور ازدواجی و عائلی مسائل اسی قسم دوم میں داخل ہیں، نکاح و طلاق کے ذریعہ جو چیزیں حلال یا حرام ہوتی ہیں، اور جن قیود و شرائط کے ساتھ ہوتی ہیں، ان میں قطعاً کسی زمانی یا مکانی اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور وہ نزول قرآن کے زمانہ سے قیامت تک کے لئے ایک ہی ہیں، قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے عوام پر بھی یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن نے جس تفصیل کے ساتھ ازدواجی قانون کی جزئیات تک بیان فرمائی ہیں، اور کسی قانون کی اتنی تفصیل نہیں دی، جس میں راز بھی یہ ہے کہ غیر متبدل قانون کو علماء فقہاء کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا۔

۴:...... ان حالات میں ازدواجی اور عائلی مسائل کے متعلق جو قوانین بنائے گئے، اول تو یہ ضروری تھا کہ علوم اسلامیہ کے ماہرین کی تحقیق و رائے کو ان میں خاص

وزن دیا جاتا، اور جن ائمہ امت کے علم و فضل و تقویٰ و تدین پر امت مسلمہ کو پورا اعتماد ہے، ان کے بیان کردہ اصول و فروع کے دائرہ سے ایک سر مو انحراف کئے بغیر مسائل کا حل تلاش کیا جاتا، مگر سوئے اتفاق سے ایسا نہ ہوا۔ عائلی کمیشن میں صرف ایک عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی کو لیا گیا تھا، انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق عائلی کمیشن کی رپورٹ پر مبسوط اختلافی نوٹ لکھا، اور جب یہ قوانین عام مسلمانوں کے سامنے آئے، تو بلا استثناء ملک کے ہر مکتب خیال کے علماء اور عوام نے ہر طرف سے اس بناء پر اس کی مخالفت کی کہ اس میں بہت سی چیزیں خلاف شریعت اور صریح احکام قرآن وسنت سے متصادم ہیں، اور بہت سے حضرات نے تفصیلی طور پر اس کی نشاندہی بھی کی، اسی لئے پچھلے سیاست دانوں کے دور میں اس کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔

لیکن معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئے کہ اس وقت جب کہ ہمارے ملک کے لئے بہت سے ایسے اصلاحی معاملات سامنے ہیں، جن میں پورے ملک کے کسی فرد یا جماعت کو اختلاف نہیں، اور ان کے نہ ہونے سے پورا ملک تباہی کی طرف جا رہا ہے، اس لئے ان کی اصلاح ہر حال میں سب کاموں سے مقدم اور ان کے اثرات پورے ملک کی صلاح و فلاح کے ضامن ہیں۔ مثلاً رشوت ستانی، دفتری نظام کی ابتری، ملک میں بڑھتی ہوئی جرائم کی رفتار، قتل و غارت گری، شراب نوشی، عریانی بے حیائی کا طوفان وغیرہ ان سب کو پیچھے ڈال کر سب سے پہلے اسی عائلی قانون کو نافذ کرنے کی تیاری کی گئی، جو پچھلی حکومت کے بدترین دور کا بدترین ترکہ ہے۔

میں خالص ہمدردی اور دلسوزی سے جناب کی توجہ اس طرف منعطف کرتا ہوں کہ حالات مذکورہ میں ان قوانین کے نافذ کرنے کا مشورہ کوئی ایسا شخص نہیں دے سکتا، جو ملک کا اور آپ کا خیر خواہ ہو۔

اس قانون کی شرعی اور عملی خامیوں کی تفصیلی نشاندہی میں تو طول ہوگا، (اور عند الضرورة وہ تفصیل بھی پیش کی جاسکتی ہے) اس وقت مختصر بطور نمونہ چند چیزیں آپ کی

نظر سے گذارنا چاہتا ہوں۔

آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۴

اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت واقع ہو جائے تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کو (اگر کوئی ہوں) بحصہ رسدی وہی حصہ ملے گا، جو ایسے لڑکے یا لڑکی کو (جیسی صورت ہو) زندہ ہونے کی صورت میں ملتا۔

فیصلہ قرآن وسنت

اس میں بیٹوں کے موجود ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو دادا کا حصہ دلایا گیا ہے، جو اسلامی قانون وراثت اور اصول وراثت کے قطعی خلاف اور ایک جذباتی فیصلہ ہے کہ یتیم پوتا زیادہ قابل رحم ہے، اور اگر یتیم پوتا قابل رحم ہے تو یتیم پوتے کی ماں یعنی متوفی بیٹے کی بیوہ کیوں قابل رحم نہیں، جس کو اس موجودہ قانون میں بھی کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں بلکہ کسی مذہب وملت میں تقسیم وراثت حاجت مندی کے معیار پر نہیں ہوتی، بلکہ مرنے والے سے قرابت داری کے معیار پر ہے۔ اگر فقر وافلاس اور حاجت مندی کے معیار پر وراثت تقسیم ہوا کرتی تو بہت سے لوگوں کی اولاد، بیوی، ماں باپ اور بہن بھائی بوجہ حاجت مند نہ ہونے کے محروم ہو جاتے، اور شہر و محلہ کے غریب فقیر اور حاجت مند لوگ سب میراث لے جاتے۔ ہم اپنے خاندانوں ہی میں یہ دیکھا جاتا کہ کس عزیز کا کیا حال ہے، اور پھر جتنی حاجت مندی اسی اعتبار سے ترکہ تقسیم ہوا کرتا، کبھی بیٹا بھی حاجت مند نہ ہونے کی بنا پر محروم اور کبھی حاجت مندی کی بنا پر وارث ٹھہرتا، اور کبھی ماں باپ بھی غیر حاجت مند ہونے کے سبب محروم ہو جاتے اور دور کے رشتہ دار حاجت مندی کے سبب حصہ دار قرار پاتے، غرض کوئی متعین اصول باقی نہیں رہتا۔

اب اگر شفیق و مہربان نانا دادا نے بھی اپنے پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں پر رحم نہ کھایا، اور چچا تایا اور ماموؤں کو بھی ان پر کوئی ترس نہ آیا تو اس کو ایک آسمانی آفت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان غریبوں کا وہی درجہ ہوگا، جن کے باپ دادا نے کچھ چھوڑا ہی نہیں، جس کا علاج یہ نہیں کہ حقداروں کے حق میں سے زبردستی چھین کر ان کی حاجت پوری کی جائے، بلکہ اس کا نہایت معقول اور صحیح انتظام وہ ہے، جو قرآن کریم نے مقرر کیا ہے، اس کو قانون بنا کر نافذ کر دینے سے صحیح طور پر ان کی مشکلات کا حل ہو سکتا ہے۔

قرآن کا وہ قانون یہ ہے کہ یتیم پوتا اگر محتاج ہے تو دادا کی زندگی میں اس کی تمام ضروریات نفقہ دادا کے ذمہ ہیں، اور اس کے انتقال کے بعد اس کی تمام ضروریات نفقہ کی ذمہ داری انہی چچا تایوں پر ڈال دی ہے، جو اس وقت دادا کی میراث لے رہے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد اس بارہ میں یہ ہے۔ وعلی الوارث مثل ذالک۔ جمہور ائمہ فقہاء نے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ بچے کے نان نفقہ کی ذمہ داری جو باپ کے ذمہ تھی، باپ کے مرنے کے بعد بچے کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جن میں بچے کے چچا تایا بھی داخل ہیں، اور ماموں بھی۔

اس قرآنی قانون نے یتیم بچوں کی حاجت روائی اور ضروریات کا انتظام کسی موہوم چیز کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ اس کے لئے ایک یقینی صورت پیدا کر دی، اور وہ اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک بچہ بالغ اور کمانے کے قابل نہ ہو جائے، اس کے خلاف دادا نانا کی وراثت میں ان کو حصہ دار بنانا کسی طرح بھی ان کی ضروریات کا کوئی یقینی انتظام نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں یہی معلوم نہیں کہ دادا نانا کچھ وراثت بھی چھوڑیں گے یا نہیں، اور چھوڑیں گے تو کتنی اور اس میں ان کا حصہ کتنا ہوگا۔ پھر یہ حصہ وراثت کتنے دن تک ان کا ساتھ دے سکے گا، ان کو تو ضرورت اس کی ہے کہ بالغ ہونے تک ان کی ضروریات کا کوئی تکفل کرے، وہ صرف قرآن کے بتائے ہوئے

قانون میں ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے واضعان قانون سب کچھ دیکھتے اور غور کرتے ہیں، مگر قرآن وسنت کے بتائے بہترین اصول وفروع کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

عائلی قانون دفعہ نمبر ۶ تعدد ازدواج

۱:...کوئی شادی شدہ شخص اس آرڈی ننس کے تحت ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لئے بغیر دوسری شادی نہیں کرے گا، اور نہ ہی مذکورہ منظوری حاصل کئے بغیر کی ہوئی کسی شادی کو اس آرڈی ننس کے تحت درج رجسٹر کیا جائے گا۔

۲:...ذیلی دفعہ (۱) کے تحت اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست مجوزہ طریق کار کے مطابق اور فیس مقررہ کے ہمراہ چیئرمین کو دی جائے گی، اور اس میں مجوزہ شادی کی وجوہات بیان ہوں گی، اور یہ کہ آیا اس کے لئے موجودہ بیوی یا بیویوں سے رضامندی حاصل کرلی گئی ہے۔

۳:...ذیلی دفعہ (۲) کے تحت درخواست موصول ہونے پر چیئرمین درخواست دہندہ اور اس کی بیوی یا بیویوں سے کہے گا کہ ہر ایک اپنا نمائندہ نامزد کرے، اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل اگر مطمئن ہو کہ مجوزہ شادی ضروری اور منصفانہ ہے، تو وہ ایسی شرائط کے تحت جنہیں وہ مناسب خیال کرے مطلوبہ منظوری دے سکتی ہے۔

۴:...درخواست کے فیصلے میں ثالثی کونسل اپنے فیصلے کی وجوہات قلمبند کرے گی، اور کوئی بھی فریق مجوزہ طریق کار کے مطابق اور مقررہ مدت کے اندر مقررہ فیس کی ادائیگی پر نگرانی کی درخواست پیش کرسکتا ہے، جو مغربی پاکستان میں کلکٹر اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفیسر متعلقہ کو پیش کی جائے گی اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اور اس کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکے گی۔

۵:- جو شخص ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرے گا وہ

الف: مہر کی تمام واجب الادا رقم موجودہ بیوی یا بیویوں کو ادا کرے گا، خواہ وہ معجل ہو یا مؤجل، جو عدم ادائیگی کی صورت میں بطور بقایا جات مالیہ وصول کی جا سکے گی۔ اور

ب: شکایت اثبات جرم کی صورت میں قید محض جس کی میعاد ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے، یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

فیصلہ قرآن و حدیث

اس دفعہ کا منشاء بظاہر ان مظالم کو دور کرنا ہے، جو ایک سے زائد نکاح کرنے والوں کی طرف سے ان کی بیویوں پر ظہور میں آسکتے ہیں، اس لئے اس دفعہ کی رو سے دوسرا نکاح کرنے پر کڑی پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال بدیہی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ صرف ایک بیوی رکھنے والے کیا اس ظلم و جور کے مرتکب نہیں ہوتے، یا ان کی مظلوم بیوی کو ظلم سے نجات دلانا ضروری نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر جو اصول اس دفعہ میں اختیار کیا گیا ہے کیا اس کا مقتضیٰ یہ نہیں ہوگا کہ پہلا نکاح کرنے والے ہر شخص پر بھی یہی پابندی لگائی جائے کہ یونین کے چیئرمین کے سامنے اپنے نکاح کی ضرورت اور بیوی کی ذمہ داریوں کو انصاف کے ساتھ پورا کرنے کی ضمانت پیش کر کے اجازت حاصل کئے بغیر کوئی اقدام نکاح کا نہ کرے اور پورے ملک میں کوئی شادی تمام دفتری مراحل کو طے کئے بغیر عمل میں نہ آئے تو وہ قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔

مگر ظاہر ہے کہ نہ اصول مذہب و معاشرت اس کے متحمل ہیں، نہ کوئی سمجھدار انسان معقولیت کے ساتھ شادی پر ایسی پابندیاں عائد کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے، اور نہ خود عائلی

کمیشن ہی نے اس کو صحیح سمجھا ہے، وجہ یہ ہے کہ اصل شادی کرنا تو کوئی جرم نہیں، جرم وہ غلط کاریاں ہیں جو بعد میں ادائے حقوق کے بارے میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور جس طرح پہلی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی پر عدالت میں چارہ جوئی کی جا سکتی ہے، اسی طرح متعدد بیویوں میں عدم عدل کی چارہ جوئی بھی کی جا سکتی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں قانون اور حکومت کی مداخلت کا وہ وقت ہوتا ہے، جب کوئی فرد عدم عمل یا عدم ادائیگی حقوق کا ارتکاب کرے، پیشگی خوف یا بے اعتمادی کی بناء پر یہ مداخلت صحیح نہیں، اور اگر پیشگی خوف کی بناء پر کوئی قانونی پابندی عائد کرنا ضروری ہی سمجھا جائے تو ازدواج مکرر سے زائد اس کی ضرورت پہلے نکاح میں ہے، کیونکہ ازدواج مکرر تو ہزاروں میں ایک کی نسبت رکھتا ہے، اور پہلا نکاح تقریباً سو فیصدی ہے، اسی تناسب سے اس میں عورتوں کی مظلومیت زیادہ ہے۔

لیکن بیاہ شادی پر ایسی پابندیاں لگانے کا تصور بھی کسی کو نہیں آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ کا اصل منشاء کسی ظلم کا انسداد نہیں بلکہ غیر مسلم اغیار کے نظریات سے متاثر ہو کر خود تعدد ازدواج کو ایک مکروہ شے اور جرم قرار دینا ہے، جس کو خاص طور پر ممنوع کرنے کی بجائے ایسی پابندیاں عائد کر دی گئیں جو عملی طور پر ممنوع کر دینے کے مترادف ہوں۔

جو شخص اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو، وہ اس اقدام کو کھلے طور پر اسلام پر گستاخانہ حملہ کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ بات بھی کسی باخبر آدمی سے مخفی نہیں کہ جو لوگ تعدد ازدواج کو جرم سمجھتے ہیں، ان کے یہاں زنا جرم نہیں۔ غیر محدود عورتوں کو "داشتہ" کے طور پر رکھنا جرم نہیں، اسلئے تعدد ازدواج کو ترک کر دینا، ان کی کسی ضرورت میں حائل نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک کے سوا پوری دنیا میں "ناجائز بچوں" کی تعداد روز بروز طوفانی رفتار سے بڑھتی جا رہی ہے۔

اقوام متحدہ کی جانب سے ڈیموگرافک سالنامہ بابت ۱۹۵۹ء حال ہی میں شائع ہوا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ: "سلواڈور، ڈومینکن ری پبلک، ہنڈوراس، گوئٹے مالا اور پناما میں حرامی بچوں کی تعداد کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے، پناما میں تو "ہر چار میں تین بچے" پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں، یعنی پچھتر فیصدی حرامی بچے ہیں۔ لاطینی امریکہ میں حرامی بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، یہی حال ویسٹ انڈیز کا ہے، مسلم ممالک کا ذکر کرتے ہوئے متحدہ عرب جمہوریہ کے اعداد بتلائے ہیں جو کہ پورے اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ تجدد پسند ہے، اور کہا ہے وہاں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب ایک فیصدی سے کم ہے۔

آخر میں اس سالنامہ میں اس کا سبب بھی یہ بتلایا ہے کہ:

"چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (تعدد ازدواج) کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔"

افسوس ہے کہ ہمارے قانون ساز حضرات جن اغیار کے افکار سے متاثر ہو کر اس طرح کے قوانین وضع کرتے ہیں خود ان کے تجربات کو بھی سامنے نہیں رکھتے، اور ان نتائج بد سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اور جن حضرات کے ذہن اغیار کے طرز فکر سے اتنے مرعوب بلکہ مسموم ہو چکے ہوں ان سے موجودہ قوانین کی قرآن کے مطابق اصلاح کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

قرآن کا کھلا ہوا فیصلہ اس معاملے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ آیت "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و رباع" نے مسلمان کے لئے چار عورتوں تک بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی اجازت دی ہے، رہا ان کا یہ کہنا کہ قرآن نے خود واضح کر دیا ہے کہ یہ اجازت ان لوگوں کے لئے ہے، جو ایک سے زائد بیویوں کے حقوق عدل و انصاف کے ساتھ پورے کر سکیں، اور جو اس پر قادر نہیں اس کے لئے قرآن کا فیصلہ

یہ ہے "فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة" یعنی اگر تم چند بیویوں میں برابری نہ کر سکو تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفا کرنا چاہئے۔

سو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے قرآن کریم نے پہلے نکاح کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے: "ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیهم اللّٰہ من فضله" (سورہ نور ۳۳) جو شخص ایک بیوی کے نان نفقہ کی بھی قدرت نہیں رکھتا اس کو چاہئے کہ اس وقت تک نکاح نہ کرے، جب تک اس کو اللہ تعالیٰ اتنی وسعت نہ عطا فرمادیں جس سے بیوی کا نفقہ ادا ہو سکے، اس لئے بالفعل اس کو صبر و عفت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے۔ جن حضرات کو حق تعالیٰ نے فہم قرآن کی توفیق بخشی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں حکم ایک اخلاقی ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے پر انسان گناہگار اور محشر میں جوابدہ ہوگا، ان دونوں آیتوں میں نکاح پر کوئی قانونی پابندی نہیں کہ نکاح کو قابل سزا جرم قرار دے دیا جائے، اور یہ اخلاقی ہدایت جیسے ازدواج ثانی پر ہے اسی طرح پہلے نکاح پر بھی ہے۔

دفعہ نمبر ۷۔ طلاق ضمن ۳ و ۴

۳: ...سوائے اس صورت کے جس کا حکم ذیلی دفعہ (۵) میں ہے کوئی طلاق تاوقتیکہ قبل ازیں واضح طور پر یا کسی اور طریقہ سے منسوخ نہ کی گئی ہو، اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی، جب تک ذیلی دفعہ (۱) کے تحت چیئرمین کو دیئے ہوئے نوٹس کی تاریخ سے نوے دن نہ گزر گئے ہوں۔

۴ ... ذیلی دفعہ (۱) کے تحت نوٹس وصول ہونے کی تاریخ سے تیس دن کے اندر چیئرمین فریقین میں صلح صفائی کی غرض سے ایک ثالثی کونسل کی تشکیل کرے گا، اور ثالثی کونسل تمام ایسے اقدامات کرے گی، جو ایسی صلح صفائی کرانے کے لئے ضروری ہوں۔

فیصلہ قرآن وحدیث

اس قانون کی رو سے بغیر مجوزہ قانونی صورت کے شوہر کی کوئی طلاق مؤثر نہ ہوگی، خواہ وہ ایک طلاق ہو یا دو، تین، اور خواہ صریح الفاظ سے ہو یا کنایہ، اور خواہ رخصتی سے پہلے ہو یا بعد میں۔ یہاں دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے معنی کیا ہیں، دوسرے یہ کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے متعلق قرآن وسنت کے احکام کیا ہیں۔ اسی سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ یہ قانون قرآن وسنت سے کس حد تک ہم آہنگ ہے۔

شرعاً اور عقلاً طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں، ایک طلاق دینے والے شوہر پر عورت کا حرام ہو جانا . . . . دوسرے عورت کا دوسروں کے نکاح کے لئے حلال ہو جانا۔

مذکورہ دفعات قانون سے واضح ہے کہ کسی طلاق کا کوئی اثر نوے دن سے پہلے مرتب نہ ہوگا۔ اس کے بالمقابل قرآن وسنت کے احکام دیکھئے۔

سورۃ احزاب (۴۹): "یایھا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلاً" اس آیت کی رو سے وہ عورت جس کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی، اگر اس کو طلاق دیدی گئی، اس کے حق میں طلاق کے دونوں قسم کے اثر یعنی شوہر اول کے لئے حرمت اور دوسروں کے لئے حلت فوری ہے، ایک گھنٹہ کا بھی کوئی انتظار نہیں اور عائلی قانون اس کے لئے بھی نوے دن تک کسی قسم کا اثر تسلیم نہیں کرتا۔

سورۃ طلاق کی پہلی آیت یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ طلاق عدت کے وقت دی جائے،

صحیح بخاری میں بروایت ابن عمرؓ اس کی یہ تشریح مذکور ہے کہ ایسے زمانہ طہارت میں طلاق دی جائے، جس میں اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو۔

اگر طلاق کا لفظ زبان سے نکلنے کے ساتھ اثر انداز نہیں ہوتا، تو اس حکم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور اس معاملہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پر جو اپنی زوجہ کو بحالت حیض طلاق دینے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا اس کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ و المطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء (الیٰ) و بعولتهن احق بردهن فی ذلک ان ارادوا اصلاحاً۔ اس آیت میں قرآن حکیم نے مرد کی زبان سے طلاق کا لفظ نکلتے ہی اس کی بیوی کو مطلقہ کا نام دے کر یہ جتلا دیا کہ طلاق کا اثر اول یعنی شوہر کے لئے حرام ہونا فوراً قائم ہو گیا، البتہ دوسرا اثر کہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکیں اس کو عدت پورے ہونے پر موقوف کیا ہے۔

نیز شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ عدت کے دوران میں اپنی طلاق سے شرائط رجعت کے موافق رجوع کر لے۔ اگر طلاق اثر انداز ہی نہ تھی، تو بیویوں کو مطلقات کا نام دینے اور شوہروں کو ردّ و رجعت کا حق دینے کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ اسی طرح تمام آیات قرآن متعلقہ طلاق کا مفہوم یہی ہے کہ طلاق کا اثر اول یعنی شوہر کے لئے قبل از رجعت حرام ہو جانا، لفظ طلاق کے زبان سے نکلتے ہی شروع ہو جاتا ہے، البتہ اثر دوم یعنی دوسروں کے لئے نکاح حلال ہونا، یہ عدت گزرنے پر موقوف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین و صحابہ کرامؓ کے تمام فیصلے اس پر واضح ثبوت ہیں:

۱:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثلاث جدهن جد و هزلهن جد، النكاح و الطلاق و الرجعة۔" اور بروایت حسنؓ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی

منقول ہیں: "من طلق او حرم او نکح او انکح جاداً او لاعباً فقد جاز علیه" (ابن ماجہ)

جس میں اس کی وضاحت ہے کہ ہنسی مذاق میں بغیر ارادہ کے الفاظ طلاق کہہ دینے کو بھی قانونی طور پر موثر قرار دیا گیا ہے۔

۲..... حضرت عائشہؓ کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، تو حضرت عائشہؓ، عثمان غنیؓ، زید بن ثابتؓ وغیرہ صحابہؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب وہ اس کے پاس نہ جائے۔ (کنز ص ۱۱۰ ج ۵ بحوالہ بیہقی)

۳..... ایک شخص نے اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ سے طلاق دی، تو فاروق اعظمؓ نے اس کو بیت اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی کہ سچ بتاؤ ان الفاظ سے تمہاری نیت کیا تھی، اس نے اقرار کیا کہ طلاق مراد تھی، فاروق اعظمؓ نے اسی وقت دونوں میں تفریق کر دی۔ (بخاری، مسلم)

۴..... حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق ایک وقت دے اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی عورت اس سے جدا ہو گئی۔ (کنز بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)

۵..... ایک شخص نے اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دی، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کے لئے اس عورت کے ساتھ معاشرت اسی وقت حرام ہو گئی۔

(کنز بحوالہ جامع عبدالرزاق)

۶..... اسی طرح کا ایک فیصلہ حضرت فاروق اعظمؓ کا بھی منقول ہے۔

(بخاری، مسلم)

اس کے مقابل عائلی قانون نوے دن پورے ہونے سے پہلے طلاق کا کوئی اثر تسلیم نہیں کرتا اسی وجہ سے ضمن (۴) میں ثالثی کونسل کو مصالحت کرانے کے لئے موقع

کرتا ہے، جو حرمت ثابت ہو چکنے کے بعد ان دونوں کو حرام کی ترغیب دینے کے مرادف ہے، اور اگر مصالحت سے مراد واضعان قانون کی نظر میں رجعت یا منسوخی طلاق ہے، تو وہ بھی ہر طلاق میں نہیں ہو سکتی، صرف طلاق رجعی میں ہو سکتی ہے، جو صریح الفاظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو مرتبہ تک دی گئی ہو۔ اور جس طلاق میں بالکل رشتۂ زوجیت قطع کرنے کے الفاظ بہ نیت طلاق کہے گئے ہوں، جیسے حرام، بائن وغیرہ اس میں رجعت یا مصالحت کا از روئے قرآن وسنت کوئی امکان نہیں۔ جیسا کہ فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ کے مذکور الصدر فیصلوں سے ثابت ہے، درآں حالیکہ عائلی قانون علی الاطلاق ان میں مصالحت کرانے کی سعی کرتا ہے، یہ کھلا ہوا تصادم ہے۔ اس کی مزید تفصیل دفعہ ضمن ۶ کے تحت میں آئے گی۔ اور قرآن کریم میں جس مصالحتی تحکیم کا ذکر ہے، وہ تو طلاق سے پہلے رفع نزاع کے لئے ہے، تاکہ طلاق تک نوبت ہی نہ پہنچے، اور اس میں اس کی رعایت ہے کہ معاملہ صرف دونوں کے خاندان ہی تک محدود رہے، غیروں کی مداخلت نہ ہو۔ "فابعثوا حکماً من اهله و حکماً من اهلها۔" میں اس کی تصریح ہے عائلی قانون نے اس کے بالکل برعکس طلاق ہو جانے کے بعد مصالحتی کونسل کا کام شروع کیا، اور اس میں یونین کے چیئرمین کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے وہ مصلحت بھی ختم کر دی کہ زوجین کے نزاع میں کسی غیر کی مداخلت نہ ہو، کیونکہ اس سے فریقین کی رسوائی اور نزاع بڑھ جانے کا امکان زیادہ ہے۔

دفعہ ضمن ۵

اگر طلاق کے اعلان کے وقت بیوی حمل سے ہو، تو طلاق اس وقت تک مؤثر نہیں ہوگی، جب تک ذیلی دفعہ ۳ میں مذکورہ مدت یا مدت حمل جو بھی زیادہ ہو، ختم نہ ہو جائے۔

"فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔" (سورۃ بقرۃ)

ان دونوں آیتوں کا مقتضٰی یہ ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق تک تو رجعت یا آپس میں نکاح ثانی ہوسکتا ہے مگر تیسری طلاق ہو جائے تو وہ رجعت اور آپس میں دوبارہ نکاح سے مانع ہے، جب تک دوسرے مرد سے شادی اور پھر اس کی موت یا طلاق واقع نہ ہو جائے۔ آیت مذکورہ کی تشریح ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں اس طرح منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت کا رواج یہ تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دے ڈالے، بہر صورت اس کو رجعت کا حق رہتا تھا، اور مظلوم بیوی کو اس سے چھٹکارا حاصل ہونے کی کوئی صورت بجز اس کے نہ تھی، کہ وہ خود ہی چھوڑ دے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ الطلاق مرتان نے جاہلیت کی اس رسم کو باطل کرکے یہ حکم دے دیا کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا کوئی حق نہیں، بلکہ اب اس کا دوبارہ نکاح جدید بھی اس عورت کے ساتھ بغیر دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے نہیں ہوسکتا۔ (ابو داؤد) ہمارا عائلی قانون پھر قرآن کے خلاف عہد جاہلیت کی رسم کو زندہ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ عائلی قانون نکاح جدید میں کوئی مانع نہیں قرار دیتا، جب تک کہ تین طلاقیں اس قانون کے مفروضہ طریقہ کے مطابق مؤثر ہو کر تازہ نہ ہو چکی ہوں، اور یہ بات ضمن ۳ میں کے تحت واضح کی جا چکی ہے۔ کہ قرآن وسنت کی رو سے ہر طلاق زبان یا قلم سے نکلتے ہی مؤثر ہو جاتی ہے، اس کے مؤثر ہونے میں نوے دن کی مفروضہ شرط جو اس قانون نے لگائی ہے وہ بالکل قرآن وسنت کی تحریف اور ان سے کھلا تصادم ہے، اس لئے جب کسی شخص نے تین طلاقیں دیدیں، تو وہ فوراً بخود فوراً مؤثر بھی ہوگئی، ان کے بعد بغیر دوسری شادی کے آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے، اور امت کے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں، بلکہ بہت سے اہل ظاہر اہل حدیث بھی اس میں

متفق ہیں جیسے ابن حزم اندلسی اور یہ بات ہر کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں کہ پوری دنیائے اسلام بجز عدد قلیل کے انہیں ائمہ مجتہدین کو قرآنی قانون کی تعبیر میں حجت (اتھارٹی) تسلیم کرتی ہے۔ قرآن وسنت کے قانون کی کوئی تعبیر ان کے خلاف قابل اعتماد نہیں سمجھتی، اور پاکستانی عوام کی اچھانوے فی صد اکثریت حنفی المذہب ہے، اگر دوسرے اماموں کی فقہ میں گنجائش بھی ہوتی، جب بھی ملک کی اتنی بڑی اکثریت کے مذہبی مسلک کے خلاف کوئی قانون بنانا صحیح نہ ہوتا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قانون کسی بھی اسلامی فرقہ کی فقہ کے موافق نہیں کیونکہ جو حضرات تین طلاق کو ایک قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک بھی ایک طلاق تو فوراً ہو جاتی ہے، اور اگر تین طلاقوں کو تین طہروں میں متفرق کر کے دیا جائے تو تینوں طلاقیں ہو جاتی ہیں، اور رجعی ختم ہوتا ہے، کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں ہو سکتا، موجودہ قانون دو وجہ سے ان کے فقہ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تین طلاق سے کم از کم ایک طلاق تو ہو جاتی ہے، مگر یہ قانون اس کو ایک طلاق بھی تسلیم نہیں کرتا، اور اسی طرح تین طہروں میں تین طلاق دینے کی صورت میں بھی بغیر دوسری شادی کے اس کو شوہر اول سے نکاح کی اجازت دیتا ہے، اس وقت نمونے کے طور پر اس قانون کے خلاف شرع اور عوام کے لئے موجب فتنہ ہونا ظاہر کرنے کے لئے اتنی ہی عرضداشت پر اکتفا کرتا ہوں، پورے قانون کی تفصیلی خامیاں مطلوب ہوں تو پوری تفصیل کے ساتھ بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

چند تجاویز

ملک وملت کی فلاح اور حکومت وعوام کے باہمی تعلقات کی خوشگواری کے پیش نظر میری اپنی محدود بصیرت کے مطابق موجودہ صورت حال کو کسی فتنہ اور خلفشار کا موجب بننے سے روکنے کے لئے بترتیب ترجیح تین صورتیں ہیں۔

۱:..... موجودہ آرڈی نینس نیز ازدواجی کمیشن کی سفارشات کو منسوخ کر کے ایک نئے کمیشن کا تقرر کیا جائے، جس میں ایسے افراد ہوں، جن کی شریعت فہمی پر ملک کے عوام کو پورا اعتماد ہو، نیز ایسے افراد بھی شامل کئے جائیں، جو ملک کے موجودہ قانون سے بھی واقف ہیں، اور شریعت اسلام کے حکم و منشاء کو اس فریم میں چسپاں کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۲:..... موجودہ آرڈی نینس کو صرف منسوخ کر دیا جائے، اور اس مسئلہ کو سردست پارلیمنٹ کے آنے تک مؤخر کر دیا جائے۔

۳:..... اگر موجودہ آرڈی نینس کے منسوخ کرنے میں حکومت اپنے وقار کے لئے کوئی گزند محسوس کرے، تو کم از کم یہ ہو کہ نہ اسے نافذ کیا جائے نہ منسوخ، بلکہ جیسے سابقہ حکومتوں نے اسے تعطل والتواء میں ڈال رکھا تھا، اسی طرح سردست اس مسئلہ کی طرف سے سکوت برتا جائے، اور پھر کسی موقع پر اس کو صحیح اصول پر جاری کرنے کا اہتمام کیا جائے، اس وقت ملک کے سامنے اس سے بہت زیادہ اہم مسائل کی موجودگی کا مقتضی بھی یہی ہے۔

واللہ الموفق والمعین...... ...... بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی، اور جب رخصتی ہوئی، تو ۹ سال، مگر عائلی قانون اس عمر کے نکاح کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

۳:...... علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں محمد بن اسحاق ؒ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کے صاحبزادے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی سے اس وقت کر دیا تھا، جب کہ یہ دونوں چھوٹے بچے تھے، پھر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ دونوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

۴:...... علامہ جصاصؒ نے احکام القرآن میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تمام صحابہؓ اور تابعین اور فقہائے امت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کمسنی اور نابالغی کی حالت میں نکاح جائز ہے۔

نوٹ: صغر سنی کے نکاحوں میں عام طور پر جو خرابیاں دیکھی جاتی ہیں، ان کے پیش نظر اس کی حوصلہ افزائی تو بیشک نہ ہونی چاہئے، ترغیبی صورتیں اس کے انسداد کی اختیار کی جائیں تو بہتر ہے، مگر قانونی پابندی لگا کر قرآن کے حلال کو حرام و جرم قرار دینا قرآن کی مخالفت ہے جو کسی طرح گوارا نہیں کی جاسکتی، پھر عائلی قانون نے جو سولہ سال نکاح کی عمر مقرر کی ہے، تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی عموماً تیرہ چودہ سال کی عمر میں اور لڑکا چودہ پندرہ سال میں بالغ ہو جاتے ہیں، بلوغ کے بعد بھی دو تین سال تک ان کو نکاح سے قانوناً روکنا بسا اوقات ان کے لئے حرام کا سبب بن سکتا ہے، جس کے روکنے کے لئے ہمارے قانون میں کوئی دفعہ نہیں، یہ کس قدر شرمناک معاملہ ہوگا کہ ایک مسلمان لڑکا یا لڑکی زنا کرے تو قانون اس کو کچھ نہ کہے، اور نکاح کرے تو اس پر سزا جاری ہو، بعض اوقات لڑکی یا لڑکے سے کے اولیاء کوئی خرابی محسوس کر کے اس کا نکاح فوری کر دینا ہی ضروری سمجھتے ہیں، اس قانون کی رو سے وہ پابند ہوں گے کہ ان کو حرام کاری میں مبتلا ہوتے ہوئے دیکھتے رہیں نکاح نہ کر سکیں۔

مفاسد کا شرعی علاج

چونکہ صغر سنی کا نکاح بچوں کے اولیاء کرتے ہیں اس میں احتمال ہے کہ بچوں کے مصالح کی پوری رعایت نہ ہو، اس لئے شریعت اسلام نے اس کا تدارک یہ کر دیا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ان کو یہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار دے دیا ہے، البتہ باپ دادا کی شفقت چونکہ اولاد پر غیر معمولی ہوتی ہے اور اولاد کے مصالح کو وہ اوروں سے بھی زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، اس لئے باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار عام طور پر نہیں دیا گیا، مگر اس میں بھی اگر کسی موقع میں یہ ثابت ہو جائے کہ باپ یا دادا نے کسی اپنی نفسانی غرض یا لالچ کے سبب اولاد کا نکاح نامناسب جگہ کر دیا ہے تو قاضی یا مسلم حاکم اس کو بھی فسخ کر سکتا ہے۔

اس خیار فسخ کی وجہ سے وہ تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں، جو نکاح صغر سنی میں متصور ہیں۔

عائلی قانون دفعہ نمبر ۵

شادی بیاہ کی رجسٹریشن

ذیلی (۴) ہر وہ شخص جو ذیلی دفعہ (۳) مذکورہ بالا کی خلاف ورزی کرے گا، وہ قید محض جس کی میعاد تین ماہ ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو ایک ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

فیصلہ قرآن وحدیث ملاحظہ ہو

گو اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو نکاح رجسٹریشن کے بغیر عمل میں آئے، وہ قانونی

نکاح ہی نہ قرار دیا جائے، تب تو یہ دفعہ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے واضح ارشادات کے بالکل منافی ہے، نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے شرائط میں رجسٹری کرانے کو کہیں داخل دیا ہے، اور نہ پوری امت نے اس کو شرط سمجھا ہے۔

اور اگر منشاء یہ ہے کہ نکاح تو تسلیم کیا جائے، مگر خلاف ورزی قانون کی بناء پر اس کو سزا دی جائے، تو یہ ایک خالص انتظامی معاملہ ہے، بدنظمی اور جعلسازی کو روکنے کے لئے حکومت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام تو مناسب ہے، مگر اس پر اتنی شدید سزاؤں کا کوئی جواز نہیں ہے، ہر برائی کو سزاؤں ہی کے ذریعہ روکنے کا تصور کچھ اچھا نہیں، غور کیا جائے کہ جائیدادوں کے بیعناموں کا رجسٹریشن بھی تو ایک حیثیت سے ضروری ہی سمجھا جاتا ہے، مگر اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی، اہل معاملہ کے لئے اتنی ہی سزا اس بارہ میں کافی ہوتی ہے، کہ غیر رجسٹری شدہ بیعنامے، ہبہ نامے وغیرہ کا کوئی نزاع جب عدالت میں پہنچتا ہے، تو عدالت اس کو جائز دستاویز قرار نہیں دیتی بلکہ ایک زبانی معاملہ یا معاہدہ کی حیثیت دے کر ثبوت طلب کرتی ہے، جس میں اہل معاملہ کو دشواریوں سے بچنے کے لئے پورے ملک میں رجسٹریشن کا ضابطہ خود بخود لازمی ہو گیا۔ کوئی بھی سمجھدار آدمی کسی بیعنامے، ہبہ نامے، رہن نامہ کو بلا رجسٹری نہیں رہنے دیتا۔ قرآن کریم نے قرض ادھار کے معاملات کو کتابت میں لانے کی ہدایت دی ہے، تاکہ بعد میں کسی نزاع کی صورت نہ بنے، لیکن یہ ہدایت ہی کے درجہ میں رکھی ہے، کوئی قانون نہیں بنایا، جس کی خلاف ورزی قابل سزا جرم ہو۔ ارشاد قرآنی یہ ہے "اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ. الآیۃ" یعنی جب تم کوئی معاملہ کسی مدت تک ادھار کا کرو، تو اس کو لکھ لو۔ اگر یہی طریق کار نکاح کے رجسٹریشن میں ہو جائے، تو بلاشبہ انتظامی مقصد پورا ہو جائے گا، اور لوگوں کو سزاؤں کے چکر سے بھی نجات مل جائے گی، کیونکہ بہت سے پہاڑی اور جنگلی علاقے ایسے بھی ہیں،

جو رجسٹریشن کے لئے دور دراز سفر کئے بغیر رجسٹریشن نہیں کرا سکیں گے۔

دفعہ نمبر ۱۳

حقوق تنسیخ نکاح

اس دفعہ کے پیرا دوم الف میں کہا گیا ہے، کہ اگر خاوند نے موجودہ عائلی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور شادی کر لی ہے، اس کی بیوی کو حق تنسیخ نکاح حاصل ہوگا، نیز پیرا ہفتم میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکی کے والد یا سرپرست نے اس کی شادی سولہ سال کی عمر سے پہلے کر دی ہے، تو اس لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

فیصلہ قرآن و حدیث ملاحظہ ہو

اس دفعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے واضعین قانون تعدد ازدواج یا کمسنی کی شادی سے پیدا ہونے والے مظالم و مفاسد کی وجہ سے عورت کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں دے رہے، بلکہ تعدد ازدواج اور کمسنی کی شادی ان کے نزدیک بذات خود ایک برائی ہے، اسی لئے وہ دوسری شادی کر لینے کے بعد فوراً عورت کو فسخ نکاح کا حق دے رہے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس مرد نے اپنی پہلی بیوی پر ظلم کیا ہے یا نہیں؟ اور اس تصور کا قرآن و سنت سے متصادم ہونا ہم دفعہ ۶ اور دفعہ ۱۲ کے تحت بیان کر چکے ہیں، پھر اس دفعہ کی رو سے اگر ایک شخص دوسری شادی کرنے کے بعد بھی دونوں بیویوں میں عدل رکھتا ہے، کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا، تو اس صورت میں بھی اس کی پہلی بیوی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کر کے شوہر سے اپنا رشتۂ زوجیت منقطع کر لے، اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ اگر شوہر عدل سے کام لے تو قرآن کریم دو شادیاں کرنے پر کوئی اخلاقی پابندی بھی عائد نہیں کرتا، اور پہلی

بیوی کو اس صورت میں حق فسخ بالکل حاصل نہیں، اس لئے عورت کو حق فسخ تو صرف اس صورت میں حاصل ہوتا ہے، جب کہ شوہر اس پر کوئی ناقابل برداشت ظلم کر رہا ہو، مذکورہ صورت میں اس پر کوئی ظلم نہیں ہو رہا، لہٰذا اس صورت میں قرآن کریم کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ "بیدہ عقدۃ النکاح" یعنی نکاح کی گرہ مرد ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس گرہ کو کھول دے یا باندھے رکھے، قرآن کریم نے یہاں حصر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی لڑکی سولہ سال کی عمر سے پہلے بیاہ دی جاتی ہے، تو بلوغ سے قبل بھی اسے فسخ نکاح کا حق اس دفعہ کی رو سے دیا گیا ہے، حالانکہ نابالغ بچوں کو نہ صرف عقل و شرع کی نظر میں بلکہ ہر حکومت و ملت کے قانون میں بھی اس کا اہل نہیں سمجھا گیا کہ وہ اپنا نکاح خود کر لیں یا کئے ہوئے نکاح کو فسخ کر دیں۔ اس میں نہ علماء امت میں دو رائیں ہو سکتی ہیں، نہ عقلائے دنیا ہی اس کو صحیح قرار دے سکتے ہیں۔

اختصار کے ساتھ جو کچھ اس وقت پیش کیا گیا ہے، یہ بھی اتنی بات سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ موجودہ عائلی قانون کی بیشتر دفعات قرآن و سنت کے بالکل مخالف ہیں، مزید تشریح یا شبہات کے جوابات کی ضرورت محسوس کی جائے تو وہ بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

اللھم وفقنا لما تحب و ترضی من القول و الفعل و العمل و النیۃ و الھدی انک علی کل شیٔ قدیر۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ شعبان ۱۳۸۲ھ　۹/ جنوری ۱۹۶۳ء

---

(۱) اس مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک مستقل رسالہ بھی بنام "یتیم پوتے کی میراث" عرصہ ہوا شائع ہوا تھا جس میں اس مسئلہ کو شرعی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، اب یہ رسالہ بھی جواہر الفقہ کے آخر میں لگا دیا گیا ہے۔ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ ۱۳۹۸/۱۱/۲ھ

عائلی معاملات میں اصلاح مفاسد کا صحیح طریقہ

کہا جاتا ہے کہ عائلی قوانین پر بحث کے وقت علماء دین نے یہ تو بار بار کہا کہ جاری کردہ قوانین خلاف شرع ہیں، لیکن جن مفاسد اور خرابیوں کی روک تھام کے لئے اجراء قوانین کی ضرورت پیش آئی ہے، ان کی اصلاح کی جائز اور شرعی صورتیں مثبت انداز میں بیان نہیں کی گئیں۔

اگر چہ یہ شکوہ اس لئے بے جا ہے کہ جب ایک غلط چیز سامنے لائی گئی، تو اس پر کلام کرنے والے کے پیش نظر اس غلط کی غلطی ہی کا اظہار ہوتا ہے، اصلاح مفاسد کی صحیح صورت قرآن وسنت کی رو سے کتب فقہ میں مدون موجود ہے، اس کے متعلق اس وقت اتنا ہی کہا جاسکتا ہے، کہ ان کو صحیح کرنے کے لئے قرآن وسنت کے ماہر علماء دین کی طرف رجوع کیا جائے، عائلی قوانین کے بارہ میں بھی یہی ہوتا رہا کہ ان کے خلاف قرآن وسنت ہونے کا بیان اور ان کی اصلاح کے لئے ایسے علماء دین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا جاتا، جن کی شریعت فہمی پر ملک کے اکثر مسلمانوں کو اعتماد ہو، لیکن ذمہ داروں کی طرف سے اس طرح کا کوئی اقدام نہ ہوا، ورنہ بہت آسانی کے ساتھ مفاسد کی اصلاح کے لئے شرعی حدود میں مناسب تجاویز سامنے آسکتی تھیں۔

بہر حال اس وقت خانگی اور عائلی نزاعات اور مفاسد کی اصلاح کے لئے اجمالی طور پر کچھ ایسی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جو از روئے قرآن وسنت جائز و درست ہیں۔

جاری کردہ عائلی قوانین کی پانچ دفعات خلاف شرع ہونے کی حیثیت سے زیر بحث آئیں۔

دفعہ نمبر۴ یتیم پوتا نواسہ کی وراثت

دفعہ نمبر۵ نکاح کا رجسٹریشن

دفعہ نمبر۶ تعدد ازدواج

دفعہ نمبر۷ طلاق وعدت کے مسائل

دفعہ نمبر۱۲ نکاح میں عمر کی پابندی

ان میں سے ہر دفعہ میں پیش آنے والے مفاسد اور نزاعات اور ان کے انسداد و اصلاح کی شرعی صورت کیا ہے، اس پر تفصیلی تجاویز سے پہلے ایک اہم تجویز قابل نظر ہے، جس کے بغیر کوئی اصلاحی اسکیم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر جائز و ناجائز اور خلاف یا موافق شرع اسلام ہونے سے بھی قطع نظر کر کے موجودہ قوانین ہی کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ بھی بغیر اس تجویز کے ہرگز کسی مفسدہ اور جھگڑے کا کامیاب علاج ثابت نہیں ہو سکتے، اور وہ ہے عدالتی نظام کی اصلاح جس کی ناقابل تحمل گرانی اور سالہا سال کی دفتر گردی اور قدم قدم پر رشوت ستانی کی آفتوں نے مظلوم کے لئے داد رسی کے راستے بند کر رکھے ہیں۔

تجویز اول: عدالتی نظام کی اصلاح

کسی باخبر انسان پر مخفی نہیں رہ سکتا کہ آج کے بڑھتے ہوئے جرائم اور مظالم خواہ وہ عائلی معاملات سے متعلق ہوں، یا دوسرے شعبہائے زندگی سے ان کا بڑا سبب محض قانون کا ناقص ہونا نہیں، بلکہ سب سے بڑا سبب عدالتی نظام کی ابتری ہے، جہاں سے مظلوم کو انصاف حاصل کرنے کے لئے اتنے مظالم سہنے پڑتے ہیں کہ ان کے مقابلے

میں وہ اصل ظلم پر صبر کرنے کو ترجیح دیتا ہے، انصاف کی اتنی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، جو ظالم کے ظلم، چور کی چوری سے بعض اوقات بڑھ جاتی ہے، سالہا سال تک دفتر گردی اور چپراسی سے لے کر اوپر تک ایک ایک خوشامد اور اس کے اوپر رشوت کی بھرمار کے بعد بھی انصاف ملنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔

اس طویل بھول بھلیاں میں صرف ایسے ہی لوگ آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں، جو یا تو پیشہ ور مقدمہ باز ہیں، اور یا پھر اتنا فالتو سرمایہ رکھتے ہیں، کہ ہر قانون کو پیسہ کے ذریعہ خرید سکیں۔

ایسے حالات میں وہ غریب عورت جس کا کوئی والی وارث نہیں، اور شوہر نے اس پر ظلم کیا ہوا ہے، ان عدالتوں تک اس کی پہنچ کا کیا امکان ہے۔

شاید نے قانون میں انہیں آفتوں کا حل یونین بورڈ کے ذریعہ نکالا گیا ہے، مگر اس بورڈ کی ہیئت ترکیبی جیسے افراد سے متشکل ہوتی ہے، وہ سب پر عیاں ہے، کہ ان کے لئے قانوناً یہ بھی غیر ضروری نہیں کہ وہ کوئی خواندہ اور شریف آدمی ہوں کسی قانون شرعی یا شرعی کی واقفیت کا تو سوال ہی کیا ہے، ایسے بورڈ سے کسی انصاف یا صحیح فیصلہ کی توقع رکھنا اپنے آپ کو فریب دینے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، چنانچہ ایک ہی سال کی قلیل مدت میں واقعات نے اس نظام کے ناکارہ ہونے کے ناقابل فراموش ثبوت مہیا کر دیئے ہیں، اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ یہ جاری کردہ عائلی قانون غلط و صحیح کی بحث سے الگ ہو کر بھی اس نظام کی ابتری کے سبب کسی مرض کی دوا ثابت نہیں ہوا، اس لئے عام جرائم کے انسداد یا مظلوم عورتوں کی مشکلات کے حل کے لئے کوئی بھی قانون بنانے سے پہلے عدالتی نظام کی کوئی ایسی صورت تجویز کرنا ناگزیر ہے، جس کے ذریعہ عام مظلوم اور بے کس غریب عورتیں انصاف حاصل کر سکیں۔

پورے نظام کی اصلاح تو ایک بہت بڑا کام ہے، جس پر آسانی سے قابو پانا بھی

ممکن نہیں ہے، لیکن کم از کم عائلی اور ازدواجی مسائل کی حد تک فوری طور پر یہ صورت اختیار کی جائے۔

۱...... ہر ضلع میں خاص ان معاملات کے لئے ایک گشتی عدالت مقرر کی جائے، جو تمام ملحقہ بستیوں میں دورہ کر کے ہر بستی کے معاملات اسی قصبہ میں طے اور ختم کر سکے، تاکہ گواہوں کی حاضری وغیرہ میں وقت کم سے کم صرف ہو۔

۲...... اس عدالت کا ضابطہ کارروائی خالص اسلامی طرز پر سادہ ہو، جس کی نظائر ان اسلامی ریاستوں میں اب بھی موجود ہیں، جن میں اسلامی قانون جاری ہے، پاکستان میں بھی ریاست بہاولپور، سوات، قلات وغیرہ میں ریاستوں کے قیام تک جاری تھا۔

۳...... اس عدالت میں کسی مظلوم سے کورٹ فیس نہ لی جائے، انصاف بالکل مفت ہونا چاہئے۔

۴...... اس عدالت کے جملہ معاملات چونکہ خالص مذہبی طرز کے ہوں گے، اس لئے اس کا حاکم مختار کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے، جو صحیح معنی میں مسلمان ہو، اور مسائل شریعت کو ان کے اصل ماخذوں سے سمجھنے کی مہارت رکھتا ہو، اور اس کی شریعت فہمی پر عام مسلمانوں کو اعتماد ہو، اس کا نام شیخ رکھا جائے، یا قاضی یا اختیار ہے۔

۵...... اس عدالت کے تمام ملازمین میں صلاحیت کار کے علاوہ امانت و دیانت اور خدا ترسی کے اصول پر شدت سے نظر رکھی جائے، جہاں رشوت کا شبہ بھی ہو تو اس کو بدلا جائے، اور رشوت کا ثبوت مل جائے تو دوسرے محکموں سے زیادہ شدید سزا اس محکمہ کے رشوت خور کو دی جائے، اگر اس تجویز کو مفید سمجھا جائے تو اس کے نظام کا مکمل خاکہ چند ماہر علماء اور چند ماہرین قانون مل کر باسانی مرتب کر سکتے ہیں، یہ تو وہ تجویز ہے جو ہر قانون کے لئے ہر حال میں ضروری ہے اس کے بغیر کوئی بہتر سے بہتر

قانون بنانا بھی مرض کا علاج نہیں ہو سکتا، اس کے بعد ہر دفعہ کے متعلق تفصیلی نظر کے ساتھ اصلاح مفاسد کی تجویزیں ملاحظہ فرمایئے۔

دفعہ نمبر ۴

یتیم پوتے نواسے کی وراثت ( )

اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جس شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ایک لڑکے یا لڑکی کی وفات اس کی حیات میں ہو گئی اور مرنے والے لڑکے لڑکی نے اولاد چھوڑی، تو اس دادا یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ سے صلبی بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا۔

موجودہ قانون نے ان کو حصہ دلانے کے لئے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے ان کا حصہ ان کی اولاد کو دلوایا ہے۔ ...... اس قانون کا منشا اگر فی الواقع یتیموں پر رحمت و شفقت اور ان کی مشکلات کا حل ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ مقصد مبارک اور عین مطابق قرآن و سنت ہے، پورا قرآن یتیموں کے حقوق سے بھرا ہوا ہے۔

مگر قرآن و سنت نے یتیموں کی کفالت کا مستقل قانون کے ذریعہ انتظام کیا ہے کسی مرنے والے کی میراث کے موہوم حصہ پر ان کو نہیں چھوڑا، وہ قانون یہ ہے:

الف۔ یتیم پوتے پوتیوں کی تمام ضروریات کی کفالت جب تک دادا زندہ ہے، اس کے ذمہ ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کرے، تو حکومت جبراً اس سے وصول کر کے یتیموں کا حق ادا کرے گی۔

ب: دادا کے انتقال کے بعد ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری ان کے ان رشتہ داروں پر درجہ بدرجہ عائد ہوتی ہے، جو ان بچوں کے شرعی وارث ہو سکتے ہیں، مثلاً چچا، تایا، ماموں وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر ذمہ داری اپنے اپنے حصہ وراثت کے تناسب سے ہوگی قرآن کریم کا اس بارہ میں واضح ارشاد ہے: "وعلی الوارث مثل ذلک." اور یہ چچا تایوں یا ماموؤں کا کوئی احسان و تبرع نہیں، بلکہ ان پر شرعاً لازم و واجب ہے، جو ان سے جبراً بھی وصول کیا جا سکتا ہے، دادا کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کا حقدار شریعت اسلام میں جن چچا، تایوں کو قرار دیا ہے، انہیں پر یتیم بھتیجوں، بھتیجیوں کے نفقہ اور ضروریات کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ حصہ وراثت تو امر موہوم ہے، کیونکہ دادا کا ترکہ چھوڑنا ہی خود غیر یقینی ہے، پھر حصہ وراثت کی مقدار معلوم نہیں، شریعت اسلام نے اس موہوم چیز پر یتیموں کے حقوق کو موقوف نہیں رکھا، بلکہ ان کے دادا کی وراثت سے ان کو کچھ ملے یا نہ ملے، ہر حال میں دادا کے بعد کی ذمہ داری ان پر ڈالی ہے۔

ج: اگر دادا خود مفلس ہے، یتیموں کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں ہے، تو ان کی زندگی میں بھی یہ ذمہ داری دوسرے قریبی رشتہ داروں پر بقاعدہ الاقرب فالاقرب عائد کی جائے گی۔

د: اگر یتیموں کے رشتہ داروں میں کوئی بھی ان کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں، تو ان کی پوری ذمہ داری حکومت پر ہوگی، وہ اصول شریعت کے مطابق بیت المال کا قیام عمل میں لائے، اور اس کے ان مدات جو یتیموں اور مساکین کے لئے مقرر ہیں، ان کی ضروریات کا تکفل کرے۔

ہ: اور اگر دادا نانا کی میراث ہی میں سے یتیم پوتوں نواسوں کو حصہ دلانے پر کسی کو اصرار ہے، تو اس کی بھی جائز صورت یہ ہے کہ جب ان کے کسی لڑکے یا لڑکی کا انتقال ہوا تو اولاً یہ دادا نانا خود ہی ان یتیموں کا خیال کر کے ایک تہائی مال کے اندر بقدر

مناسب ان کو فوری طور پر ہبہ کردیں یا مرنے کے بعد کے لئے وصیت کردیں۔ اور اگر وہ خود نہیں کرتے تو یتیموں کے دوسرے اعزہ واقارب دادا دادی کو اس طرف توجہ دلائیں کہ وہ ان کے لئے وصیت کرکے ایک مناسب حصہ مقرر کردیں۔

احادیث صحیحہ میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے، اور بہت سے حضرات مفسرین کے نزدیک سورۂ بقرہ کی آیت وصیت کی رو سے بھی ان کو ایسی وصیت کردینا کم از کم اولیٰ و افضل ہے۔

دفعہ نمبر ۵

نکاح کا رجسٹریشن

اس قانون کا منشاء نکاح کے بارہ میں جعل سازی اور غلط کاروائیوں کا انسداد ہے، اس کے لئے کوئی انتظامی قانون بنانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں اصل نکاح کو تسلیم کرکے اس کے تمام قانونی حقوق نسب وراثت وغیرہ کو قائم رکھا جائے۔

موجودہ قانون بھی اگرچہ اسی نوعیت کا ساتھ ہے لیکن اس کی خلاف ورزی پر جو شدید سزا اس قانون میں رکھی گئی ہے، وہ مناسب نہیں، اس کو وہی درجہ دیا جانا مناسب ہے، جو تمام اہم معاملات جائدادوں وغیرہ کے رجسٹریشن کا ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر کوئی تعزیری سزا نہیں مگر رجسٹریشن کی صورت میں جو قانونی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، بغیر رجسٹریشن کے ان سے محروم رہتا ہے، اس لئے بغیر کسی سزا کے یہ رجسٹریشن کا قانون خود بخود چالو رہا ہے، شاذ و نادر ہی کوئی واقعہ پیش آتا ہوگا کہ کسی جائداد کا معاملہ بغیر رجسٹری کیا جائے، اس لئے اسی طریق سے یہ مقصد قانون پورا ہوسکتا ہے۔

دفعہ نمبر ۶ ...... تعدد ازدواج

اس دفعہ میں تعدد ازدواج پر کڑی پابندیاں عائد کرنے کا منشاء یہ بتایا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ محض وقتی جذبات کی بناء پر ایک سے زائد شادیاں کر لیتے ہیں، پھر ان سب بیویوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتے، یا نہیں کرتے، خصوصاً بیویوں کے درمیان برابری نہیں کی جاتی، جس سے گھروں میں طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، ان کے انسداد کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے۔

یہاں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ جو شخص معاشرے کی تاریخ اور اس کے احوال سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، وہ تعدد ازدواج کو تو کوئی جرم نہیں کہہ سکتا، جرم ہوگا تو وہ مظالم ہوں گے جو شادی کے بعد شوہر کی طرف سے عمل میں آئیں گے، اور یہ مظالم جو شوہر کے جبر و تشدد یا جہالت کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وہ صرف دوسری تیسری بیوی ہی پر نہیں ہوتے، جس شخص کی ایک بیوی ہے، اس سے بھی ایسے مظالم کے ارتکاب کے واقعات کچھ کم نہیں، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ ان کے واقعات بہت زیادہ ہیں، جتنے مقدمات عدالتوں میں عورتوں کی طرف سے دائر ہوتے ہیں، ان کا سرسری جائزہ لے لیا جائے تو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی، اور جب یہ معلوم ہے کہ ایک بیوی والے شوہروں کے مظالم دو یا زیادہ بیویاں رکھنے والوں کی بہ نسبت تعداد میں زیادہ ہیں تو سب سے زیادہ فکر ان کے انسداد کی کرنی چاہئے، قانون کی نظر میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ایک بیوی پر جو مظالم ہوتے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہ کی جائے، صرف ایک سے زائد ہونے والی بیوی کے مظالم کی تلافی اور اصلاح و انسداد کیا جائے، اور اگر دونوں قسم کے مظالم کا انسداد مقصود ہے تو موجودہ قانون کی رو سے ملکی قانون کی پابندیاں عائد کرنا اور خلاف ورزی کی صورت میں ہرجانہ اور جرمانہ لازم کرنے کا جس کو کوئی ہوشمند انسان درست نہیں سمجھ سکتا، اس کے علاوہ قانون ساز حضرات ہی سے یہ پوچھنا ہے، لیکن اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کی بناء پر کوئی یا قانون بنانے کے بجائے حقوق زوجین سے متعلق اسلام کے مشہور و معروف قانون

جاری کرنے کا انتظام پورا کر دیا جائے، جس کے ذریعہ مظلوم کو داد رسی مشکل نہ رہے، تو اس قسم کے سارے ظلم و جور اور جبر و تشدد کا خود بخود انسداد ہو جائے گا۔

اپنے حقوق سے محروم اور مظلوم بیوی کو خواہ وہ ایک ہو یا متعدد اگر عدالت سے داد رسی کی سہولتیں مہیا کر دی جائیں، تو بعض صورتوں میں شوہروں پر تعزیری سزائیں جاری ہوں گی، بعض میں حاکم کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا، جس سے خود بخود حالات کی اصلاح ہو جائے گی، جو شخص ایک سے زائد بیوی کے حقوق ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ خود ایسا وبال اپنے گلے میں نہ ڈالے گا، جس کے نتیجہ میں اس کو سزا بھگتنی پڑے، یا بیوی اس کے ہاتھ سے جائے، اور اگر عدالتی سہولتیں مہیا نہیں کی جاتیں تو یقین کیجئے کہ موجودہ قانون بھی کسی مرض کی دوا ثابت نہ ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ انسداد مظالم کے لئے کسی مزید قانون سازی کی ضرورت نہیں، صرف عدالتی سہولتیں مہیا کر دینا سب کا علاج ہے، جس کی صورت اور شرعی قانون ابتداء میں لکھی جا چکی ہے۔

اس کے علاوہ ہر برائی کو قانون کے ذریعہ روکنے کا اصول خود بھی قابل قبول نہیں، بلکہ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے، کہ ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر کوئی بھی قانون انسداد جرائم کا ضامن نہیں ہو سکتا، خصوصاً زوجین کے معاملات ایسی نزاکت رکھتے ہیں، کہ ان میں قانون کی مداخلت بسا اوقات اور زیادہ مفاسد پیدا کر دیتی ہے۔ اس تعلق میں ظلم و جور کی اصلاح بجز خوف خدا و آخرت یا شرافت نفس اور ذہنی تربیت کے بہت ہی مشکل ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ نکاح کے شروع میں جو خطبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اس میں تین آیتیں قرآن کی پڑھی جاتی ہیں، اور ان تینوں کے اول میں بھی آخر میں بھی تقویٰ اور خوف خدا تعالیٰ کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ زوجین کے تعلقات کو ہموار رکھنے کے لئے قانونی مداخلت سے زیادہ خوف خدا و آخرت ہی کامیاب ذریعہ ہے۔

اس لئے بھی تعدد ازدواج سے پیدا ہونے والے خطرات کی روک تھام کے

سے مؤثر اور مفید صورت یہی ہے کہ عوام کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا حکومت اور عوام اپنے پورے وسائل کے ساتھ انتظام کریں، اور پھر بھی جو جبر کسی سے صادر ہو جائے، اس کا انتظام ان قوانین شرعیہ کے ذریعہ کیا جائے، جن کی رو سے مظلوم عورت شوہر سے اپنا انتقام لے سکتی ہے۔

دفعہ نمبر ۷

طلاق وعدت کے مسائل

اس دفعہ کا منشاء ان گھریلو جھگڑوں کا انسداد بتلایا جاتا ہے، جو زوجین کے باہمی اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اس دفعہ کی چھ ضمنی دفعات میں سے اکثر ایسی ہیں جن کا خانگی نزاعات سے کوئی تعلق نہیں، ان میں بلاوجہ قرآن وسنت کے مخالف صورتیں تجویز کر کے پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا کی گئی ہے، مثلاً ضمن (۳) میں طلاق کے مؤثر ہونے کی آخری میعاد نوے دن مقرر کرنا، جب کہ قرآن کریم نے قبل از خلوت طلاق پر ایک دن کی بھی عدت لازم نہیں کی، اور خلوت کے بعد عدت طلاق واضح طور پر تین ایام ماہواری مقرر فرمائی:

"والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء." یعنی مطلقہ عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین مرتبہ ایام ماہواری پورے ہونے تک۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تین ماہواری کبھی نوے دن سے کم میں بھی پورے ہو سکتے ہیں، اور کبھی اس سے زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔

معلوم نہیں ہمارے قانون ساز حضرات نے خانگی نزاعات ختم کرنے کے لئے اس میں کون سی مصلحت سمجھی ہے، کہ قرآن کی نص صریح کے مخالف نوے دن مقرر کر دیئے اسی طرح ضمن (۵) میں حاملہ کی عدت جو مدت حمل یا نوے دن میں سے جو زائد ہو، اس کو قانونی عدت قرار دیا ہے، جب کہ قرآن کریم کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ حمل سے

فراغت ہوتے ہی عدت ختم ہو جاتی ہے، چاہے وہ ایک گھنٹہ کے بعد ہی ہو جائے:

"واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن۔" "اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل سے فارغ ہو جائیں۔"

بہر حال ان ضمنی دفعات کا منشاء قانون "خانگی نزاعات" سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا، بلا وجہ مخالفت قرآن وسنت کا وبال سر لیا گیا ہے، شرعی اور عقلی اعتبار سے نزاعات خانگی کے انسداد سے متعلق اس دفعہ میں صرف ضمن (۳) یعنی مصالحتی کونسل ہے، اور ضمن (۱) و (۲) یعنی چیئرمین یونین بورڈ کو طلاق کا نوٹس دینے کی قانونی پابندی بھی اسی مصالحتی کونسل سے وابستہ ہے، مگر اس قانون میں اس کی بھی صورت یوں بگاڑ دی گئی کہ قرآن کریم نے مصالحتی کونسل کی تجویز اس وقت رکھی ہے، جب کہ نوبت طلاق تک نہ پہنچی ہو، اور اس مصالحتی کونسل کا مقصد یہ قرار دیا ہے، کہ طرفین کے خاندانی افراد ان کی باہمی شکایات کو سن کر مصالحت کی کوشش کریں، تا کہ نوبت طلاق تک نہ پہنچے، اس کے خلاف اس قانون نے مصالحتی کونسل کی تشکیل ہی طلاق کے بعد رکھی ہے، جس کے بعد بعض صورتوں میں تو مصالحت بھی حرام ہو چکی ہوگی، اور اس دفعہ کی رو سے جو تشکیل مصالحتی کونسل کی کی گئی ہے، وہ بھی قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن کریم نے اس کونسل میں صرف زوجین کے خاندانی افراد کو رکھا ہے، کسی غیر کی مداخلت پسند نہیں فرمائی، اور موجودہ قانون نے یونین بورڈ کے چیئرمین کو اس کونسل کا سب سے بڑا ذمہ دار قرار دیا ہے، جو سراسر خلاف شرع اور خلاف مصلحت ہے، اس لئے اس دفعہ میں خانگی نزاعات کی اصلاح کے لئے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ زوجین کو اس کا پابند کیا جائے کہ جب کوئی نزاع آپس میں ایسا پیش آ جائے، جس کی نوبت طلاق تک پہنچ سکتی ہے تو طلاق سے پہلے اس نزاع کو فریقین کے خاندانی افراد کی پنچایت میں رکھا جائے تا کہ وہ مصالحت کی کوشش کر لیں۔

(۲) اگر ان کی کوشش ناکام ہو جائے اور نوبت طلاق تک پہنچ جائے تو صرف

ایک یا دو طلاق تک یہ خاندانی پنچایت پھر بھی مصالحت کی کوشش اس طرح کرے کہ طلاق کی نوعیت کو دیکھ کر اگر وہ طلاق رجعی ہے، تو شوہر کو رجعت پر آمادہ کرے، اور بائن ہے تو فریقین کو دوبارہ آپس میں نکاح جدید کر لینے کی ترغیب دے، تین طلاق کی صورت میں نہ مصالحت کرانے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ فریقین کے اختیار میں ہے کہ باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کر سکیں۔

(۳) تین طلاق بیک وقت دینا قرآن و سنت کی رو سے گناہ اور ایک مکروہ عمل ہے، جس تک پہنچنا منشاء قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن کریم نے واضح طور پر یہ بتلا دیا ہے، کہ طلاق دینے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ دو مرتبہ تک طلاق دی جا سکتی ہے۔ (الطلاق مرتان)

اس کے بعد تیسری طلاق کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے جائز طریقے سے تجاوز کر کے تیسری طلاق دے ہی دی، تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر ان کے آپس میں تجدید نکاح بھی نہ ہو۔ (فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره)

آج کل عام جہالت کی وجہ سے ہر طلاق دینے والا تین ہی طلاق دیتا ہے، اور عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ تین سے کم میں طلاق مکمل ہی نہیں ہوتی۔

عدالتوں کے عرائض نویس بھی جب ان کو طلاق نامہ لکھنے کو کہا جائے تو تین ہی طلاق لکھتے ہیں .... اور یہ بات بھی عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے کہ تین طلاق کے بعد جب ہوش آتا ہے، تو فریقین آپس میں مصالحت کے لئے تیار ہوتے ہیں، مگر بات ہاتھ سے نکل چکی ہوتی ہے۔

اس لئے یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ جو شخص بیک وقت تین طلاق دے گا، اس پر عدالت کو حسب صوابدید تعزیری سزا جاری کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن اس سزا کے باوجود تین طلاق کے شرعی اثر کو برقرار رکھا جائے گا کہ حسب شرائط دوسری شادی اور اس سے

جدائی کے بغیر ان کے آپس میں نکاح نہیں ہوگا، جس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع اور امت کے چاروں امام: ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل کا اتفاق ہے۔ اس سے اس جماعت یا افراد کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، جن کا مسلک یہ ہو کہ ایک ہی مرتبہ کی تین طلاق سے حرمت مغلظہ ثابت نہیں ہوتی۔

دفعہ ۱۲

نکاح میں عمر کی پابندی

اس دفعہ کا منشاء ان خرابیوں کا انسداد ہے، جو نکاح صغرسنی پر عام طور سے مرتب ہوتی ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی برادریوں میں جو صغرسنی کی حالت میں نکاح کا رواج ہے، اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ بہت سی لڑکیوں کی پوری زندگی تباہ ہو جاتی ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ہر برائی کو صرف قانون اور سزا کے ذریعہ روکنے کا اصول صحیح نہیں، اور تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برائی کو روکنے کے لئے کافی بھی نہیں۔

۱۔ بہت سی برائیاں جو انسانی معاشرہ میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا صحیح علاج بجز ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس معاملہ میں بھی اگر نشر و اشاعت کے تمام وسائل سے عوام کو ان مفاسد سے آگاہ کیا جائے۔ اور جن برادریوں میں اس کا زیادہ رواج ہے، ان کو اجتماعی طور سے سمجھایا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ وہ اس غلطی سے باز آجائیں۔ لیکن قانونی طور پر اس کو قابل سزا جرم قرار دینے میں قانون شریعت سے تصادم ہوتا ہے، اس سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ شریعت اسلام نے انہیں مفاسد کی اصلاح کے لئے یہ قانون پہلے سے بنایا ہوا ہے کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کے اولیاء صغرسنی میں ان کا نکاح کر دیں تو یہ لڑکا لڑکی بالغ ہوتے ہیں تو فوراً اس نکاح کے فسخ کا اعلان کر کے اسلامی عدالت کے ذریعہ

نکاح فسخ کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ یہ نکاح نابالغ کے باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہو اور باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں بھی اگر ان کی بدنیتی یا خود غرضی کا ثبوت ہو جائے تو ان کے کئے ہوئے نکاح کو بھی فسخ کیا جا سکتا ہے۔ (شامی)

یہ چند تجاویز کا ایک سرسری خاکہ ہے جن کے تحت ماہر علماء اور قانون دان حضرات کے مشورہ سے ان مسائل کی تفصیلات سامنے رکھ کر قانون بنایا جا سکتا ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

شعبان ۱۳۸۲ھ

حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج

مختلف المذہب زوجین

کے احکام

تاریخ تالیف ——— ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ (مطابق ۱۹۳۴ء)

مقام تالیف ——— ایضاً

یہ مقالہ درحقیقت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی تالیف "الحیلۃ الناجزۃ" کا ایک ضمیمہ ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ زوجین اگر مختلف المذہب ہوں یا ان سے کوئی مرتد ہو جائے تو اس سے نکاح پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ و لا

سیما علیٰ سیدنا المجتبیٰ و من بھدیہ اھتدیٰ.

و بعد الحمد و الصلوٰۃ عرض ہے کہ مذہب زوجین کے اختلاف کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو، دوسرے یہ کہ بعد نکاح پیدا ہو جائے۔

پہلی صورت

میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو، تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اول:...... یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور در حقیقت لامذہب دہریہ نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔

دوسرے:...... یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں کے نکاح سے منع فرما دیا تھا۔

(اخرجه الحافظ ابن كثير في تفسير قوله تعالىٰ ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن والامام محمد في كتاب الآثار وصرح بالكراهة واختار انها تحريمية في الحربية العلامة الشامي في محرمات رد المحتار ص ۴۱۳، ج ۲)

اور جب عہد فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں۔ بالخصوص موجودہ قوم یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین اور دنیا کو تباہ کر دینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد زوجین کا یا ان میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے اس کے چار احتمال ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ دونوں کافر تھے، پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہو گئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے۔

ان دونوں (۱) احتمالوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ بدستور قائم رہتا ہے۔

(كما صرح به في نكاح الكافر التنوير وسائر المتون)

تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جاوے، اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے اس کے دو جزو ہیں۔

پہلا جزو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو جائے، اور عورت کفر پر رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت (۲) کتابیہ ہے تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بحالہٖ قائم رہے گا، گو وہ اہل

---

(۱) گو ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا، مگر تہذیب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ منہ

(۲) بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو، اگر مرد کے اسلام سے پیچھے کتابیہ ہوئی تھی تو اب کے نکاح سابق باطل ہو گیا ۱۲ منہ

کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا اختیار کرے مثلاً یہودیہ سے نصرانیہ ہو جائے، یا بالعکس، اسی طرح اگر ایسا ہوا کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے، اسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کرلیا، اس صورت میں بھی نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا، البتہ اگر اس کا عکس ہوا یعنی اسلام زوج کے بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت وغیرہ اختیار کرلی تو نکاح ٹوٹ جاوے گا، کما صرح بہ فی نکاح الکافر من الدر المختار والشامی اور اگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے، تو اس میں یہ تفصیل ہے، کہ یہ واقعہ دارالاسلام (۱) میں ہوا ہے، تو قاضی اس کی عورت پر اسلام پیش کرے، وہ بھی اسلام قبول کرلے، تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے، یا سکوت کرے، تو نکاح فوراً فسخ کر دیا جائے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب میں ہوا ہے، تو وہاں عورت پر تین حیض گزر جانا اسلام سے انکار کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو، اور تین حیض اسی حالت پر گذر جائیں، تو نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ عورت مسلمان ہو جائے، اور خاوند کفر پر باقی رہے، تو خواہ یہ کافر کتابی ہو، یا غیر کتابی ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دارالاسلام کا ہے، تو قاضی اس کے خاوند پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر اسلام قبول نہ کرے، یا سکوت کرے، تو قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب کا ہے، تو عورت کے تین حیض گزر جانا ہے انکار اسلام کے قائم مقام ہو جاوے گا، اور بعد تین حیض گزرنے کے عورت بائنہ ہو جاوے گی۔

(۱) یعنی میاں بیوی دونوں دارالاسلام میں ہوں اور اگر ایک دارالاسلام میں ہو، دوسرا دارالحرب میں تو تفریق قاضی نہیں ہو سکتی، بلکہ تین حیض گزرنے پر بائنہ ہو جاوے گی، یعنی خود بخود نکاح جاتا رہے گا۔ کما صرح بہ الشامی تحت قول الدر ولو اسلم احدھما الخ ۱۲ منہ

عدت کا حکم

(بصورت اسلام احد الزوجین)

اگر زوجہ اور شوہر دونوں دار الاسلام میں ہوں، اور عرض اسلام کے بعد تفریق کی گئی ہے، تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے، اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دار الحرب میں ہیں، اور اس لئے عرض اسلام نہ ہو سکا، بلکہ تین حیض گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت واجب نہیں (۱) اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گزارنا واجب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک عدت واجب (۲) نہیں، اور احتیاط اسی میں ہے، کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (شامی باب نکاح الکافر ص:۳۲۱، ج:۲)

چوتھا احتمال یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جاوے اس کے دو جزو ہیں، ایک خاوند کا مرتد ہو جانا، دوسرے زوجہ کا مرتد ہونا، دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں، اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

ف:...... زوجین کے اختلاف مذہب کی پہلی صورت کے احکام میں اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اول کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی خفا و اختلاف نہ تھا، اس لئے ان کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، بلکہ صرف حضرت حکیم الامت دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفاء کیا گیا، اور چوتھے

(۱) یعنی اس کو اسلام کے بعد اس زوجہ کی ہمشیرہ وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے، اگر عدت واجب ہوتی تو انقضاء عدت سے قبل اس کی ہمشیرہ وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا، اور عدت واجب نہ ہونے کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ عورت مسلمان ہو جاوے تو اس کو فوراً کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ حاملہ نہ ہو ورنہ بعد وضع حمل۔ ۱۲ منہ

(۲) لہٰذا اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں ۱۲ منہ

احتمال کی بعض صورتوں کے حکم میں کچھ خفا و اختلاف تھا، اس لئے صرف اس احتمال کے احکام کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

حکم ارتداد شوہر

اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے، اور مرتد ہو جائے، تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی اور حکم حاکم کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے، تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے، اور عورت پر عدت واجب نہیں، اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے، تو پورا مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے۔

لما فی الدر المختار (و ارتداد احدهما)ای الزوجین (فسخ)فلاینقض عدداً (عاجل)بلاقضاء فللموطوءة و لو حكما كل مهرها لتاكده به و لغيرها نصفه لو سمى او المتعة لو ارتد و عليه نفقة العدة.

و فی رد المحتار (قوله بلا قضاء)ای بلاتوقف علی قضاء القاضی و كذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها كما فی البحر (شامی باب نكاح الكافر ص:۴۲۵،ج:۳)

اور عالمگیری کتاب النکاح باب عاشر صفحہ ۳۱۷ جلد :۱، (مصری) میں ہے: اذا ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فی الحال قبل الدخول و بعده۔

تنبیہ ضروری

بعض لوگوں نے صرف ان عبارات کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ اگر عورت مرتد ہو جائے، تب بھی نکاح فسخ ہو جائے گا، اور اسی بناء پر محض ناواقفیت سے تمام روایات فقہیہ کے

خلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بعض کم بخت عورتوں نے اس کو خاوند سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا، اور ارتداد کی بلائے عظیم میں مبتلا ہو کر اپنے عمر بھر کے اعمال صالحہ برباد کر دیئے۔ حالانکہ شرعی طور پر اب بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کر کے پہلے ہی خاوند کے ساتھ رہے، جس کی تفصیل ارتداد زوجہ کے بیان میں عنقریب آرہی ہے۔

حکم ارتداد زوجہ

زوجہ کے ارتداد میں روایات مختلف ہیں، اور کسی قدر تفصیل ہے، جو ذیل میں بحوالہ کتب درج ہے۔

۱: ....فی الهداية من باب نكاح الكافر، اذا ارتد احد الزوجين وقعت الفرقة بغير طلاق، انتهى. قال المحقق ابن الهمام هذا جواب ظاهر المذهب، و بعض مشائخ بلخ و سمرقند افتوا في ردتها بعدم الفرقة حسما لاحتيالها على الخلاص باكبر الكبائر، و عامة مشائخ بخارا افتوا بالفرقة و جبرها على الاسلام و على النكاح مع زوجها الاول لان الحسم بذالك يحصل. و لكل قاض ان يجدد النكاح بينهما بمهر يسير و لو بدينار رضيت ام لا و تعزر خمسة و سبعين سوطا. و لاتسترق المرتدة مادامت في دار الاسلام في ظاهر الرواية و في رواية النوادر عن ابي حنيفةؒ تسترق (فتح القدير نكاح اهل الشرك، ص:۲۹۷، ج:۳)

۲: ....و في فتاوى قاضي خان فصل الفرقة بين الزوجين

ص:۲۶۷، ج:۲، منکوحۃ ارتدت و العیاذ باللّٰہ تعالیٰ حکی عن ابی النصر و ابی القاسم الصفار انھما قالا لایقع الفرقۃ بینھما حتی لاتصل الیٰ مقصودھا ان کان مقصودھا الفرقۃ و فی الروایات الظاھرۃ یقع الفرقۃ و تحبس المرأۃ حتی تسلم و یجدد النکاح سدا لھذا الباب علیھا۔

۳:— و فی العالمگیریۃ الباب العاشر من النکاح مثلہ و بعض الفاظھا تحرم علی زوجھا فتجبر علی الاسلام و لکل قاض ان یجدد النکاح بأدنی شیٔ و لو بدینار سخطت او رضیت و لیس لھا ان تتزوج الا بزوجھا قال الھندوانی اخذ بھذا قال ابو اللیث و بہ نأخذ و کذا فی التمرتاشی۔

۴:— و فی الدر المختار و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح (الی قولہ)و افتی مشائخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتھا (الی قولہ)قال فی النھر و الافتاء بھذا (یعنی بقول مشائخ بلخ) أولیٰ من الافتاء بما فی النوادر (الی قولہ) وحاصلھا انھا بالردۃ تسترق و تکون فیئاً للمسلمین عند أبی حنیفۃ۔

۵:— قال فی رد المحتار و عبارۃ النھر و لایخفی ان الافتاء بما اختارہ ائمۃ بلخ أولیٰ من الافتاء بما فی النوادر و لقد شاھدنا من المشاق فی تجدیدھا فضلاً عن جبرھا بالضرب و نحوہ مالا یعد و لا یحد (الی قولہ)، ومن القواعد المشقۃ تجلب التیسیر (قال الشامی بعد نقلہ)قلت المشقۃ فی التجدید لایقتضی أن یکون قول ائمۃ بلخ أولیٰ مما فی النوادر بل أولیٰ مما مر ان علیہ الفتویٰ و ھو قول البخاریین (الی قولہ) تأمل (شامی ص:۳۲۶، ج:۲)

۲:...... و فی تعزیر الدر المختار ارتدت لتفارق زوجها تجبر علی الاسلام وتعزر خمسة و سبعین سوطاً و لاتتزوج بغیره به یفتی ملتقط. قال الشامی قوله لاتتزوج بغیره بل تقدم انها تجبر علی تجدید النکاح بمهر یسیر و هذه احدی روایات ثلاث تقدمت فی الطلاق الثانیة انها لاتبین رداً لقصدها السیئ. الثالثة ما فی النوادر من انه یتملکها رقیقة ان کان مصرفاً. (شامی ص:۲۰۷،ج:۳)

۷:...... و فی قنیة الفتاوی تحرم اللعینة وتجبر علی الاسلام (برمز النوازل و الواقعات للناطفی) و فیها بعض مشائخ بلخ و أبوالقاسم الصفار و اسمٰعیل الزاهد من ائمة بخاری و بعض ائمة سمرقند کانوا یفتون بعدم الفرقة بردتها حسما لباب المعصیة و فی الجامع الاصغر کان شاذان و أبوالنصر الدبوسی یفتیان بانها لاتبین (شرح الصباغی)و فیها المرتدة مادامت فی دارالاسلام فانها لاتسترق فی ظاهر الروایة و فی النوادر عن ابی حنیفة أنها تسترق (مجد الائمة الترجمانی)ثم قال و لو کان الزوج (۱)عالماً استولیٰ علیها بعد الردة فتکون فیئاً للمسلمین عند أبی حنیفة ثم یشتریها من الامام أو یصرفها الیه ان کان مصرفاً فلو أفتی مفت بهذه الروایة حسما لهذا الامر لابأس به قلت و فی زماننا بعد فتنة التتر العامة صارت هذه الولایات التی غلبوا علیها و أجروا أحکامهم فیهم کخوارزم و ماوراء النهر و خراسان و نحوها صارت دارالحرب فی الظاهر فلو استولیٰ علیها الزوج بعد الردة یملکها(۲) و لایحتاج الیٰ شرائها من

(۱) هکذا فی الاصل و لم یظهر فالذله فلیتامل. ۱۲ منه

(۲) فیه ان الاحراز بدار الاسلام شرط الاستیلاء کما صرح به الشامی فی باب الاستیمان حیث قال و لا ملک قبل الاحراز بدارنا فکیف یصح القول بالملک هٰهنا فلیتامل و یمکن ان یجاب بان الاحراز بالدار یکون شرطا لتملک المسلم لا لمن یسکن فی دار الحرب ۱۲ منه

الامام فتبقى فى يده بحكم الرق حسما لكيد الجهلة و مكر المكرة على ما أشار اليه فى السير الكبير (قنية الفتاوىٰ ص: ۸۰،باب نكاح الكافر) قال الشامى بعد نقل هذه العبارة من القنية قوله يملكها مبنى على ظاهر الرواية من انها لاتسترق مادامت فى دارالاسلام و لاحاجة الى الافتاء برواية النوادر لما ذكر من صيرورة دارهم دار الحرب فى زمانهم فيملكها بمجرد الاستيلاء عليها لانها ليست فى دارالاسلام فافهم. (شامى ص: ۴۰۳،ج: ۲)

۸:.....و فى شرح الفقه الاكبر لملا على قارئؒ ، و فى المضمرات لو أفتى لامرأة بالكفر لتبين من زوجها فقد كفر قبلها. و تجبر المرأة على الاسلام و تضرب خمسة و سبعين سوطاً و ليس لها ان تتزوج الا بزوجها الاول هكذا قال ابوبكر وكان أبوجعفرؒ يفتى بها و يأخذ بهذا انتهى . و قال بعضهم ان ردتها لاتؤثر فى افساد النكاح و لايؤمر بتجديد النكاح حسماً لهذا الباب عليهن. و عامة علماء بخارى يقولون كفرها يعمل فى افساد النكاح لكنها تجبر على النكاح مع زوجها قطعاً و هذا فرقة بغير طلاق بالاجماع و عليها الفتوىٰ كذا فى منهاج المصلين.

(شرح فقه أكبر مجتبائى ،ص: ۲۲۱)

۹:.....و فى باب المرتد من الدرالمختار و ليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتى (قال الشامى تحته) و قد أفتى الدبوسى و الصفار و بعض أهل سمرقند بعدم وقوع الفرقة بالردة رداً عليها و غيرهم مشوا على الظاهر و لكن حكموا بجبرها على تجديد النكاح مع الزوج و تضرب خمسة و سبعين سوطا و اختاره قاضى خان للفتوىٰ.

(شامى ص: ۳۳۱،ج: ۱)

رفع الاشتباہ

و لایختلج فی صدرک ان قول البلخیین بظاهره یصادم نص الکتاب من قوله تعالیٰ و لاتمسکوا بعصم الکوافر. لأنا نقول ان النص انما ورد فی اسلام الزوج و بقاء الزوجة علی الکفر فمسئلتنا هذه اعنی ارتداد الزوجة غیر داخل فیه نصاً بل للاجتهاد فیه مساغ.

قال فی التفسیر الأحمدی ثم منع اللّٰه المؤمنین عن نکاح المشرکات حیث قال و لاتمسکوا بعصم الکوافر یعنی و لاتمسکوا بما یعتصم به الکافرات من عقد و سبب أی لاتدخلوا الکافرات تحت نکاحکم علی ما قدمه الامام الزاهد و الاولیٰ ان یحمل الامساک علی حالة البقاء دون الابتداء و المراد النهی عن ابقاء نکاح التی بقیت فی دارالحرب أو لحقت بدارالحرب مرتدة علی ما قاله صاحب الکشاف و المدارک فالمعنی لاتحفظوها تحت تصرفکم.

و فی البحر المحیط ص:۲۵۸ ، ج: ۱ قال ابن عطیة هذه الأیة کلها (أی قوله تعالیٰ یا أیها الذین امنوا اذا جاء کم المؤمنات الخ) قد ارتفع حکمها و فیه ایضاً قال ابن العربی کان هذا حکم اللّٰه تعالیٰ مخصوصاً بذالک الزمان فی تلک النازلة خاصة باجماع الامة.

لایقال ان بقاء نکاح المرتدة و ان لم یصادمه النص و لکن دلالة هذا النص تعارضه لانا نقول ان مسئلتنا هذه لاتدخل تحت دلالة النص ایضاً فان دلالة النص لایطلق الا علی ما یستفاد من النص لغةً بحیث یفهمه عامة أهل اللغة و فسخ النکاح بالارتداد لم یزل عرضة للاجتهاد ، فانکره

القاضی ابن ابی لیلیٰ مطلقاً کما فی مبسوط السرخسی ص: ۴۹، ج: ۵ . وبه قال داؤد الظاهری کما عزاه الیه ابن قدامة فی المغنی ص: ۵۶۴، ج: ۷ . و قال الشافعیؒ و أحمد فی احدی الروایتین ان الارتداد اذا وقع بعد الدخول یتوقف فسخ النکاح علی انقضاء العدة کما صرح به فی فتح القدیر . فلو کان فسخ النکاح بالارتداد مدلول النص فلایخفی علم مثل هؤلاء الائمه الأجلة و لهذا لم تجد فی شیء من الکتب ان الذین اختاروا ظاهر الروایة ینکرون علیٰ ائمة بلخ و سمرقند بمصادمة النص . فانه لو کانت فتواهم مخالفة للنص لنبهوا علیها وردوها علی أکمل وجه و أتمه.

و ان قیل ان نص الایة و دلالته و ان لم یشمل مانحن فیه و لکنه ملحق بالمنصوص قیاسا، قلنا ذالک ما کنا نبغ فقد ثبت به ان للاجتهاد فیه مساغا فلا لوم علی من لم یلحقه بالمنصوص لفارق بینهما و هو ان الموجب للفسخ فی المنصوص هو الاباء عن الاسلام او البقاء علی الکفر جزاء لفعله، ولا خفاء فی ان الارتداد بعد الاسلام أشد و أقبح من البقاء علی الکفر الاصلی و الاباء عن الاسلام فیقتضی جزاء أشد و أنکل فکیف یقاس الاشد علی الاخف. ولاشک ان الحکم بفسخ النکاح فی المرتدة مع اختیارها فی ابتغاء الازواج و ترکها سدی بحیث تذهب الیٰ حیث شاءت و تتزوج بمن شاء ت کما فی الکافرة الاصلیة لیس من العقوبة و النکال فی شیء بل هو عین مغزاها و مرماها. نعم الحکم بعدم الفسخ علی وجه المعاقبة جزاء بما اکتسبت من ارتدادها اغلظ و اقرب للانزجار و هی أولیٰ به انتهیٰ هذا محصل تحقیق علماء السهارنفور مد فیوضهم العالیة.

قلت فان خالج فی قلبک ان العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب و اللفظ عام فیشمل ما نحن فیه و بخالفه فتوی علماء بلغ فازعه ان المراد فی هذا الاصل العموم الذی لایجاوز مراد المتکلم المفهوم من القرائن لا العموم المطلق و الا لزم القول بالنهی عن الصوم فی السفر مطلقاً لحدیث لیس من البر الصیام فی السفر. و اللازم منتف و ههنا لیس مراد المتکلم العموم لما نحن فیه. و دلیله نفس اجزاء الایة من قوله تعالیٰ: واسألوا ما انفقتم و لیسألوا ما انفقوا و قوله تعالیٰ و ان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذهبت ازواجهم مثل ما انفقوا فان هذه الاحکام لیست عامة لما نحن فیه و یدل علی عدم العموم الاجماع کما مر عن ابن العربی.

روایات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوگیا:

کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں:

ایک ظاہر الروایۃ: جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو جائے گا، لیکن پھر اس کو حبس و قید کر کے تجدید اسلام پر بھی اور اس پر بھی مجبور کیا جائے گا، کہ وہ اپنے پہلے ہی خاوند سے تجدید نکاح کرے، جیسا کہ عبارت قاضی خان نمبرا اور عالمگیری کی عبارت نمبر۳ اور عبارت درمختار و شامی نمبر۹ میں اس کی تصریح ہے کہ ظاہر الروایۃ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض خاوند اول سے علیحدہ ہونا ہی ہو، یا حقیقتاً اس کے عقائد بدل گئے ہوں، دونوں صورتوں میں اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا،

کما صرح به الشامی حیث قال و لایلزم من هذا ان یکون الجبر

على تجديد النكاح مقصوراً على ما اذا ارتدت لاجل الخلاص منه بل قالوا ذالک سداً لهذا الباب من أصله سواء تعمدت الخلاص أم لا كيلا تجعل ذالک حيلة . (شامی باب نکاح الکافر ص: ۴۲۵، ج: ۲)

دوسرا قول: مشائخ بلخ وسمرقند اور بعض مشائخ بخارا اسمٰعیل زاہد اور ابوالنصر الدبوسی اور ابوقاسم صفار کا فتویٰ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا، بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے جیسا کہ عبارت فتح القدیر نمبر ا وعبارت قاضی خان نمبر ۲ وعبارت درمختار نمبر ۴ وعبارت شامی نمبر ۵ نمبر ۶ وعبارت قنیہ نمبر ۷ اور شرح فقہ اکبر نمبر ۸ میں اس کی تصریح ہے۔

تیسرا قول: وہ نوادر کی روایت ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کہ یہ عورت دارالاسلام (۱) میں بھی کنیز بنا کر رکھی جائے گی، اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا۔

لیکن اس روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ مرتد دارالاسلام میں ہو، تو اس کا خاوند اس کو امام المسلمین سے قیمت دے کر خریدے گا، یا اگر امام المسلمین اس کو مصرف سمجھیں گے، تو اس کو مفت بھی دے دیں گے۔ بہر حال بغیر اجازت امام اس کو اپنے قبضہ میں لانا جائز نہ ہوگا۔

اور اگر دارالحرب میں ہے، تو اذن امام کی حاجت نہیں، بلکہ جب خاوند اس پر قبضہ (۲) پائے، تو اس کی ملک ہو جاوے گی، اجازت امام وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں جیسا

(۱) تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی جاوے یا دارالحرب میں ہی مرتد ہو تو اس کو کنیز بنانے پر ظاہر الروایہ بھی متفق ہے نوادر اور ظاہر الروایہ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں جیسا کہ فتح القدیر اور قنیہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہے ۱۲ منہ

(۲) و اذكر صاحب منافي الحاشية على عبارة القنية من ان القواعد تقتضي اشتراط الاحراز بدار الاسلام في الاستيلاء ۔۱۲ منہ

اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایت سے بھی زیادہ مشکل بلکہ بحالات موجودہ غیر ممکن ہے۔

اس لئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا۔

اور صاحب نہر کو اگرچہ ان مشکلات کا سامنا نہ تھا جو آج ہم کو درپیش ہیں مگر وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتویٰ دینے کو تجویز فرماتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ عبارت شامی مندرجہ نمبر ۵ میں ان کی عبارت نقل کی گئی ہے۔

اور علامہ شامی بھی اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کرتے، اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے، اور جب اس پر قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتویٰ دینا متعین ہے اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کر کے تردید نہیں کرتے۔

پس ہندوستان میں بحالات موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق یوں فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

بعض مسائل ضروریہ

مسئلہ ...... مشائخ بلخ (۱) کے قول کے موافق جب کہ بقاء نکاح کا فتویٰ دیا جائے تو اس صورت میں اس امر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام کے قبل شوہر کے

---

(۱) اسی طرح روایت نوادر میں بھی جو قاضی کی صورت میں بھی موقوف نہ ہو [illegible] ملحوظ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ [illegible] کے تصریحات سے ظاہر ہے۔

اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل و لمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے، کیونکہ آیت کریمہ لاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا ظاہر ہے، اور اس پر اجماع بھی ہے، اور کتابیہ کا استثناء جو آیت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب میں وارد ہوا ہے، اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے، وہ مرتدہ اس میں داخل نہیں، جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کرلیا ہو۔

اور قول مذکور پر بقاء نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالت کفر میں صحبت و جماع و دواعی جماع بھی جائز رہیں، فقہ احناف میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحت نکاح و بقاء نکاح کے جماع و دواعی جماع حرام ہوتے ہیں۔ جیسے موطوۃ بالشبہہ کہ اس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے، مگر انقضائے عدت تک اس سے ہمبستری وغیرہ بالکل حرام ہے، اسی طرح حاملہ من الزنا اگر غیر زانی سے نکاح کرے، تو گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے، مگر شوہر کو صحبت جائز نہیں ہوتی۔

مسئلہ:......حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا تو آیت مذکورہ اور اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولیٰ میں ثابت ہو چکا ہے، پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں، مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں، جیسا کہ عبارت شرح فقہ اکبر نمبر ۸ میں اس کی تصریح گزری ہے۔ لیکن اس خاص جزو میں ظاہر الروایت کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں لہٰذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جاوے گا کہ اس میں احتیاط ہے۔

مسئلہ:......صورت مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے انقضائے عدت ضروری نہیں (کما ہو ظاہر) لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے، جو دس درہم سے کم نہ ہو، جیسا کہ فتح القدیر نمبر ا وغیرہ کی عبارات گذشتہ سے معلوم ہو چکا ہے، اور مہر سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہی ہے۔

خلاصہ فتویٰ

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتویٰ کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ میں رہے گی، دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔

لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے، اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جاوے گا۔

واللّٰه سبحانه و تعالىٰ أعلم و هو المستعان و عليه التكلان و الحمد لله الذي بعزته و جلاله تتم الصالحات.

تصدیقات (۱)

حضرات علماء امداد العلوم تھانہ بھون و دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور جو اس رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ یا احکام الزوجین کے احکام کی ترتیب و تہذیب و تصحیح و تنقیح میں شریک رہے۔

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ۱۳۶۵ھ

از امداد العلوم تھانہ بھون

عورت کے مرتد ہونے سے فسخ نکاح نہ ہونے پر جناب مفتی صاحب مدظلہم نے جو تحریر فرمایا ہے، وہ بالکل درست ہے، اس تحقیق انیق کی خاص جامعیت اور ضرورت کو دیکھ کر بیساختہ دل سے نکلا ہے۔ للّٰه در المجیب حیث اجاد و اصاب فیما افاد و اجاب۔

الاحکام کلها صحیحة
اشرف علی
۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ
الجواب صواب
سراج احمد امروہی
مدرس خانقاہ امدادیہ

کمترین خلائق احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ
منتظم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳ رمضان مبارک ۱۳۵۲ھ

(۱) اس ضمیمہ کے شروع میں تین ورق کے بعد جہاں یہ عنوان ہے: چوتھا احتمال اس عنوان کے اخیر میں ف کے تحت میں ان تصدیقات کے متعلق ایک مضمون ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

طالعت هذه الضميمة الفخيمة و تشرفت بتوسم هذه الدرة اليتيمة فلله در من اخرجها من الصدف الانيق و استخرجها من البحر العميق و انا موافق لجميع ما في الباب و مسرور بضم هذه الضميمة باصل الكتاب و الله اعلم بالصواب .

حرره بقلمه العبد المذنب

ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ رمضان ۱۳۵۲ھ

از مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند

بالکل صحیح و درست ہے۔	الجواب صحیح
فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ	حسین احمد غفرلہ
(مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ)	بندہ سید محمد مبارک علی غفرلہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ	محمد رسول خان عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح
عبد السمیع عفی عنہ	مسعود احمد عفا اللہ عنہ
المجیب مصیب	احقر العباد
ریاض الدین عفی عنہ	محمد طیب غفرلہ

از مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ
ناظم مدرسہ مظاہر علوم
۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح

محمد زکریا کاندھلوی مدرس مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صواب

بندہ عبد الرحمن غفرلہ
مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بندہ محمد اسعد اللہ عفا اللہ عنہ

خاتمہ

حضرت امام العارفین سراج السالکین خضر الطریق مظہر التوفیق فقیہ العصر حکیم الامت مجدد الملت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ کی تمہید میں حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے، کہ چند مسائل متعلقہ ازدواج بصورت اختلاف مذہب کا اضافہ بطور ضمیمہ کیا جاوے گا، جس میں خصوصیت سے یہ بات بھی واضح کی جاوے گی کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، یا نہیں اور بعد تجدید اسلام دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے قلت فرصت کی وجہ سے اس ناکارہ غلام کو ارشاد فرمایا اس لئے تعمیل ارشاد کے لئے یہ رسالہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، اور نام اس کا حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج تجویز ہوا حق تعالیٰ اس کو بھی اصل رسالہ کی طرح مفید ومقبول فرمادے، اور حضرت کے فیوض سے متمتع فرمادے آمین!

بندہ محمد شفیع دیوبندی غفرلہ
خادم دار الافتاء دیوبند

نابالغہ کے نکاح

میں سوءِ اختیار

تاریخِ تالیف ــــــــ ۱۷ رجب ۱۳۸۹ھ (مطابق ۱۹۶۹ء)

مقامِ تالیف ــــــــ دارالعلوم کراچی

نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کر دے تو کس صورت میں اس کو اختیارِ فسخ ملے گا؟ اور باپ کو کب سیئی الاختیار قرار دیا جائے گا؟..... نیز اس نکاح کو فسخ کرنے کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ ایک استفتاء اور اس کا جواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ مسمی زید ناحق طور پر قتل کے کیس میں ماخوذ ہو گیا، جس میں چار دوسرے قاتل تھے، مسمی زید ناحق تھا۔ کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء، مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح تجویزیں کرتے رہے، کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں، اور سزا کا خطرہ غالب تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلین کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں، اور مقتول کے ورثاء سیشن کی عدالت میں اپنے گواہان بٹھا دیں گے۔ چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا، اور تین شیرخوار لڑکیوں کے عقد کر دیے گئے۔ مسمی زید کی لڑکی کا عقد اس کے چچا سے جو کہ مقتول کا بھائی اور لوفر مزاج آدمی تھا زید کی اجازت سے کر دیا گیا۔

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی، جس سے پانچوں ملزموں کو حکم سزائے موت سنا دیا گیا ہے۔ چار ہزار روپے تو ثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کر دیا کہ تم نے دھوکہ کیا ہے، لہٰذا تم اس کے حق دار نہیں۔ مگر عقد تو پہلے ہو چکے تھے۔ اب اس چودہ سال کے بعد زید کی لڑکی جوان ہوئی، تو اس نے اپنے عقد کی تنسیخ کا اعلان کر دیا، اور شہادتیں فراہم کیں۔ اب

شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جب کہ موت وحیات کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا، اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیر خوردہ کا عقد کر دیا تھا، پھر ایک لوفر طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جب کہ اس ہندہ مظلومہ کو وہاں ذلت وخواری نصیب ہوگی، شرعاً عقد درست ہے، یا نہیں ہے؟ بصورت ثانی ہندہ کسی دوسری جگہ عقد کر کے شریفانہ زندگی گذارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتداء ہی سے باپ یعنی الاختیار نہیں ہے؟ جس میں مسماۃ کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا لڑکی مذکورہ آزاد ہے، جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ بوادر النوادر ج:۲ ص:۹۲ میں ہے کہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے، اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے، اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفی اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی و برضاء ورثاء دوسری جگہ بلا تنسیخ عدالت نکاح کر لیا، اور تقریباً ۹ ویں ماہ سے وہاں راضی وخوشی آباد ہے، اب فریق

ولی نے اس کے خلاف دلوا دیا، کہا کہ پہلا نکاح کچا تھا، اب نکاح پر نکاح ہو گیا، نکاح خواں قاضی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے، اور اس امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے۔ انھوں نے چھ فتوے بھی منگوائے۔ باپ کا کیا ہوا عقد ہے، جو صحیح ہے، کیونکہ اس نے جیل میں سے اجازت دی تھی۔ چنانچہ اس مسئلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے۔

۱۔ درست ہے نابالغہ کا نکاح باپ کا کیا ہوا فسخ بھی نہیں ہو سکتا، سوائے ایک صورت کے کہ باپ معروف بسوء الاختیار ہو، یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصلحت کے خلاف لگانے میں مشہور و معروف ہو، اور مشہور و معروف ہونے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جیسے فتاویٰ شامی میں ہے کہ اپنا اختیار ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصلحت لڑکی کے کر چکا ہو، صرف اسی وقت غلط طریقہ کرنے سے معروف بسوء الاختیار نہیں ہو سکتا، اس لئے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اب جس طرح ہو سکے زور سے، لالچ سے، جبر سے طلاق لی جائے تو علیحدگی ہو سکتی ہے۔

۲۔ یعنی الاختیار ہونے سے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا، معروف بسوء الاختیار ہونے سے حاصل ہوتا ہے، جس کا مطلب (نمبر۱) میں عرض کر دیا گیا ہے۔

کتبہ جمیل احمد تھانوی
مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن
۲۸/۳/۸۹ھ

حضرت والا! آپ اس کے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں،

کیونکہ موجودہ دور میں اس قسم کے کئی عقد ہوتے ہیں، اور تجربہ ہوا ہے کہ اکثر آبادی کے
کچھ نہیں، اور حصول طلاق بھی مخالفین سے مشکل ہے، اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی
دشوار ہے، کیا معروف بسوء الاختیار کی جو تشریح علامہ شامی نے فرمائی ہے یہاں کی
جا سکتی ہے؟ جب کہ صاحب فتح القدیر، بحر الرائق، فتاویٰ خیریہ، درمختار میں سوء
الاختیار کے لئے واقعہ اول شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

محمد بخش چاہ ویاں سرگودھا

الجواب

حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو
بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا، وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں
دعویٰ کرے، شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم
سے فسخ کرا سکتی ہے، خود بخود نکاح باطل نہیں ہوگا، اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح
حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کر لیا ہے تو وہ شرعاً صحیح درست ہے۔ مذکورہ کے
فتوے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے، اس لئے خیار بلوغ حاصل
نہ ہوگا، یہ اس صورت میں صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ باپ کا سوء اختیار اس معاملہ میں اتنا
واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی اب یقین نہیں ہو سکتا۔ اور علامہ شامی
نے جو فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح کی ہے
کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا، جب کہ ایک
مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے بوجھتے

ہوئے اس کی مصالح کے خلاف کر چکا ہو، تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہوگیا، کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا، دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کر دے گا، تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا، یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔ خصوصاً جب کہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے، وہ کوئی یقینی وجہ نہیں، لکھتے ہیں:

ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار لزم احالة المسئلة اعني قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفو ان كان الولي اباً او جداً (شامی ص: ۳۳۰، ج: ۲ مصری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے، تو تحقق سوء اختیار کا متعین ہے۔ اگر صرف تحقق سوء اختیار کافی ہوتا، تو آگے یہ شرط لم یعرف بسوء الاختیار بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں، بعض اوقات ایک شفیق اور عقلمند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے، اور مہر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے، مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے خوش گوار رہنے کی قوی امید ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب مہر مثل سے کم پر عقد کیا یا کسی غیر کفو میں کیا، تو سوء اختیار متحقق ہوگیا، وہ سوء اختیار نہیں، دانشمندانہ مصلحانہ اختیار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصل عبارت لم یعرف بسوء الاختیار ہے، اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ حالت مشتبہ نہ ہو کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے، لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہ رکھا،

جب یہ بات مشتبہ ہو رہی ہے تو حکم یہی ہوگا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے۔ اس جملہ
لم یعرف کی شرح جو در مختار اور تمام کتب فقہ میں مختصر طور پر لکھی گئی، وہ یہ ہے کہ
مجانۃ وفسقاً کی جگہ باپ کا بیہودہ، بے پرواہ یا فاسق ہونا ظاہر ہو تو اس کا حاصل یہ
ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے
مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنی غرض کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار
معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا۔ اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ
علت باقی نہیں رہی جس کی بنا پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء
سے امتیاز دیا گیا ہے۔ یعنی باپ دادا کا وفور شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر
ہونا۔ اور جب واقعہ سے اس کے برعکس یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے محض
اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے، لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں تو باپ دادا
اور دوسرے ولی سب برابر ہو گئے۔ خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ وفسقاً کی
شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے۔ حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار
لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعاً ۔ (شامی ج ۲ ص ۴۱۸) اس میں
نفس باپ کی سفاہت (بے وقوفی) اور طمع ثابت ہو جانے پر عدم انعقاد نکاح کا
فیصلہ فرمایا ہے۔ اور اس پر شامی نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ
معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی نے بحوالہ فتح القدیر جو کچھ لکھا ہے وہ محض
ایک بحث ہے فتح القدیر کی، فتویٰ اور فیصلہ ہے نہ خود علامہ شامی کا۔ اس کی بنیاد پر
تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر نہیں کیا جا
سکتا۔ علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ میں اس مسئلہ کی تنقیح حسب ذیل عنوان سے
کی ہے، اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضح بھی موجود ہیں۔

سئل فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار و عدم النظر فی

العواقب اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير و الشر بغير كفؤ هل يصح ام لا؟ (اجاب) قال ابن فرشته في شرح المجمع: لو عرف من الاب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لايجوز عقده اتفاقاً و مثله في الدر و الغرر و قال في البحر في شرح قول الكنز: و لو زوج طفله غير كفؤ او بغبن فاحش صح و لم يجز ذالك لغير الاب و الجد، اطلق في الاب و الجد و قيده الشارحون و غيرهم: بان لا يكون الاب معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذالك مجانة او فسقا فالعقد باطل على الصحيح. قال في فتح القدير: و من زوج ابنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير و الشر فمن يعلم انه شريرا و فاسق فهو ظاهر سوء اختيارة و لان ترك النظر ههنا مقطوع به، فلا يعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق ذالك نظرا الى شفقة الابوة اه.

ثم قال: و قد وقع في اكثر الفتاوى في هذه المسئلة ان النكاح باطل فظاهره انه لم ينعقد، و في الظهيرية يفرق بينهما، ولم يقل انه باطل و هو الحق، و لذا قال في الذخيرة في قولهم، فالنكاح باطل اى يبطل انتهى كلام البحر، و المسئلة شهيرة (فتاوى خيرية ص: ۲۳)

عبارات مذکورہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے، کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت متحقق ہو جائے، تو اس کا کیا ہوا، نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے حوالہ سے یہ جو لکھا گیا ہے: لان ترک النظر ههنا مقطوع به اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو، یا دوسری مرتبہ، فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی

واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے، وہ محض ایک بحث کی ہے، ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ملتان کا فتویٰ مرجوح ہے، اسی طرح ملتان کے فتویٰ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، لڑکی آزاد ہے، جہاں چاہے نکاح کرے، یہ بھی صحیح نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ خیریہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے اس نکاح کو باطل کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہو سکتا ہے۔

ملتان کے فتویٰ میں جو حوالہ نوادر النوازل کا دیا گیا، صاحب خیریہ کی توجیہ کے مطابق اس کو بھی اسی مفہوم پر متعین ہے کہ بچی بالغ ہونے پر یہ نکاح مرتفع ہو سکتا ہے۔

ثم اعلم ان ما مر عن النوازل من ان النكاح باطل، معناه انه سيبطل كما في الذخيرة، لأن المسئلة مفروضة فيما اذا لم ترض البنت بعد ما كبرت كما صرح به في الخانية والذخيرة وغيرهما، وعليه يحمل ما في القنية: زوج ابنته الصغيرة من رجل ظنه حر الاصل وكان معتقا فهو باطل بالاتفاق اهـ (شامی ص: ۴۰۱، ج: ۲)

اس لئے مسئلہ مذکورہ کا صحیح جواب وہی ہے، جو شروع میں لکھا گیا ہے کہ صورت مسئولہ میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بچی کو بالغ ہو کر خیار فسخ ملے گا، شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرالے تو فسخ ہو جائے گا، دوسرا نکاح جائز ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۷/۷/۱۳۹۹ھ

۵۸

نهايات الارب فى غايات النسب

اِسلام اور نسبی امتیازات

تاریخ تالیف ـــــــــ رجب ۱۳۵۱ھ (مطابق ۱۹۳۲ء)

مقام تالیف ـــــــــ دیوبند

اسلام نے نسبی امتیازات کے بارے میں کیا معتدل راہ اختیار کی ہے؟ یہ اس مقالہ کا موضوع ہے اسی دور رسالہ ہے جس کے بعض حصوں کو صحیح نہ سمجھنے کی بناء پر بعض لوگوں نے پورے ہندوستان میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ایک فتنہ برپا کردیا تھا اور اسی رسالے کی تائید میں حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ اور دیگر متعدد اکابر علماء دیوبند نے مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔

مقدمۂ طبع ثانی

حامداً و مصلیاً رسالہ "نہایات الارب فی غایات النسب"

مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب غور کرنے والوں کے واسطے ایک نہایت عظیم النفع رسالہ ہے، جس کے مطالعہ سے فخر و غرور، نخوت و تکبر کے جذبات قلب سے دور ہو کر خشیت اور تواضع اور فروتنی حاصل ہو جاتی ہے۔ نسبت عالی کا پندار اور علم کا غرور انسان کے دل سے نکل جاتا ہے، اور غربت و مفلسی یا کسی قوم اور پیشہ کی بنا پر کسی کو حقیر سمجھنے کی انتہائی مذمت معلوم ہو جاتی ہے، اور انسان اپنے آپ کو مثل دیگراں ایک بندۂ عاجز و ناچیز رہ سمجھ کر فضل رحمت الٰہی کا منتظر و امیدوار ہو جاتا ہے۔ اس رسالہ میں بعض ایسی روایات حدیث بھی نقل کی گئی تھیں جن سے اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد پیشہ وروں کی تنبیہ اور تحذیر ہے، جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد میں (یا معشر النساء تصدقن و لو من حلیکن فانی رأیت اکثرکن اهل النار) یعنی اے عورتو! صدقہ کیا کرو کیونکہ میں نے دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھی ہیں۔) عورتوں کی توہین و مذمت نہیں، بلکہ ان کو متنبہ کرنا، اور ڈرانا، اور اسباب دخول نار سے بچانا منظور ہے۔ چونکہ وضوح مقصود کی وجہ سے احتمال غلطی کا نہ تھا، اس قسم کی روایات کی بہت زیادہ تخریج و تنقیح نہیں کی گئی تھی، اب بعض نے ترجمہ اور شرح کو دیکھ کر بہت سے پیشہ وروں اور مختلف اقوام کو نہایت رنج و ملال پیش آیا، اور ان

روایات سے تمام پیشہ وروں اور اقوام کی توہین و مذمت خیال کر کے نہایت ناراض و خفا ہوئے۔ اور جناب مؤلف دام فیضہم کی بعض طالب علمانہ رنگ کی عبارات اور اقوال منقولہ من المستطرف وغیرہ کو اپنے لئے نہایت دل خراش وہتک آمیز سمجھا، اور کتاب کو بالکل معدوم کرا دینے یا دل خراش عبارتیں نکال دینے کا مطالبہ کرنے لگے۔ جب یہ اطلاع دیوبند میں پہنچی تو دارالعلوم کی مجلس علمیہ نے باتفاق رائے جناب مفتی صاحب بکمال خلوص و صلح پسندی مطبوعہ رسالہ کی اشاعت روک دینے اور آئندہ طبع میں ان عبارتوں کو بدل دینے کا قصد اور وعدہ کر کے اخبارات میں اعلان کر دیا۔ اس بحث کو بے موقع سمجھا گیا کہ فی الحقیقت وہ عبارتیں اور روایتیں دلخراش ہیں بھی یا نہیں، کیونکہ دارالعلوم اور اس کے علماء درس و تدریس وعظ و تبلیغ وغیرہ اسلامی خدمات کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اور فرق باطلہ کے مقابلے اور مناظرے کے لئے ہمیشہ کمر بستہ ہیں، لیکن اپنے ہم مذہب اور ہم خیال مسلمانوں سے جنگ کرنا، یا ان میں تشتت وافتراق پیدا کرنا نہایت مذموم سمجھتے ہیں۔

پھر وعدہ کو کما حقہ اس طرح پورا کیا گیا کہ جس قدر کتابیں پہلی مطبوعہ موجود تھیں، ان کی اشاعت بالکل روک دی گئی، اور باوجود فرمائش واصرار کے کسی کو وہ رسالہ نہ دیا گیا۔ اور طبع جدید کے وقت بھی اس وعدے کو پیش نظر رکھا گیا، یعنی اس احقر نے جناب مفتی صاحب سے اجازت لے کر مستطرف وغیرہ کتب سے منقول شدہ عبارات کے مقولات اور مفتی صاحب دام فیضہم کی چند عبارات جن پر دل خراش ہونے کا کسی درجہ میں شبہ اور وہم ہو سکتا تھا، کتاب سے حذف کر دیں، اور روایات واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الراس والعینین رکھ کر ان کے معانی کی مزید توضیح و شرح کر دی گئی۔ تاکہ اختصار واجمال سے جو تشویش پیدا ہوئی تھی، اس کا احتمال نہ رہے۔ جناب مفتی صاحب نے جس خلوص وللہیت سے رسالہ تالیف فرمایا تھا، اسی اخلاص

اور قصد اصلاح مسلمین سے یہ تغیر منظور فرمالیا۔ اور ایک مختصر رسالہ میں علیحدہ بھی تشریح روایات احادیث کی عام فہم زبان میں مرتب کر کے شائع کر دی گئی ہے۔ دعا اور امید ہے کہ حق تعالیٰ قلوب مؤمنین و مسلمین میں ان اوراق کے مطالعہ سے سکون اور طمانیت عطا فرمائیں، اور رنج و ملال دفع ہو جائیں۔

راقم الاحقر

فقیر سید اصغر حسین حسنی حنفی عفا اللہ عنہ

مدرس دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الناس من ذکر و انثیٰ و جعلھم شعوباً و قبائل و خص کل احد منھم بما شاء من الاخلاق و الشمائل ثم امرھم ان لا یتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضھم علی بعض من المناقب و الفضائل و نھاھم ان یتفاخروا بالانساب مع الانھماک فی الرذائل. و الصلوۃ و السلام علیٰ من ینفع نسبہ حین تنقطع الانساب، و یقوی سببہ حین یتقطع بھم الاسباب و علی الہ و اصحابہ و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

اَمّا بعد!

دنیا کے مسلمات اور علوم متعارفہ میں سے ہے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی محبوب اور بہتر ہو، جب وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہے تو مضر اور ایک آفت ہو جاتی ہے۔ پانی اور ہوا انسان کے لئے مدار حیات ہیں، لیکن ذرا اعتدال سے زائد ہو جاتی ہیں تو یہی چیزیں مہلک ہو جاتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو دین اور دنیا کی تمام خرابیاں، جرائم، اور معاصی، بد اعمالی و بد خلقی سب ایک لفظ بے اعتدالی کی شرح اور اس کے مختلف شعبے ہیں، اور ہر زمانہ میں اصلاح کرنے والوں کا کام اسی بے اعتدالی کا علاج کرتا رہا ہے۔ جس طرح طب جسمانی میں بے اعتدالی کا نام مرض اور مزاج کا اعتدال کی طرف لانا اصلاح و علاج ہے۔ ٹھیک اسی طرح طب روحانی (دین و شریعت) میں بھی یہی اصول رائج ہے، اس وقت ذیل کے چند اوراق ایک خاص معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیوں اور ان کی اصلاح کے متعلق لکھے جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہوں، اور قطع نزاعات کا سبب بنیں، اور یہ سب اسی قلوب کے مالک کے قبضہ میں ہے، اور اس کے لئے سہل ہے، ورنہ میں کیا اور میرے اوراق کیا۔

نہ بحرف ساختہ سر خوشم، نہ بنقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

اُنساب کے معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیاں

انساب وقبائل میں انساب کی تقسیم وتفریق خداوند عالم کی عظیم الشان نعمت ہے، اور بہت سی گراں قدر حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی کے ذریعہ آدمی اپنا نشان اور پتہ پوری طرح دے سکتا ہے، اسی کے ذریعہ اپنے اقارب اور ارحام کی صلہ رحمی کے حقوق ادا کر سکتا ہے، اس کے ذریعہ تقسیم میراث میں حق دار کو حق پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انسان کو اپنا صحیح پتہ جس میں دوسروں سے پورا امتیاز ہو جائے دینا مشکل ہو جاتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نظام عالم بالکل درہم برہم ہو جائے۔ ایک شخص کا گھر اور تمام مملوکات دوسرا کوئی اسی کا ہم نام قبضالے، مجرم کا پتہ نہ لگے، مجرم کے بجائے بے گناہ مارا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے انساب کو ایک نعمت عظیمہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: فجعلهٗ نسباً و صهراً اور دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا۔

اس نعمت کا حق تو یہ تھا کہ اس کا شکر ادا کرتے، اور اس کے حدود کو قائم رکھتے، لیکن غفلت کیش انسان نے اس نعمت کو بے محل استعمال کیا، اس میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں شروع کیں۔

لوگوں کے معاملہ نسب میں تین طبقے ہو گئے

ایک جماعت نے (جن کو خداوند تعالیٰ نے شرافت عطا فرمائی تھی) اپنے انساب پر بیجا تفاخر وتکبر اور دوسروں کی تحقیر شروع کر دی، اور کمالات حقیقیہ سے قطع نظر کر کے صرف اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں بادشاہ کی اولاد میں ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری ایک جماعت اس کے درپے ہوئی کہ اپنے اصلی نسب پر پردہ ڈال کر کسی بڑے درجہ کے نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں،

اور یہ مرض ایک عرصہ سے روز بروز بڑھ رہا ہے۔ آج کل مسلمانوں کی ہر قوم اور ہر جماعت کو اس کی فکر ہے کہ اپنا نسب کسی بڑے درجے کے صحابی سے یا عرب کے مشہور خاندان سے ملا دیں۔ اس کے لئے جلسے اور انجمنیں منعقد کی جاتی ہیں، کانفرنسیں ہوتی ہیں، مستقل رسائل و اخبارات اسی مقصد کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ پہلا مرض (تفاخر بالانساب) عرب اور عربی النسل لوگوں میں زیادہ ہوا، اور دوسرا مرض (انتساب الی غیر الانساب) عجم اور عجمی النسل دونوں میں کثرت سے پھیلا، لیکن ان دونوں کا مرض درحقیقت ایک ہی مرض تھا کہ اصل کمالات اور حقیقی فضائل کو چھوڑ کر نسب کے پیچھے پڑ گئے اور سب سے زیادہ اہم اور اعلیٰ فضیلت نسب ہی کو سمجھے۔ پھر جن کو حاصل تھا وہ فخر کرنے لگے اور جن کو حاصل نہ تھا اس کے درپے ہو گئے کہ اس کو جبراً حاصل کیا جائے۔ اور ان دونوں کے مقابلہ میں ایک تیسرا طبقہ وہ ہے جو سرے سے تفاضل نسب ہی کا منکر اور فطری امور سے گزر کر معاملات دینیہ میں بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہے، اور اس کا نام مساوات اسلام رکھا ہے۔ یہ بات بھی چونکہ نصوص شرعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف اور حدود شرعیہ سے تجاوز ہے۔ اس لئے یہ بھی ایک مستقل مرض قابل اصلاح ہو گیا۔ آج کل ان معاملات کے متعلق اطراف ملک سے سوالات و استفتاء کی کثرت ہوئی، نکاح شادی کے معاملات میں کفاءت کے باب کو بعض لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا اور مساوات اسلام کے سچے اور صحیح عنوان کا مضمون غلط صورت بنا دی۔ اس لئے خیال ہوا کہ اس بحث کو ایک مستقل رسالہ میں لکھ دیا جائے۔ اور پھر حضرت سیدی و سندی شیخی و معتمدی حضرت مجدد الملۃ والدین محی السنۃ والیقین حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم کے ایک ارشاد نے اس کو اور بھی زیادہ موکد کر دیا۔ اس لئے بنام خدا مختصر و مجمل اس رسالہ کو تین حصوں پر تقسیم کر کے ہر حصہ کو علیحدہ علیحدہ لکھتا ہوں۔

جزو اول: مساوات اسلام کی حقیقت اور انساب اور پیشوں میں تفاضل۔

جزو دوم: التفاخر بالانساب۔

جزو سوم: انتساب الی غیر الانساب۔

مساوات اسلام کی حقیقت پیشوں اور انساب کا تفاضل

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

دنیا کے تمام مذاہب وملل میں یہ امتیاز فقط اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ہر کام میں نہایت اعتدال کو قائم رکھا ہے۔ اس کا ہر قانون اور قانون کی کل دفعات اسی کلیہ کے ماتحت ہیں۔ اور اسی لئے قرآن نے خاص طور سے اس امت مرحومہ کو امت وسط کا لقب دیا ہے:

وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس

اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل جماعت بنایا تا کہ لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ ہو۔

اسلام سے پہلا دنیا کی کل جماعتوں کا دستور العمل "لاٹھی اور بھینس" کے جابرانہ اصول پر مبنی تھا، قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا، ذات پات کی اونچ نیچ نے انسانوں کے طبقات میں اس قدر بون بعید قائم کر دیا تھا کہ جس کو دیکھتے ہوئے ان کو نوع واحد کہنا، اور ایک ہی ماں اور باپ آدم وحواء کی اولاد سمجھنا مشکل تھا۔ رنگ وروپ، کالے، گورے کے امتیاز نے جدا جدا بنا رکھا تھا، اونچے نسب کے آدمی اپنے سے نیچے

لوگوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی روا نہ رکھتے تھے۔ جرم کی سزا بھی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر جاری کی جاتی تھی، بڑے درجہ کے لوگ ساری سزاؤں سے مستثنیٰ، اور تعزیرات کی مشق کے لئے غربا، اشعفا قوم کے بدن وقف تھے۔

جب خداوند تعالیٰ کی رحمت کاملہ اسلام کی صورت میں اہل عالم کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ ظلم وستم کے بادل کالی کی طرح پھٹ گئے، اور اسلام کے معلم اول نے (روحی فداہ وامی وابی صلی اللہ علیہ وسلم) حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں نہایت مؤکد الفاظ کے ساتھ اعلان فرما دیا:

"ایها الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی، ان اکرمکم عند اللّٰه اتقاکم."

ترجمہ: اے لوگو! تمہارا مالک ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلت تقویٰ کے نہیں ہے۔

اور پھر اپنے ہر قول وفعل علم وعمل سے اس کو اس طرح ثابت کر دکھایا کہ ہر ضعیف سے ضعیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان اپنی حد کے اندر بادشاہی کرنے لگا۔ قانون کی دفعات اور ان کے نفاذ میں ذات پات کی اونچ نیچ یا اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا۔

شاہ وگدا بہم در یا وہاں بہ مست
پوشیدہ است پست وبلند زمین درآب

مساوات اسلامی کے معنی اور اس میں لوگوں کی غلط فہمی

لیکن بعض مغرب کے دلدادہ نئی روشنی میں (جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) پرورش پانے والوں نے اس خاص امتیاز اسلامی اور مساوات محمودہ کو بھی ایک غلط معنی پہنائے، اور مغربی دہریت آزادی و بے قیدی کا اسلامی مساوات نام رکھ لیا۔ اور اسی قانون کے ماتحت کہیں عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، اور پردہ دری کو فرض سمجھا، اور کہیں امارت شرعیہ کو جس کا مدار مشورہ اور تحقیق کے بعد صرف امیر کے عزم اور شرح صدر پر ہوتا تھا، یوروپین جمہوریت کا لباس پہنایا، اور کہیں معاملات دنیویہ نکاح وغیرہ میں بھی انساب اور اکفاء کی رعایت کو جو ٹھیک شرعی قانون ہے، (معاذ اللہ) لغو بیکار بلکہ مضر بتلایا۔

الغرض اسلامی مساوات کو اندھیر نگری کی کہانی بنا دیا، اور موجودہ بالشویزم اصول سے جا ملایا، اسلئے ضرورت ہوئی کہ مساوات کی حقیقت کو واضح کیا جائے تاکہ حق و باطل کا التباس رفع ہو۔ اور معلوم ہو جائے کہ اسلام کے معتدل اور متوسط قانون نے جو مساوات قائم فرمائی ہے، صرف وہی ایک ایسی معقول چیز ہے، جو اہل عقل کے نزدیک معمول بہا ہو سکتی ہے۔ اس سے آگے جس کسی نے قدم رکھا، سخت ٹھوکر کھائی، اور طرح طرح کی آفتوں کا دروازہ کھول دیا۔

سنئے یہ بات کچھ زیادہ غور طلب نہیں کہ مساوات کی یہ اندھیر نگری کہ حاکم، محکوم، خاوند، بیوی، باپ، بیٹا، مرد، عورت، مجرم، غیر مجرم، مہذب، غیر مہذب، شریف و رذیل سب ایک پلہ میں تلنے لگیں، اور ایک لاٹھی ہانکے جائیں۔ اور سب کے سب تمام حقوق اور معاملات میں برابر گنے جائیں۔ اس سے نہ صرف دین و مذہب کی بنیادیں اکھڑتی ہیں، بلکہ دنیاداری کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں، اور زندگی

وبال ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ مساوات جو مطلوب و محمود ہے کسی ذی ہوش کے نزدیک اس اندھیر کا نام نہیں ہو سکتا۔ شریعت اسلام میں مرد کا حق عورت سے دوگنا ہونا بہت سے احکام میں بنص قرآنی ثابت ہے، بنی ہاشم کے لئے ممانعت زکوٰۃ کا حکم مخصوص ہونا، قریش کے لئے حق خلافت مخصوص ہونا، کفار عرب سے جزیہ قبول نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے احکام ہیں جن سے دفعات قانون میں فطری درجات کا لحاظ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

بلکہ مساوات کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے جو قانون عدل قرآن و حدیث کے اندر نازل فرمایا ہے، اور جو حدود قائم کردی ہیں، اس قانون کی تنفیذ میں کسی سے رعایت نہ کی جائے، اس میں ایک بڑے سے بڑا بادشاہ اور ادنیٰ سے ادنیٰ فقیر برابر ہوں۔ نفاذ قانون میں ذات پات کی اونچ نیچ اور رنگ و روپ کا امتیاز درمیان میں نہ آئے، نہ یہ کہ قانون ہی ایسا مہمل بنایا جائے کہ گدھا اور گھوڑا برابر ہوں، مرد و عورت اور حاکم و محکوم کے حق میں کوئی امتیاز نہ ہو۔

الغرض جو مساوات عقلاً محمود ہے، وہ یہ ہے کہ اجراء قانون میں مساوات برتی جائے، جو شخص قانون کی رو سے کسی خاص معاملہ کا حق دار ہو، اس میں کسی کی رعایت و مروت یا خوف و طمع سے کمی زیادتی نہ کی جائے، نہ یہ کہ خود قانون کی دفعات بھی ہر شخص کے لئے ہر معاملہ میں برابر ہوں۔

اسلام نے اپنے ہر حکم اور ہر عمل میں اس مساوات محمودہ کی اس درجہ پابندی کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، جس کے چند نمونے یہ ہیں:

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر فاطمہؓ بھی (معاذ اللہ) چوری کرتیں، تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اور شرعی شہادت سے ثابت ہو کر حسب قانون اسلامی اس کے لئے ہاتھ قطع کرنے کی سزا تجویز ہوئی۔ یہ عورت چونکہ اونچے خاندان کی تھی، لوگوں کو خیال ہوا کہ کسی طرح سعی و سفارش کر کے اس کو سزا سے بچا لیا جائے۔ اور باہمی مشوروں سے یہ طے پایا کہ ایسے کام کے لئے صرف حضرت اسامہؓ ہی جرأت کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے اور بے تکلف ہیں، سب نے ان کو اس کام کے لئے آمادہ کیا، انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عورت مخزومیہ کے لئے سفارش پیش فرمائی۔

رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناراضی کے لہجہ میں) ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ! کیا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارہ میں سفارش کرتے ہو، اور پھر اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی کہ اس کام کے لئے مجمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"انما اهلك الذين من قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها."

رواہ البخاری ومسلم وابو داود والترمذی والنسائی

(ترغیب ص ۱۸۰، ج ۳)

ترجمہ: یقیناً تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئے کہ ان کو عادت تھی کہ جب کوئی بڑا آدمی ان میں چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور کوئی ضعیف ادنیٰ چوری کرتا تو اس پر حد (سزا) جاری کرتے تھے۔

اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ اگر (خدانخواستہ) محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار مسلمانوں کی قید میں

غزوۂ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، حضرت عمرؓ رات کو قید کی تکلیف سے کراہتے تھے، ان کی آواز آپؐ کے گوش مبارک میں پہنچی تو نیند اڑ گئی، لوگوں نے نیند نہ آنے کا سبب پوچھا، تو فرمایا میں کیسے سو سکتا ہوں، جب کہ میرے عم بزرگوار کے کراہنے کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی ہے۔ (کنز العمال ص: ۲۷۲ ج ۵)

پھر جب یہ رائے طے ہوگئی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تو اس میں بھی عم بزرگوار فدیہ سے مستثنیٰ نہ ہوئے، بلکہ بہ نسبت عام قیدیوں کے ان سے کچھ زیادہ فدیہ وصول کیا گیا، کیونکہ عام اسیروں سے چار ہزار لئے گئے تھے، اور امراء سے کچھ زیادہ لیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی چونکہ اغنیاء میں سے تھے، اس لئے ان سے بھی زیادہ وصول کیا گیا۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد مسلمانوں کی قید میں

اسی غزوۂ بدر کے قیدیوں میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاصؓ بھی اسیر تھے۔

مساوات اسلامی اس کو کہاں جائز رکھتی کہ ان کو گرفتار نہ کیا جاتا، فدیہ کے معاملہ میں بھی ان کو اسی قانون کی پابندی کرنی پڑی جو عام قیدیوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا، ان کے پاس فدیہ کے لئے مال نہ تھا، اس لئے ان کی زوجہ یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم کہیں سے مہیا کر کے بھیج دیں تو ابوالعاص کو رہا کر دیا جائے۔

ان کے گلے میں ایک ہار تھا جو ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے ان کو جہیز میں ملا تھا، وہی گلے سے اتار کر بھیج دیا، جب یہ ہار آپؐ کے سامنے آیا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور صحابہ سے اجازت مانگی کہ اگر تم راضی ہو تو ہار زینب کو واپس دے دو، کیونکہ یہ ان کے پاس اپنی والدہ کی یادگار ہے، صحابہؓ نے بخوشی منظور کر کے اجازت دے دی[1]۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و مسند احمد)

حضرت فاروق اعظمؓ کی سیاست اپنے گھر والوں پر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی قلمرو میں کوئی قانون جاری کرنے کا ارادہ فرماتے، اور اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا مقرر کرتے تھے تو سب سے پہلے اپنے گھر میں جاتے اور فرماتے کہ خبردار! کوئی اس حرکت کے پاس نہ جائے، ورنہ اگر تم میں سے کسی نے خلاف قانون کیا تو اور لوگوں سے دوگنی سزا اس کو دی جائے گی۔ (تاریخ الخلفاء، ص: ۵۴، ج: ۱)

بلکہ اپنے گھر کے لوگوں پر تو یہاں تک داروگیر تھی کہ ایک روز آپ کے صاحبزادے کنگھا کر کے اور عمدہ کپڑے پہن کر مجلس میں آئے، تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اتنے درے لگائے کہ رونے لگے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ

---

(۱) اور یہ درخواست مساوات کے منافی نہیں، اگر مساوات کا شکست کرنا ہوتا تو درخواست ہی کی حاجت نہ تھی اس درخواست نے تو مساوات کو اور موکد بنا دیا اگر یہ شبہ ہو کہ درخواست کے نامنظور ہونے کا تو احتمال ہی نہ تھا تو یہ مثل حکم کے ہوئی جواب یہ ہے کہ بہت سے واقعات سے ثابت ہے کہ خود حضور کی سفارشیں بعض اوقات منظور نہیں کی گئیں، اس لئے یہ احتمال بالکل ہی باطل ہے۔ ۱۲ حضرت حکیم الامت مدظلہ

وہ کچھ خود بینی میں مبتلا ہو گئے تھے، اس لئے میں نے چاہا کہ ان کو ان کی نظر میں خفیف کردوں۔ (تاریخ الخلفاء: ص: ۳۵، ج: ۱)

بیت المال میں امیر المؤمنین اور عام مسلمانوں کی مساوات

علامہ سیوطیؒ نے بحوالہ ابن سعد نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا، اور بیت المال میں ایک چھوٹا سا مشکیزہ شہد کا موجود تھا، امیر المؤمنین نے جائز نہ رکھا کہ اس کو بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے اپنی دوا میں خرچ کرلیں۔ بلکہ منبر پر تشریف لائے، اور بالفاظ ذیل اعلان کیا:

ان اذنتم لی فیھا اخذتھا و الا فھی علی حرام فاذنوا لہ

(تاریخ الخلفاء، ص: ۵۴، ج: ۱)

اور اگر تم مجھے اجازت دو تو یہ شہد لے لوں، ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے۔

لوگوں نے اجازت دے دی۔

بیت المال سے خلیفہ اسلام کی تنخواہ

صرف پیٹ بھرائی کھانا اور جاڑے گرمی میں دو جوڑے کپڑے

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ایک طویل مدت تو اس طرح گزاری کہ بیت المال سے ایک پائی نہیں لی۔ یہاں تک کہ فقر وفاقہ کی نوبت آگئی، اس وقت صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سے اہل رائے ومشورہ کو طلب فرمایا، اور ان سے مشورہ لیا کہ میں نے اپنا تمام وقت خلافت کی خدمت میں مشغول کردیا ہے، اور کسب معاش کے لئے کوئی

وقت نہیں ملتا تو کیا مجھے بیت المال سے لینے کا حق ہے؟

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہاں صبح و شام کا کھانا آپ لے سکتے ہیں، اسی کو فاروق اعظمؓ نے اپنا دستور العمل بنایا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی تنخواہ کی تفصیل خود اس طرح بیان فرمائی:

"اخبركم بما يستحل لي منه حلتان حلة في الشتاء و حلة في القيظ و ما احج عليه و اعتمر من الظهر و قوتي و قوت اهلي كقوت رجل من قريش ليس باغناهم و لا بافقرهم ثم انا بعد رجل من المسلمين يصيبني ما يصيبهم." (طبقات ابن سعد ص:۱۹۸، ج:۳)

میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ بیت المال میں سے میرے لئے کس قدر لینا جائز ہے، دو جوڑے کپڑے ایک جاڑے میں ایک گرمی میں اور ایک سواری جس پر میں حج وعمرہ کر سکوں، اور میری اور میرے اہل وعیال کی خوراک ایک متوسط الحال قریشی کے برابر جو نہ زیادہ غنی ہو اور نہ بہت زیادہ فقیر۔ پھر اس کے بعد میں بھی ایک مسلمان ہوں، جو ان کا حال ہے وہی میرا ہے۔ (یعنی مال غنیمت کی تقسیم میں)

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی بہت گراں ہو گیا کہ عام غریب مسلمانوں کو حاصل ہونا مشکل ہو گیا، تو حضرت فاروق اعظمؓ نے باوجود استطاعت کے گھی کھانے کو اس وقت تک کے لئے حرام کر لیا جب تک کہ گھی اتنا ارزاں ہو جائے کہ عام مسلمان کھا سکیں۔ (موطا امام مالک مع شرح زرقانی وغیرہ)

یہ چند نمونے ہیں، جو بلا کسی تفتیش وتلاش کے اتفاقاً سامنے آ گئے، اور اگر اس

قسم کے واقعات خلفائے اسلام کے حالات سے تتبع کئے جائیں تو ایک مستقل دفتر ہو جائے، صحابہ کرام کی بڑی شان ہے، قرون متاخرہ کے اسلامی بادشاہوں کے عدل و مساوات کے واقعات سن کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

یہ ہے وہ اصلی اور حقیقی مساوات جو خالص اسلام کا طغرائے امتیاز ہے، دوسری قومیں اس کی نقل بھی نہیں اتار سکیں، اور اس پر حیرت یہ ہے کہ آج یورپین اقوام فخر کے ساتھ اس کی مدعی ہیں کہ ہم ہی مساوات کے حامی اور موجد ہیں، حالانکہ اگر حقیقت کو بے نقاب کیا جائے تو اس بارہ میں ان کا قدم ساری اقوام عالم سے پیچھے ہے، ہاں مکر و فریب اور پالیسی سے ظلم کو عدل کی صورت میں اور سراسر خود پرستی کو مساوات کے لباس میں دکھلانا بے شک ان کی ایجاد ہے جس پر اگر وہ فخر کریں تو بجا ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اسلامی مساوات کے چند نمونوں کے ساتھ یورپین بادشاہوں اور ان کے احوال و اعمال سے بھی اس کے چند نمونے پیش کر دیے جائیں، تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ ان کے عنوان مساوات کا مضمون کیا ہے، اور اس خوبصورت لباس میں کس بدزیب جسم کو پیش کیا گیا ہے۔ اخبار انقلاب لاہور مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۴۶ھ میں یورپین تاجداروں کے مصارف کی ایک فہرست اجمالی شائع ہوئی تھی، جس کا نقشہ درج ذیل ہے:

شاہ سیام	پینتیس لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ اٹلی	تیس لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ برطانیہ	انتیس لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ہولنڈ	پانچ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ رومانیہ	پچیس لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ڈنمارک	تین لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ جاپان	۲۲،۱/۴ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ناروی	ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ ہسپانیہ	اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ		

اور بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ شاہ انگلستان کے ماہواری مصارف ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ حسب تفصیل ذیل ہیں:

جیب خرچ	۱۰۰۰۰ پونڈ ماہوار	گھر کا خرچ	۱۹۳۰۰۰ پونڈ ماہوار
ملازموں کی تنخواہ	۱۲۵۸۰۰ پونڈ ماہوار	محلات شاہی کی آرائش	۲۰۰۰۰ پونڈ ماہوار
انعامات وخیرات	۳۲۰۰ پونڈ ماہوار	متفرق اخراجات	۸۰۰ پونڈ ماہوار

اس تمام گزارش کا حاصل یہ تھا کہ وہ مساوات جو اسلام کی شان امتیاز اور محمود و مطلوب ہے وہ صرف نفاذ قانون میں ہے، وضع قانون میں مساوات برتنا اور ادنیٰ، اعلیٰ، حاکم، محکوم، مرد، عورت سب کے فرائض وحقوق کو ان کی خلقت وفطرت کے خلاف ایک کر دینا عقل ونقل کے خلاف ہے۔ بلکہ بقول ذوق

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اختلاف مراتب ومنازل دنیا کی زینت ہی نہیں، بلکہ انتظامی امور کی اساس اور بنیاد ہے، ایک شخص سارا دن مزدوری اور محنت شاقہ کرتا ہے، اور اس کو چار پانچ آنہ سے زائد کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، اور دوسرا ایک گھنٹہ کی معمولی محنت کا معاوضہ سو روپیہ لینا بھی بمشکل پسند کرتا ہے۔ اور یہ اختلاف حقوق سب عقلائے دنیا تسلیم کرتے ہیں، اس کو کوئی بھی جمہوریت و مساوات کے خلاف نہیں بتاتا، پھر اگر عورت، مرد کے حقوق میں شریعت اسلام کوئی فرق کر دے، یا انساب اور پیشوں میں کوئی تفاضل دینوی معاملات کے اندر قائم فرما دے تو کس طرح اس کو مساوات کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔

اور چونکہ اس جگہ اصلی مقصود انساب اور پیشوں کے باہمی تفاضل ہی پر بحث کرنا ہے، اس لئے اس کو کسی قدر تفصیل سے سنئے۔

انساب اور پیشوں کا باہمی تفاضل!

عزت اور ذلت ایک عرفی ہے اور ایک شرعی۔

شرعی عزت کا مدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت پر ہے، ذات پات کی اونچ نیچ، اصناف واقوام کا تفاوت اس جگہ کچھ اثر نہیں رکھتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إن أكرمكم عند الله اتقاكم.

بے شک تم سب میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

اور اسی مضمون کے لئے عارف جامیؒ کا یہ شعر نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور اسی مضمون کو احادیث صحیحہ میں مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، جن میں سے بعض احادیث اسی رسالہ میں تفاخر بالانساب کے عنوان کے ماتحت آئیں گی، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے، اس کے بغیر کوئی کسی سے افضل نہیں۔ مرد اگر عورت سے افضل ہے، تو جبھی کہ دولتِ تقویٰ میں اس سے کم نہ ہو۔

عرب کو عجم پر اگر فضیلت ہے تو اسی شرط کے ساتھ ہے، سادات (بنی ہاشم) کو دوسرے عرب پر اور تمام عجم پر فضیلت ہے تو وہ بھی اسی وقت کہ سیادت کی روح یعنی تقویٰ ہاتھ سے نہ جائے، لیکن عرفی عزت میں ان تمام چیزوں کا تفاضل معتبر ہے۔

اور حکیمانہ اصول کے موافق انسانوں کے مختلف طبقات کے دنیوی معیشت و

معاشرت میں مختلف درجات قائم کر دیئے گئے ہیں، اور بعض کو بعض پر شرف وفضیلت عطا فرمائی گئی ہے۔ اور یہ تفاضل کہیں صنف کے اعتبار سے مرد و عورت میں تقسیم ہو کر ظاہر ہوا، تو کہیں اقالیم مختلف کے اعتبار سے عرب و عجم اور مشرق و مغرب وغیرہ میں تقسیم ہو کر نمایاں ہوا، کہیں انساب وقبائل کے امتیاز پر اس کا ظہور ہو تو کہیں پیشوں اور صنعتوں کے تفاوت پر درجات میں تفاضل مانا گیا۔

مثلاً صنف رجال کو صنف نساء پر فوقیت وفضیلت عطا فرمائی، اور قرآن کریم نے اس کا اعلان بالفاظ ذیل فرمایا:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله به بعضهم على بعض. الآية

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے بعض کو بعض پر عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح عرب کو عجم پر اور قریش کو عامہ عرب پر فضیلت عطا فرمائی، اور قریش میں بھی بنی ہاشم کو سب سے زیادہ اونچا رتبہ عطا فرمایا، صحیح مسلم میں حضرت ابن اسقع رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

ان الله تعالى اصطفى كنانة من ولد اسمعيل و اصطفى قريشاً من كنانة و اصطفى من قريش بنى هاشم و اصطفانى من بنى هاشم.

(از روح المعانی ص:۱۳۹، ج:۲)

قریش کی فضیلت تمام قبائل دنیا پر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قريش ائمة العرب. رواه ابن ابى عاصم فى السنة كذا فى الكنز

نہیں بلکہ اخروی منازل ومنافع کے اعتبار سے بھی ان کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے، اور قیامت میں ان کے لئے اس نسب شریف کا نفع عظیم متوقع ہے۔

ایک شبہ کا جواب

بعض روایات حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قریش اور خصوصاً بنی ہاشم کو اور پھر اخص خصوص کے طور پر حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ (میں اللہ تعالیٰ سے) تمہیں نہیں بچا سکتا۔ (کذا فی الکنز برمز خ فی تاریخہ وکر ص:۱۳۹، ج:۷) یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جو احادیث میں وارد ہیں، ان کا(۱) مطلب یہ ہے کہ بغیر اذن الٰہی اور حکم خداوندی میں تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، جس میں اس کا انکار نہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے نسب کا اعزاز فرمائے، اور ان کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خصوصی معاملہ فرمائے۔

نیز اس ارشاد کی غرض زیادہ تر یہ بھی ہے کہ قریش اور بنی ہاشم شرافت نسب پر مطمئن و بے فکر ہو کر بیٹھ نہ جائیں، اور اعمال میں کوشش کرنا چھوڑ دیں۔

اس لئے حکیمانہ اصول پر اس قسم کے تنبیہات سے ان کو اس پر مستعد کر دینا مقصود ہے کہ وہ دونوں فضیلتوں کے جامع بنیں فضیلت نسب اور فضیلت تقویٰ۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت نسب ہرگز نفع دنیا ودین سے خالی نہیں ہو سکتی۔ (ذکرہ فی روح المعانی تحت قولہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم)

اسی مضمون کو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر اس طرح بیان فرمایا:

---

(۱) اور زیادہ اقرب یہ ہے کہ جو شخص میری اولاد میں سے ایمان نہ لائے میں اس کی کوئی سفارش نہیں کر سکوں گا۔ ۱۲ منہ

"ما بال رجال يقولون ان رحم رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنفع يوم القيامة بلى والله ان رحمي موصولة في الدنيا والآخرة واني ايها الناس فرط لكم على الحوض اخرجه الامام احمد والحاكم في صحيحه والبيهقي عن ابي سعيد واخرج البزار والطبراني في حديث طويل"

(از رسالہ العلم الظاہر فی نفع النسب الطاہر للعلامۃ ابن عابدین الشامی ص: ۵)

اور ارشاد نبوی ہے جس کو دیلمی نے بروایت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نقل کیا:

اوصيكم بعترتي خيرا وان موعدهم الحوض ۔ (از رسالہ مذکورہ)

میں تمہیں اپنی اولاد کے بارہ میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ وہ حوض پر مجھ سے ملیں گے۔

اور علامہ شامی کے رسالہ مذکورہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بحوالہ طبرانی و دارقطنی و کتاب الفردوس حدیث ذیل مذکور ہے:

"اول من اشفع له يوم القيامة اهل بيتي ثم الاقرب فالاقرب ثم الانصار ثم من امن بي واتبعني من اهل اليمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع له اولا افضل واخرج الامام احمد في المناقب عن عليؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر بني هاشم والذي بعثني بالحق نبيا لو اخذت بحلقة الجنة ما بدأت الا بكم" (العلم الظاهر في نفع النسب الطاهر ص ۷)

"قیامت کے دن میں سب سے پہلے جس کی شفاعت کروں گا، وہ میرے اہل بیت ہیں، اور پھر جو ان کے قریب، اور پھر جو ان کے قریب ہیں، اس کے بعد انصار کی، پھر ان لوگوں کی جو اہل یمن میں سے مجھ پر ایمان لائے اور میرے متبع ہوئے، پھر باقی عرب کی، پھر اہل عجم کی۔ اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں، وہ افضل ہے۔ اور امام احمدؒ نے مناقب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جماعت بنی ہاشم! قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر میں دروازہ جنت کے حلقہ کو پکڑ لوں، (یعنی جنت کا دروازہ میرے قبضہ میں ہو) تو سب سے پہلے تمہیں جنت میں داخل کروں۔"

روایات حدیث فضائل و مناقب بنی ہاشم و بنی فاطمہ و تمام اہل بیت اطہار کے متعلق بے شمار ہیں، سب کے استیعاب کا نہ موقع ہے نہ ضرورت اور مقصود کے لئے اس قدر بھی کافی سے زیادہ ہیں، کیونکہ اس مجموعہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہوگئی کہ انساب کے اعتبار سے بھی تفاضل و تفاوت اقوام میں موجود ہے، اور شریعت غراء نے اس کا اعتبار کیا ہے، اس کے بعد پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل ملاحظہ ہو۔

پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل و تفاوت

احادیث نبویہ میں بہت سے پیشوں اور صنعتوں کی مذمت وارد ہوئی ہے، جن میں بعض کی مذمت تو اس وجہ سے ہے کہ وہ پیشے شرعاً ممنوع و ناجائز ہیں، اور بعض ایسے پیشوں کی بھی برائی مذکور ہے، جو شرعاً ناجائز نہیں، بلکہ مباح ہیں، لیکن الفاظ حدیث کے تتبع اور ان کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پیشوں کی مذمت فی نفسہ منظور نہیں، ورنہ جو کام اپنی اصل ہی سے مذموم و قبیح ہو، وہ شرعاً جائز

ہی نہیں ہوسکتا۔ تو ان پیشوں اور صنعتوں کے اصلی جواز سے یہ تو ثابت ہوا کہ ان کی مذمت فی نفسہ مقصود نہیں، بلکہ ایک خاص سبب پر مبنی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جس طرح عالم کائنات کے تمام عرض و جوہر کے کچھ کچھ خواص ہیں، جو مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر ہر اہل عقل اور صاحب نظر کے نزدیک مسلم ہیں۔

عناصر اربعہ: آگ، پانی، مٹی، ہوا کے خصوصی آثار سے کون انسان غافل ہے، پھر ان سے مرکب ہو کر پیدا ہونے والی غذاؤں اور دواؤں وغیرہ کی خاصیات و تاثیرات کہ بعض مفید ہیں، بعض مضر، اور بعض ایک شخص کے لئے مفید، اور دوسرے کے لئے مضر واقع ہوئی ہیں، نا قابل انکار ہیں۔

اسی طرح اعمال انسانیہ کی بھی کچھ خاصیات و تاثیرات ہیں، جو ارباب بصیرت و اہل تجربہ پر پوشیدہ نہیں، بعض اعمال کا لازمی اثر اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کا پیدا ہونا مشاہدہ کیا جاتا ہے، تو اس کے خلاف بعض اعمال کا اثر اخلاق سیئہ اور اعمال شر کا ظہور بھی پیہم تجربوں سے ثابت ہے۔ مثلاً جو شخص مردوں کے نہلانے اور دفن کرنے وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے، عموماً تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کا قلب سخت ہو جاتا ہے کسی کی موت سے اس پر آثار عبرت ظاہر نہیں ہوتے۔

اسی طرح جو شخص جانوروں کو ذبح کرنے کا پیشہ اختیار کرے، رفتہ رفتہ بوجہ عادت دل میں ایک قسم کی سختی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح ایسے پیشے جن میں نجاسات کا تلوث یا غلاظت و بدبو کی چیزوں کا زیادہ استعمال رہتا ہے، وہ فرشتوں کے بعد (دوری۔ منہ) کا سبب بن کر بہت سے اخلاق حسنہ سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں۔

الغرض بعض جائز پیشوں کی مذمت جو احادیث میں وارد ہے، منشاء اس کا بھی وہی تقویٰ و طہارت کی کمی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار کرے، لیکن

تقویٰ وطہارت اور اخلاق حسنہ میں کوئی کوتاہی نہ کرے تو وہ کسی مذمت کا مورد نہیں ہو سکتا۔ حضرات صحابہؓ نے تمام جائز پیشے اختیار فرمائے ہیں، اور ہر زمانے میں ہر پیشہ کے لوگوں میں بڑے بڑے علماء و صلحاء اور اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی جائز پیشہ اپنی اصل سے مذموم نہیں، ہاں جن پیشوں میں نجاست یا بدبو کی چیزوں کا زیادہ کام پڑتا ہے، یا بد اخلاقی اور خیانات کا زیادہ خطرہ رہتا ہے، ان میں زیادہ احتیاط لازم ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی اور بے پروائی سے آدمی برے اخلاق اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، صاحب عین العلم جو اکابر اولیاء اللہ اور علماء محققین میں سے ہیں، اپنی کتاب میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل تحریر فرماتے ہیں:

ويجتنب ما يفسد الناس كالاحتكار و بيوت الباطل
كالجزر فهو يقسي القلب و الصياغة فهو يزين الدنيا و
الظاهر كالحجامة و الدباغة

و ما يعسر فيه رعاية الاحتياط كالصرف و الدلالة و
ما يكره فيه (عين العلم الباب السادس في الكسب و
الورع)

اور اسی مضمون کو حدیث ذیل میں بیان فرمایا گیا ہے

ارشاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے دیلمی نے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

اكذب الناس الصباغ (کنز العمال کتاب البیوع ص ۔ ج ۲)

یعنی لوگوں میں رنگریز بہت جھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ روایت یا اسی قسم کی دوسری روایت کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ حدیث

کی کتب معتبرہ مندرجہ ذیل میں موجود ہے، کنز العمال بروایت ابو سعید رضی اللہ عنہ ص: ۲۰۱، ج: ۲، مقاصد حسنہ للعلامۃ السخاوی ص: ۳۷، ابن ماجہ ص ۱۵۹، مسند احمد ص: ۳۴۴، ج: ۲، جمع الفوائد ص: ۲۴۲، جامع صغیر للسیوطی ص: ۵۳، ج: ۱، ان تمام ائمہ حدیث نے روایت مذکورہ کو اپنی کتب معتبرہ میں درج فرمایا ہے، اور بعض حضرات نے اس میں بجائے الصباغ کے الصناع بالنون روایت کیا ہے، اس صورت میں یہ حدیث ہر وعدہ خلافی کرنے والے دستکار کے لئے عام ہو جائے گی۔

ارشاد: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد اینما خونۃ اللّٰہ فی الارض فیوتی بالنخاسین و الصیارفۃ و الحاکۃ ۔ (کنز روایت دیلمی عن ابن عمرؓ ص: ۲۰۰، ج: ۲) ھکذا فی الکنز و یستفاد من بعض الروایات ان اللفظ النخاسین بالمعنی۔"

"یعنی قیامت میں جب ہر قسم کے مجرم یکے بعد دیگرے پکارے جائیں گے تو ہر قسم کی خیانت کے مجرم اپنی سزا و جزا اور حساب پانے کے لئے بلائے جائیں گے ان میں وہ شخص ہے (اور دوسری روایات کے مطابق) تاجر جواہرات اور صراف اور کپڑا بننے والے بھی جو خیانت اور جعل و فریب کرتے تھے بلائے جائیں گے۔"

ارشاد: محدث دیلمی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: شر امتی الصائغون الصانعون۔ کنز العمال ص: ۲۰۱، ج: ۲ یہ روایت متن کنز العمال میں بالفاظ مذکورہ اور حاشیہ میں بالفاظ الصائغون الصانعون بحضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور جامع صغیر میں یہی الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، جامع صغیر ص: ۳۸، ج: ۱، اور ابن ماجہ ص: ۱۵۹، و مسند احمد ص: ۳۴۴، ج: ۲ جمع

الفوائد ص:۲۴۳، ج:۱، میں بلفظ اکذب الناس الصباغون والصواغون، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، مطلب یہ ہے کہ میری امت کے بدترین لوگوں میں وہ بھی داخل ہیں، جو جھوٹی باتیں گھڑنے والے فریب دہی اور زبان درازی سے ملمع سازی کرنے والے ہیں، یا یہ کہ وہ کاریگر سنار جو آمیزش کرنے والے دھوکہ فریب دینے والے اور خلاف شریعت معاملہ کرنے والے ہیں، بدترین لوگوں میں داخل ہیں۔

ارشاد: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وھبت لخالتی فاختۃ بنت عمرو غلاماً فامرتھا ان لا تجعلہ جازراً و لا صائغاً و لا حجاماً. (کنز العمال ص:۲۰۱، ج:۲) یہ حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت جابرؓ سے طبرانی کی معجم کبیر میں موجود ہے، اور جامع صغیر میں اس کو نقل کر کے اس پر حسن کی علامت لکھی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد باب الصائغ میں اور مسند احمد ج:۲ میں منقول ہے، ابوداؤد نے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے، اور خود ان کی تصریح ہے کہ جس روایت پر وہ سکوت فرمائیں، وہ صالح یعنی حجت اور مقبول و معتبر ہے۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خالہ صاحبہ کو ایک مملوک لڑکا عطا فرمایا، اور نصیحت فرمائی کہ: اس کو سنار اور قصاب کا اور پچھنے لگانے والے کا پیشہ نہ سکھلانا۔ (بلکہ کسی دینی کام میں مصروف کر دینا)

ارشاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من کانت تجارتہ الطعام بات و فی صدرہ غل للمسلمین. رواہ ابو نعیم عن ابن عمرؓ۔ (کنز العمال) یعنی جو شخص بہ نیت گرانی غلہ کو روک رکھے، تو اس کے دل میں مسلمانوں کی بدخواہی بھری رہتی ہے، کیونکہ وہ آرزو رکھتا ہے، کہ اور بھی گراں ہو، اور بھی گراں ہو، اور یہ واقعی مخلوق خداوندی کی بدخواہی ہے۔ یہی معنی ہیں احتکار کے،

اور اسی کی ممانعت صحیح احادیث میں وارد ہے، اور بہت وعید فرمائی گئی ہے، کہیں ملعون اور کہیں خاطی فرمایا گیا ہے۔

الغرض باری سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے طبقات انسانی میں باوجود اتحاد جنس ونوع اور اتحاد صورت وشکل کے درجات تفاضل قائم فرمادیے ہیں، جن کا تعلق کہیں انساب سے ہے کہیں پیشوں سے اور کہیں صنفی تغیرات سے، لیکن حدیث کے الفاظ اور اغراض ومقاصد پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ان تمام درجات کے تفاضل وتفاوت کا مدار اسی ایک اصل پر ہے جس کو ابتداء رسالہ میں ذکر کیا گیا ہے یعنی تقویٰ اور اطاعت الٰہیہ۔

مرد کو اگر عورت پر اللہ کے نزدیک فضیلت ہے تو اسی بناء پر کہ بہت سے کار خیر اور احکام الٰہیہ ایسے ہیں کہ مرد ہی ان کا انجام دے سکتا ہے، عورتیں ان سے قاصر ہیں اسی قصور کی بناء پر ان کے درجہ کو کم رکھا گیا اور احادیث نبویؐ فذالک نقصان دینکن الحدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح عرب کو عجم پر اور قریش کو غیر قریش پر، بنی ہاشم کو غیر بنی ہاشم پر اور بنی فاطمہ کو ان کے ماسوا پر جو فضیلت احادیث مذکورہ میں ثابت کی گئی ہے، ان سب فضائل کا مرجع وہی تقویٰ اور اطاعت احکام الٰہیہ ہے، کیونکہ انساب شریفہ اپنی نجابت اور جبلت سے اخلاق حسنہ کے باعث بنتے ہیں، اور ان پر اعمال صالحہ بطور ثمرات مرتب ہوتے ہیں، اسی لئے اس شریف النسب کو قابل مدح نہیں کہا جا سکتا، جو اخلاق حسنہ کو تباہ کر کے اخلاق ردیہ کا گہوارہ بن گیا ہو۔

اسی طرح پیشوں میں باہمی تفاضل کا منشاء بھی یہی ہے، جیسا کہ اوپر گزر گیا۔

خلاصہ یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک عزت وذلت اور فضیلت وعدم

فضیلت کا مدار صرف تقویٰ ہے، البتہ جو چیزیں عادی طور پر اسبابِ تقویٰ ہیں ان پر بھی فضلِ مخصوص کا وعدہ کیا گیا ہے، اور وہ بھی فی الجملہ فضیلت سے خالی نہیں، جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہو چکا ہے، اور علامہ شامیؒ نے اپنے رسالہ العلم الظاہر میں اس کی تصریح کی ہے، اس کی ٹھیک مثال ایسی ہے، جیسے بعض دواعی گناہ اور اسبابِ معاصی، اگرچہ خود یعنی بالذات وفی نفسہا معاصی نہیں، لیکن چونکہ وہ معاصی کے ذرائع ہیں، اسلئے شریعت میں وہ بھی مکروہ اور برے سمجھے جاتے ہیں، چوری کی نیت سے کسی کے مکان پر چڑھ جانا اور پھر خالی واپس چلے جانا، اگرچہ چوری کے جرم کا ارتکاب نہیں، لیکن سیاستِ اسلامیہ اور تمام سیاساتِ حاضرہ میں اس کو جرم سمجھا جاتا ہے، اسی طرح نماز کی نیت سے مسجد کی طرف جانا اگرچہ حقیقت نماز نہیں لیکن حدیث نبوی میں اس کو نماز ہی کہا گیا، اور اس پر ثواب نماز کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ مسئلہ زیر بحث بھی بالکل اسی کی نظیر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک کرامت و اعزاز کا اصلی مدار تقویٰ و دیانت اور اطاعت احکام الٰہیہ ہے، لیکن بعض اعمال و اقوال ایسے ہیں جو عقلی اور عادی طور پر تقویٰ و طہارت کے اسباب و ذرائع ہوتے ہیں، اس لئے ان کو فضیلت سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔

اس تقریر سے وہ تمام شبہات رفع ہوگئے، جو آیۂ کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور کان ابوھما صالحا کے ظاہری تعارض سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح وہ روایاتِ حدیث جن میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اور وہ احادیث جن میں انسابِ مخصوصہ کے فضائل و درجات، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے لئے مخصوص عنایت قرب مذکور ہے، ان دونوں قسم کی روایات میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، وہ بھی اسی طرح رفع ہو گیا کہ اصل مدار تقویٰ پر ہے، اور یہ چیزیں بوجہ اسباب تقویٰ ہونے کے محمود ہیں، اور

افضلیت رکھتی ہیں۔

لیکن یہ سب بحث عزت شرعی اور کرامت و اعزاز عند اللہ کے متعلق ہے، دنیوی اور عرفی اعزازات میں قطع نظر تقویٰ کے بھی انساب اور پیشوں کا تفاضل اعتبار کیا گیا ہے، اور جن معاملات کا مدار عرف و رواج و باہمی معاشرت پر ہے، ان میں شریعت اسلامیہ نے بھی اس تفاضل و تفاوت کا اعتبار فرما کر اس پر احکام فقہیہ کے ایک بڑے حصہ کی بنیاد رکھی ہے۔

معاملات نکاح میں انساب اور پیشوں کے تفاوت کا اعتبار

نکاح کی غرض چونکہ امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی کو درست کرنا اور حسن معاشرت کے ساتھ سکون و اطمینان سے وقت گزارنا ہے، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ باہم طبائع میں اتحاد و اتفاق ہو، اختلاف طبائع کی صورت میں کتنی ہی کوشش کی جائے، حسن معاشرت کا قائم رہنا سخت مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے، جس پر روزمرہ کے تجارب (۱) شاہد ہیں۔

اس لئے شریعت اسلامیہ نے نکاح کے بارہ میں زوجین کے اندر کفاءت کے اعتبار کو ایک حد تک ضروری قرار دیا ہے، جن جن اعمال و احوال سے طبائع زوجین میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے، ان سب میں یہ شرط کی گئی ہے کہ زوجین میں مساوات ہو، اور چونکہ انساب اور پیشوں کے اختلاف سے طبائع میں اختلاف عظیم

(۱) بعض اوقات میاں بیوی دونوں نیک صالح ہوتے ہیں، لیکن توافق مزاج نہ ہونے سے ہمیشہ باہمی نفرت اور خانہ جنگی رہتی ہے، بقول حضرت سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم کے دونوں کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے سوڈا اور ٹاٹری کہ علیحدہ علیحدہ دونوں باوقار اور ساکن ہیں، لیکن جب دونوں ملتے ہیں جوش و خروش اور شور و شر شروع ہو جاتا ہے۔

مشاہد و محسوس ہے اس لئے ان دونوں چیزوں میں بھی کفاءت و مساوات کی رعایت کو ضروری قرار دیا ہے۔

نسب میں کفاءت کا اعتبار

اسی لئے حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ عرب میں غیر قریشی قریشی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا، اور عجم میں کوئی عجمی النسل عربی النسل عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔

مثلاً سادات کرام اور شیوخ خواہ صدیقی فاروقی ہوں یا عثمانی، علوی، یا دوسرے قبائل میں سے ان کا کفو وہ شخص نہیں ہو سکتا، جو ان تمام انساب میں سے نہ ہو، بلکہ عجمی النسل ہو، خواہ کوئی پیشہ رکھتا ہو، اور عجمیوں کے کسی خاندان کا ہو۔

ہاں[1] یہ سب قبائل سادات و شیوخ باہم ایک دوسرے کے کفاء ہیں، کیونکہ یہ سب قریشی ہیں۔ جن میں باہمی ازدواج و مناکحت بلاشرط جائز و صحیح ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

"و الکفاءة نسباً فقریش بعضهم اکفاء بعض و بقیة العرب بعضهم اکفاء بعض."

"اور کفاءت نسب میں معتبر ہے، پس قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور بقیہ عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔"

یہ حکم تو قبائل عرب کے باہمی تعلقات نکاح کے بارہ میں تھا، اس کے بعد عجم یعنی ماسوائے دوسرے لوگوں کا حکم یہ ہے:

"و العجمی لایکون کفواً للعربیة و لو کان العجمی عالماً و سلطاناً هو الاصح." (درمختار ص ۲۰۳ ج ۱)

(۱) جو قبائل عرب قریشی نہیں وہ قریشی کے برابر نہیں، منہ

اور عجمی آدمی عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا، اگرچہ یہ عجمی شخص عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، یہی صحیح ہے۔

پیشہ میں کفاءت کا اعتبار

عرب میں پیشوں کی کفاءت کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا، کیونکہ عرب میں عرفی عزت کا مدار بھی پیشوں پر نہیں، بلکہ پیشے سب تقریباً مساوی سمجھے جاتے ہیں، کوئی پیشہ والا دوسرے پیشہ والے کو عرفاً بھی ادنیٰ نہیں سمجھتا، بخلاف عجم کے کہ وہاں کا عرف پیشوں کے اعتبار سے بہت زیادہ تفاوت و تفاضل رکھتا ہے، اور باہم ادنیٰ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں، اور اسی بناء پر اعلیٰ پیشہ والے کی معاشرت ادنیٰ پیشہ والے کے ساتھ دشوار اور نہایت مشکل سمجھی جاتی ہے، اس لئے شرع شریف نے جذبات کی رعایت فرما کر معاملات دنیویہ میں اس کا اعتبار کیا۔ (اگرچہ عند اللہ محض ان چیزوں سے نہ کوئی اعلیٰ ہوتا ہے نہ ادنیٰ)

چنانچہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کپڑا بننے والا، درزی کا کفو نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے ادنیٰ ہے، اور درزی بزاز کا کفو نہیں، اور بزاز و تاجر، عالم و قاضی کے کفو نہیں۔ (صرح بہ فی الدر المختار ص:۲۰۲، ج:۱)

کفائت کے معتبر اور ضروری ہونے کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **الا لا تزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء** (دار قطنی و بیہقی) یعنی مناسب یہ ہے کہ عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں، (تاکہ ناتجربہ کاری اور ناواقفیت سے دھوکہ فریب نہ کھائیں، اور تباہ و برباد کرنے والی آزادی سے محفوظ رہیں) اور ان کا نکاح جہاں تک ممکن ہو کفوء میں کیا جائے۔ (تاکہ غیر کفوء میں وحشت اور عدم موانست نہ ہو)

ارشاد: **یا علی ثلاث لا تؤخرھا الصلوۃ اذا انت و الجنازۃ اذا حضرت و الایم اذا وجدت لھا کفواً۔** (ترمذی شریف باب تعجیل الجنازۃ) یعنی تین چیزوں میں بلا ضرورت شرعیہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے، ایک جب نماز کا وقت مستحب آجائے، دوسرے جب جنازہ تیار ہو کر آجائے، تیسرے جب کہ بے شوہر والی عورت کے لئے کفول جائے۔

ارشاد: **تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء و انکحوا الیھم** یعنی اپنے نکاح کے لئے مناسب عورتیں تلاش کیا کرو، کفو میں نکاح کیا کرو، اور کفو میں اپنی لڑکیوں کو دیا کرو۔ (حاکم عن عائشہؓ)

کیا غیر کفو میں مطلقاً نکاح نہیں ہوتا

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے اولیاء کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ لڑکی کی خیر خواہی ہر قسم سے ملحوظ رکھیں، کفاءت کا اعتبار بھی اسی خیر خواہی کا ایک جزو اور لڑکی کا حق ہے، مگر اس میں اولیاء کا حق بھی شامل ہے، کیونکہ غیر کفو میں نکاح ہونے سے جیسے لڑکی کو عار ہوتا ہے، اور انس واتحاد دشوار ہوتا ہے، ایسے ہی لڑکی کے اولیاء کو بھی عار لگتا ہے، اور پھر عدم موافقت کی صورت میں تکلیف و رنج میں بھی مبتلا ہوتے ہیں، اسی لئے اگر کوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں بغیر اجازت ولی کرے، تو یہ نکاح قول مفتی بہ کے مطابق باطل اور بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ (کذا فی در مختار و الشامی)

اسی طرح اگر کوئی ولی نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دے، تو وہ بھی شرعاً باطل و ناقابل اعتبار ہے۔

البتہ اگر ولی باپ دادا ہو تو اگر غیر کفو میں اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیں، تو وہ

جائز صحیح اور لازم ہو جائے گا، کیونکہ باپ دادا کی شفقت و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ انھوں نے اگر کفاءت کی رعایت نہیں کی تو کسی اہم تر دینی غرض سے نہیں کی ہو گی، بے پروائی یا لڑکی کی بدخواہی اس کا سبب نہ ہوگا، بخلاف دوسرے اولیاء کے کہ وہاں بے پروائی، بدخواہی کا بھی احتمال ہے۔

اور اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہو، وہ خود غیر کفو میں نکاح کرنے پر خود بھی راضی ہو اور اس کا ولی بھی راضی ہو جائے، تو یہ نکاح صحیح اور جائز ہے، گو خود مصالح کے اعتبار سے نامناسب ہے۔ (کذا فی الہدایہ وعامۃ کتب المذہب)

ایک شبہ کا جواب

اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کفاءت کے باب میں فقہاء نے قدیم الاسلام اور نو مسلم کو بھی باہم غیر کفو قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نو مسلموں کا کہیں نکاح نہ ہو سکے کیونکہ وہ قدیم الاسلام مسلمانوں کے کفو نہیں۔

جواب ظاہر ہے کہ غیر کفو میں مطلقاً نکاح کی ممانعت نہیں، بلکہ یہ شرط ہے کہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں، اور جائز ہے، بلکہ نو مسلموں کے نکاح میں مسلمانوں کو ضرور اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان سے عار نہ کریں، اور خوشی و رغبت سے نکاح کر دیں۔

تنبیہ

لیکن یہ ضرور ہے کہ نو مسلموں کے بارے میں معاملہ نکاح میں پوری احتیاط برتی چاہئے، جب تک ان کا حسن اسلام ظاہر نہ ہو جائے، اور معاملات سے یہ بات روشن نہ ہو جائے کہ اپنے اسلام میں مخلص اور راسخ ہے، اس وقت تک نکاح میں قدم بڑھانا مناسب نہیں، ورنہ بعد میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

فائدہ

فضائل وکمالات خواہ دینی ہوں یا دنیوی، دو قسم پر ہیں، ایک اختیاری ہے، جو انسان اپنے کسب اور کوشش سے حاصل کرسکتا ہے، اور دوسرے غیر اختیاری جن کا حصول کسی سعی وکوشش کا نتیجہ نہیں ہوتا، اور نہ کوئی اپنے اختیار سے ان کو حاصل کرسکتا ہے، عقلمند انسان کا کام ہے کہ قسم اول کے کمالات یعنی اختیاری کے حاصل کرنے میں کوشش جاری رکھے کبھی ہمت نہ ہارے۔

لیکن قسم دوم کے فضائل یعنی غیر اختیاریہ کے حاصل کرنے کے پیچھے پڑنا سراسر عقل کے خلاف اور اضاعتِ وقت ہے۔

جس طرح اختیاری فضائل کی تحصیل میں کوشش نہ کرنا کم ہمتی اور کم حوصلگی ہے، اسی طرح غیر اختیاری کی تحصیل کے پیچھے پڑنا حماقت وبے وقوفی ہے۔

اسی لئے شریعت غراء نے مسلمان کو اختیاری فضائل میں اس کی تلقین کی ہے کہ ہر شخص دوسرے سے بڑھنے کی فکر کرے، اور صحابہ کرام کے حالات اور ان سوالات میں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں، دیکھنے والوں کے لئے مسابقت فی الخیرات کی بہت سی نظائر ملیں گی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن عزیز کا یہ ارشاد بھی ہے، **لاتتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض**۔ اس کی تطبیق وتوجیہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس آیت میں فضیلت سے غیر اختیاری فضیلت مراد لی جائے۔

ہمارا مقصود بالذکر شرافت نسب بھی انہیں فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے، اس میں بھی یہی قانون معمول بہ ہونا چاہئے کہ جس کو حاصل ہو، وہ نعمت سمجھے، خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور جس کو حاصل نہ ہو وہ اس کے پیچھے نہ پڑے، اور یہ خیال

کرے کہ میرے لئے یہی صورت بہتر تھی، کیا خبر ہے کہ اگر شرافت نسب حاصل ہوتی، تو میں اس کے حقوق ادا کر سکتا یا نہیں، اختیاری فضائل کی تحصیل میں جدوجہد کرے جو حقیقی فضائل اور لازوال دولت ہے، اور اس کے ذریعہ سے وہ عنداللہ نسبی شرفاء سے بہت زیادہ عزیز و شریف ہو سکتا ہے۔

التفاخر بالانساب

ز خاک آفریدت خداوند پاک   تو اے بندہ افتادگی کن چو خاک

تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چرچا عرب جاہلیت میں رہا، جس کو اسلام نے آکر مٹایا، پھر قرون مابعد میں مسلمانوں میں دوبارہ یہ بلا پیدا ہوگئی، لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو احمق واسب ہی برا جانتے ہیں، خواہ غفلت کی وجہ سے مبتلا ہو جائیں، اس لئے اس بحث میں زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، چند احادیث اور اقوال سلف کو بطور تذکیر و نصیحت ذکر کر دینا کافی ہے۔

ارشاد نبویؐ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز طواف سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا:

خدا تعالیٰ کا شکر ہے، جس نے تم سے عیوب جاہلیت اور غرور و تکبر کو دور فرمایا۔

(اب) انسان کی (صرف) دو قسمیں ہیں، ایک نیک متقی اور وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہے، اور دوسرا فاسق و فاجر، اور وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

(الغرض مدار عزت و ذلت اللہ کے نزدیک تقویٰ و عمل صالح ہے، انساب و قبائل نہیں) سب آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ یہ حدیث ترمذی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے۔

(از تفسیر روح المعانی ص:۱۳۸، ج:۲۶)

ارشاد: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے درمیان ایک خطبہ دیا، جس کے بعض کلمات یہ تھے:

اے لوگو! تمہارا ایک پروردگار ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ کسی کالے کو گورے پر، نہ گورے کو کالے پر، مگر تقویٰ کے ساتھ۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔

پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے حکم خداوندی اچھی طرح پہنچا دیا یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا، بیشک آپ نے فرمایا کہ تو حاضرین یہ نصائح غائبین تک پہنچا دیں۔

(بیہقی ابن مردویہ از روح ص:۱۳۸، ج:۹)

ارشاد: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، ہر قوم کو چاہئے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آجائے، ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔"

(رواہ البزار فی مسندہ، روح ص:۱۳۹)

فخر بالانساب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ اور ابوذر غفاریؓ کا قابلِ تقلید عمل

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں گفتگو تیز ہوگئی، اور ان کی زبان سے نکل گیا یا ابن (۱) السوداء، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا تو فرمایا:

"یا ابا ذر طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل."

"اے ابوذر! تم سب ایک ہی پیمانہ کے ناپ ہوئے (برابر سرابر) ہو، یعنی ایک ہی باپ کی اولاد ہو، کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کی کہاں تاب لا سکتے تھے کہ ان کی کوئی حرکت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاج واقع ہو، الفاظ مذکورہ کا زبان مبارک سے سننا تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ گئے، اور اس شخص سے جس کے متعلق ناسزا الفاظ نکل گئے تھے، عرض کیا کہ کھڑے ہو کر میرے چہرہ پر پیر رکھو، یہ واقعہ احیاء العلوم میں مذکور ہے، اور تخریج عراقی میں بحوالہ مسند احمد اس کی تائید کی گئی۔

(احیاء العلوم ص ۳۰۳، ج ۳)

حسب و نسب پر فخر و غرور، اور دوسروں کی تحقیر سے متعلق حدیث و تفسیر اور اخلاق و سیر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائح کے مفصل تذکرہ کیا گیا، اور بلاشبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا، اور محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے، اس کی

---

(۱) کالی عورت کے بیٹے ۱۲۔

مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے، یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے، تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی، اور نہ سڑے ہوئے مردار میں کوئی زینت۔

یہ مثال اس جگہ اس لئے بھی زیادہ چسپاں اور صحیح ہوگی کہ جس طرح مردہ حیوان میں خمیرہ مروارید اور عقد جواہرات کے بے سود اور بیکار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہوں۔

اسی طرح اس جگہ بداعمالی وبداخلاقی کے ساتھ شرافت نسب کے بیکار و بے فائدہ ہونے سے بھی شرافت نسب کا مطلق غیر مفید و بیکار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شرافت نسب ایک نعمت الٰہیہ ہے، مگر اس کے مفید ہونے کے لئے اپنے ذاتی اعمال واخلاق کا فی الجملہ درست ہونا شرط ہے، (اور اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ رسالہ ہذا کے جزو سوم میں آئے گی)

اس لئے جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے، اس کو تو بہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاح اعمال واخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہئے، کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضا، اور شکر یہ بھی ہے، دوسرے بزرگوں کی طرف نسبت جتنی زیادہ ہے، اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، کم از کم اس نسبت کی لاج رکھنے کے لئے بدنامی کے مواقع سے بچیں۔ وللہ الامر وبیدہ ازمۃ التوفیق۔

الانتساب الی غیر الانساب

معاملہ انساب میں دوسری بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے، اور اپنا

نسب انصار سے جا ملاتے، تو دوسری اس کے در پے ہے کہ اپنے آپ کو قریش میں داخل کرے، تیسری یہ چاہتی ہے کہ ردائی بن کر عرب میں داخل ہو جائے کوئی اس فکر میں ہے، کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے در پے ہے۔

اور منشا، اس کا تکبر و غرور ہے جو فی نفسہ بھی گناہ کبیرہ ہے، اور اس کی وجہ سے یہ نسب بدلنا مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے، احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض کے ترجمے ذیل میں درج ہیں۔

ارشاد نبویؐ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من ادعی الیٰ غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام۔"

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ ترغیب وترہیب ص: ۷۵ ج: ۳)

"جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔"

اور اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس سوائے اس کتاب اللہ کے اور کوئی نیا قرآن نہیں، جس کو ہم پڑھتے ہوں، البتہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ ہے، جس میں چند احکام مذکور ہیں، جس کو کھول کر سنایا، اس میں منجملہ دوسرے احکام کے ایک یہ بھی تھا:

"من ادعی الی غیر ابیه او انتمی الیٰ غیر موالیه

فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین لایقبل اللّٰہ

منہ یوم القیامۃ عدلا ولا صرفا"

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ الترغیب ص ۸۸ ج ۳)

"جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا

آزاد کردہ غلام اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی غیر کی طرف

نسبت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اور فرشتوں کی اور تمام

انسانوں کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔"

اسی مضمون کی حدیث حضرت انسؓ سے ابوداؤد میں اور عبداللہ بن عباسؓ

سے مسند احمد، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

ارشادِ نبویؐ: اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"آدمی کے کفر کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے تبری

کرے اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو، اور یا ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس

کا وجود معروف نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے

روایت کیا ہے۔" (الترغیب ص ۸۸ ج ۳)

ارشادِ نبویؐ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب

کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو برس کی

مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔"

(مسند احمد، ابن ماجہ، الترغیب ص ۸۸ ج ۳)

ارشادِ نبوی: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"من ادعی نسباً لا یعرف کفر باللّٰہ او انتفی من نسب وان دق کفر باللّٰہ" (رواہ الطبرانی فی الاوسط

(ترغیب ص: ۸۹، ج: ۳)

"جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لئے معروف نہیں، تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا، (یعنی ناشکری کی) یا کسی نسب سے بری ہو، اگرچہ وہ ادنیٰ نسب ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔"

احادیثِ مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلافِ واقع ظاہر کرنے پر جرأت کرے گا۔

ہر کرا بادہ کی آید ز روئے انتقام　　　ایں ہمہ بر گردن او ہیں تیغ برداشتن

بعض نسب بدلنے والوں کا عذرِ لنگ کہ ہم انصاری بہ حیثیت پیشہ ہیں

کہا جاتا ہے کہ نیچ ذات کے والوں کا نام جو ہمارے عرف میں جولاہا ہے یہ نام مستقل مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظ دراصل سنسکرت زبان کا ہے، جس کے معنی ظالم کے ہیں، اور برے ناموں کے رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، اس لئے ہم اپنے کو بجائے جولاہا کے انصاری کہتے ہیں، اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ پیشہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا بھی یہی تھا، الغرض ہم اپنے کو انصاری بہ حیثیت نسب نہیں کہتے، بلکہ بہ حیثیت پیشہ کہتے ہیں۔

لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اول تو یہ غلط ہے کہ جولاہا کے معنی اردو میں مستقل مکروہ ہیں، کیونکہ اصل لفظ چاہے سنسکرت کا ہو یا کسی اور زبان کا، اور معنی ظالم

کے ہوں یا کچھ اور، لیکن اردو میں اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں کہ کپڑا بننے والے کو جولاہا کہتے ہیں، اور ناموں کے مکروہ و مستنکر ہونے کا اعتبار اسی زبان کے اعتبار سے ہونا چاہئے، جس زبان کا لفظ سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہو، اس لئے اردو زبان میں یہ لفظ کوئی مکروہ لفظ نہیں، خواہ سنسکرت میں اس کے معنی کتنے ہی قبیح ہوں، علاوہ ازیں اگر یہی باعث تھا تو کوئی اور نام جیسے نورباف یا بافندہ وغیرہ رکھ لیتے۔ لفظ انصاری جو ایک خاص خاندان کے لئے بولا جاتا ہے، اور اسی معنی میں شہرت پا چکا ہے، اس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا مدعی بننا ہے۔

اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے کو منسوب کرنا سخت حرام اور وعید شدید کا موجب ہے، اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعائے نسب کی نہ ہو، بلکہ محض پیشہ کے لحاظ سے نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطہ سے خالی نہیں۔

جیسے کوئی نبی اور رسول اپنے آپ کو کہنے لگے، اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا قاصد ہوں، تو شرعاً اس معنی سے بھی اپنا لقب نبی اور رسول رکھنا حرام ہے، کیونکہ التباس کا سبب ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ منشاء ان نسبتوں کے تقرر اور القاب کے رد و بدل کا وہی ایک مرض لا علاج محض تکبر و تعلّی ہے، جو خود حرام اور ناجائز ہے۔

اور جو اس کے بعد بھی عزت فانیہ موہومہ پر عزت ابدیہ یقینیہ کو قربان کرے، وہ مسکین قابل رحم ہے، اس کی عقل و دانش پر تعزیت کرنی چاہئے کہ کس متاع گراں مایہ کو کس قدر سستا دے دیا۔

میں تو یگانہ میں گا بک نہ ہوا عزت کا　　　　دین کے بدلہ میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اور تجربہ تو یہ ہے کہ اس طرز سے عزت فانیہ دنیویہ بھی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ نظروں سے گر جاتے ہیں۔

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت　　　　بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اور اگر خداوند عالم ذرا چشم بصیرت عطا فرمائیں، تو انسان کی نظر ایک ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے، جہاں یہ بات روز روشن کی طرح مشاہدہ میں آجاتی ہے کہ دنیا اور اس کی عزت وذلت سب خواب وخیال ہیں، عاقل کا کام نہیں کہ اس کے حصول پر فخر یا عدم حصول پر افسوس کرے۔

زمین شدیم چہ شد آسماں شدیم چہ شد　　　　بچشم خلق سبک یا گراں شدیم چہ شد

بہیچ رنگ دریں گلستاں قرارے نیست　　　　تو گر بہار شدی یا خزاں شدیم چہ شد

اور یہ بات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ ”سہاگن وہی جسے پی چاہے“ عزت وہی عزت ہے، جو دربار الٰہی میں سرخرو کرے، اور اس کے سوا ہر عزت ذلت و رسوائی کی مرادف اور متاع غرور ہے۔ ولنعم ما قیل

ایا رب ذل ساق للنفس عزة　　　　و یا رب نفس بالتذلل عزة

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ

لذت اس میں ہے کہ مل جائے ترے دل میں جگہ

”ایبتغون عندھم العزة فان العزة للّٰہ جمیعا“

”کیا وہ لوگوں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں بیشک عزت تو تمام تر خدا

تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔"

حقیقی عزت وذلت نسب کے تابع نہیں

اور اگر کسی شخص کو یہی مقصود ہو کہ دوسروں پر فضیلت وتفوق حاصل کرے تو اس کی بھی یہ صورت نہیں کہ اپنا اصل نسب چھوڑ کر دوسرے انساب کے سلسلہ میں اپنے آپ کو داخل کرتا پھرے، اور اس کی کوشش میں رہے کہ بعید قرائن کا سہارا لے کر کسی اونچے نسب نامہ میں اپنا نام درج کردے، جیسے آج کل بہت سے لوگوں کو یہ ابتلاء پیش آیا ہے۔

ایسے ہی لایعنی حیلے اور قرینے جمع کرکے کوئی انصاری بنتا ہے، کوئی قریشی اور کوئی راعی، بلکہ عزت وتفوق کی چیز علم اور حسن اخلاق اور اعمال فاضلہ ہیں، ہمیشہ عزت کا مدار یہی رہے ہیں۔

حضرت بلال حبشیؓ اگر آج دنیا میں تشریف لے آئیں، تو اس گئی گزری حالت اور بے پروائی کے زمانہ میں بھی یقین ہے کہ بڑے بڑے عزت کی لمبی ناک رکھنے والے اونچے اونچے نسب کے لوگ ان کے پیر دھونے کو اپنا فخر سمجھیں گے، یہی وہ عزت ہے کہ جس نے بڑے بڑے بادشاہوں کو ادنیٰ ادنیٰ نسب کے لوگوں کے آگے جھکا دیا اور یہی وہ دولت ہے، جس کے لئے ہارون الرشید اور ان کے دونوں صاحبزادے، امین اور مامون کاسہ گدائی لے کر حضرت امام مالک بن انسؒ کے دروازے پر آتے تھے، اور یہی وہ تاج سلطنت ہے کہ جس کے نہ ہونے نے دنیا کے بہت سے نامور بادشاہوں کے ہاتھ میں کاسہ گدائی دلوادیا۔

ایک خراسانی سیدزادہ اور حبشی بزرگ کا مکالمہ

خراسان میں ایک سید زادہ شریف النسب تھے، لیکن جدی اخلاق اور اعمال کے متاع گرانمایہ کو لہو ولعب کی نذر کر چکے، اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا تھے، اور اسی جگہ ایک حبشی عالم متقی تشریف فرما تھے۔ جو نسب کے اعتبار سے بھی آزاد کردہ غلام ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، لوگ ان کی انتہائی تعظیم وتوقیر کرتے تھے، ایک روز اتفاقاً یہ بزرگ مسجد کی طرف جا رہے تھے، خلق اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت پیچھے تھی۔ یہ سید زادہ اچانک سامنے آگئے، نشہ پیے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو بزرگ صاحب کے راستہ سے ہٹانا چاہا مگر یہ نہ ہٹے، اور مجمع کو چیر پھاڑ کر شیخ کے پاس پہنچے، اور ان کا دامن پکڑ لیا، اور نہایت سخت متکبرانہ لہجہ میں خطاب کیا، ''اے سیاہ ذات اور سیاہ نسل والے کافر ہن کا فر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہوں، مجھے ذلیل کیا جاتا ہے، اور تیری عزت کی جاتی ہے، مجھے دھکے دیے جاتے ہیں، اور تیری ہر قسم کی مدد کی جاتی ہے۔''

لوگوں نے یہ کلمات سنے تو ان کو مارنے کے لئے دوڑے، شیخ نے بمشکل بچایا، اور کہا کہ میں ان کی یہ سب باتیں ان کے جدامجد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر برداشت کرتا، اور معاف کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے باطن کو سفید کر لیا اور تم نے اپنے باطن کو سیاہ کر ڈالا، اس لئے میرے دل کی سفیدی میرے سیاہ چہرہ پر دیکھی گئی اور لوگوں کو بھلی معلوم ہوئی، اور تمہارے دل کی سیاہی تمہارے سفید چہرہ پر دیکھی گئی، جو لوگوں کی نفرت کا سبب بنی، میں نے تمہارے والد کی صفت اختیار کر لی، اور تم نے میرے والد کی، تو لوگوں نے مجھے تمہارے والد کی صفت و حالت میں دیکھا، اور تمہیں میرے والد کی صفت میں۔

اس نے انہوں نے مجھ کو تمہارے والد کا بیٹا کہہ دیا تو تم کو میرے والد کا اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے باپ کے ساتھ کرتا تھا اور میرے ساتھ وہ معاملہ جو تمہارے والد کے ساتھ کرتا تھا۔ یہ واقعہ تفسیر روح المعانی میں سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے مفصل لکھا ہے۔ (ص: ۱۵۰، ج: ۲۶) واللہ اعلم

ولا ینفع الأصل من هاشم إذا کانت النفس من باهلة

خلاصہ جملہ مضامین رسالہ

شرافت نسب خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے مگر غیر اختیاری ہے، جیسے بہ نسبت عورت کے مرد ہونا، یا خوبصورت اور خوش آواز ہونا وغیرہ، جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو اس کا فرض ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے، خدا تعالیٰ کا شکر کرے، اور نسبی شرافت کے ساتھ اخلاق حسنہ اور تقویٰ حاصل کرے، معاملات درست کرے، جو اصلی فضائل ہیں، اور دوسرے لوگوں کو جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں ذرا حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معلوم نہیں کہ مالک کی نظر میں کون زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ مشہور ہے کہ "سہاگن وہی جسے پیا چاہے۔"

تا یار کرا خواہد و میلش بہ کہ باشد

ایسا نہ ہو کہ اپنی بدعملی اور بد اخلاقی سے اپنے بڑوں کو بھی جن کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے، بدنام کرے کہ لوگ کہیں:

یہ اس کا بیٹا ہے جن کو بزرگ کہتے ہیں۔

اور جس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہو وہ اس کے فکر میں نہ پڑے، بلکہ عمل اور حقیقی فضائل کی تحصیل میں پوری کوشش کرے تاکہ اس نعمت غیر اختیاریہ کا بھی تدارک ہو جائے، اور خوب سمجھ لے کہ جو چیز حق تعالیٰ نے تجھے عطا نہیں فرمائی،

وہ میرے حسب حال اپنے مناسب شخص ہیں، میں ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مجھ پر خود مجھ سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند — او مصلحت تو از تو بہتر داند

اور حضرت حافظ نے خوب فرمایا ہے

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اس لئے نہ اس کا غم کرے کہ مجھے شرافت نسب حاصل نہیں، اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ کسی نسب شریف کی طرف اپنی نسبت جوڑے یا ایسا ڈھنگ ڈھونڈے جو کسی شریف نسب کے ساتھ اشتراک پیدا کر دے، یا اس کا موہم ہو، اور سمجھ لے کہ یہ کوئی اصلی فضیلت و کمال حقیقی نہیں۔

معاملات نکاح وغیرہ میں نسب اور پیشہ کی کفاءت کو شرعی حکم اور مصالح اور حکمتوں کا مجموعہ سمجھے، اس کو مساوات اسلامی کے خلاف نہ جانے اور سمجھ لے کہ یہ غیر فطری مساوات کہ جس میں ادنیٰ اعلیٰ اور کھرے کھوٹے اور چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہ ہو محض بے عقلی کی مساوات ہے، جو فطرت کے خلاف ہے، عقل کے موافق مساوات وہی ہے، جو اسلام نے اختیار فرمائی ہے کہ تجویز قانون میں درجات و حیثیات کو پورا لحاظ رکھا جائے، لیکن مقرر کردہ قانون کی تنفیذ میں مساوات کا برتاؤ کیا جائے، کہ از روئے قانون جو شخص جس درجہ سزا یا جزا کا مستحق ہو، اس کو وہی دیا جائے، اس میں شاہ و گدا اور ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہوں۔

نفاذ قانون میں کسی کا رعب اور بڑے عہدہ یا منصب، مال و دولت کی کمی یا قرابت و مودت کے تعلقات حائل نہ ہوں، اور مسلمان کی شان اس بارہ میں لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کی مصداق ہو۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد ز کس　　ہمیں است بنیاد توحید و بس

هذا اخر ما تيسر لي في هذا الباب بعون الملك الوهاب مع تشتت الهموم و هجوم الغموم و له الحمد اوّله و اخره و ظاهره و باطنه. فالحمد لله الذي بعزته و جلاله تتم الصالحات و صلى الله تعالى على خير خلقه و صفوة رسله و على اله و صحبه اجمعين.

خدا تعالیٰ کا شکر و انعام ہے، آج ۸ رجب ۱۳۵۱ھ روز چہارشنبہ بعد العشاء یہ اوراق تمام ہوئے، خدا کرے کہ میرے اعمال کی شامت اس میں موثر نہ ہو، اور حق تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرما کر مفید بنادیں۔ و ما ذالک علی الله بعزیز۔

بندہ ضعیف

محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

❀❀❀

اس لئے چند سطریں بصورت فوائد متفرقہ کے لکھ کر اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں، اور سہولت تعبیر کے لئے ایک لقب بھی تجویز کرتا ہوں، اور یہ سب تقریظ ہے، کیونکہ تقریظ کی حقیقت تصدیق ہے، اور جب تصدیق اجمالی تقریظ ہے تو یہ تصدیق تفصیلی ہے۔

الفائدة الاولیٰ

فی تفسیر بیان القرآن سورۃ البقرۃ، آیۃ تلک امۃ، عدم کفایت انتساب بمقبولین در نجات **تلک امۃ قد خلت، لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون** ۔ یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی، جو (اپنے زمانہ میں) گزر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا، اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی۔ (اور خالی تذکرہ بھی نہ ہوگا، اس سے تم کو نفع پہنچنا یہ تو بڑی دور ہے)

ف: انتساب بالمقبولین کا نافع نہ ہونا، اس شخص کے لئے ہے، جو عقائد قطعیہ میں بھی ان مقبولین کا مخالف ہو، گو طبعاً ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو، اور یہود و نصاریٰ ایسے ہی تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے، اور سب انبیاء اس کے مصدق تھے، یہ لوگ اسی میں مخالف تھے، اور جو شخص ایسے عقائد میں موافق و متبع ہو، گو کسی امر جزئی میں عاصی بھی ہو، ایسے شخص کو اس انتساب کا کسی درجہ میں نافع ہونا، خواہ شفاعت سے یا محبت سے یا بنا برمعیت کے تحت مشیت سے یہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے، اور اسی انتساب کو نسب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انتساب مؤمنین کو نافع ہوگا نہ کہ کفار کو اور نسب اس معنے کے اعتبار سے نافع ہے نہ کہ شرافت بالمعنی العرفی کے اعتبار سے خوب سمجھ لو، اب سب نصوص و

دلائل مطابق و متوافق ہو گئے، مثل آیۃ:

و الذین آمنوا و اتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنا بہم ذریتہم، و آیۃ: فلا انساب بینہم یومئذ، و آیۃ: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، و حدیث: شفاعۃ و حدیث المرء مع من احب، و حدیث: یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللہ شیئاً۔

رہا دنیا میں تفاوت انساب اپنے آثار کے اعتبار سے بلا شبہ متضمن مصالح کثیرہ و مشاہد ہے، لیکن اپنا تفاخر اور دوسرے کی تحقیر حرام ہے۔ و فی سورۃ الطور آیۃ: و الذین آمنوا و اتبعتہم ذریتہم الآیۃ۔ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، (یعنی وہ بھی ایمان لائے گو اعمال میں وہ اپنے آباء کے رتبہ کو نہیں پہنچے۔) جیسا کہ عدم ذکر اعمال اس کا قرینہ ہے، و نیز احادیث میں مصرح ہے۔ کانوا دونہ فی العمل، و لم یبلغوا درجتک و عملک و کانت منازل آباءہم ارفع، رواہا فی الدر المنثور۔

تو گو مقتضا ان کے انحطاط عمل کا انحطاط درجہ تھا، لیکن ان آباء مومنین کے اکرام و مسرور کرنے کے لئے ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور (ان شامل کرنے کے لئے) ہم ان (اہل جنت متبوعین) کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ (یعنی یہ نہ کریں گے کہ ان متبوعین کے بعض اعمال لے کر ان کی ذریت کو دے کر برابر کر دیں۔ جیسے مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں، اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کو برابر کرنا مقصود ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ چھ سو والے سے سو روپے لے کر چار سو والے کو دے دیے جاویں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو گئے، اور دوسری صورت جو کریموں کے شان کے لائق ہے یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ نہ لیا جاوے، بلکہ اس چار سو والے کو دو سو

روپے اپنے پاس سے دے دیں، اور دونوں کو برابر کر دیں، پس مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت واقع نہ ہوگی، کہ اس کا اثر یہ ہوتا کہ متبوع کو بوجہ کم ہو جانے اعمال کے اس کے درجہ سے کچھ نیچے لاتے اور تابع کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک متوسط درجہ میں رہتے، یہ نہ ہوگا، بلکہ دوسری صورت واقع ہوگی، اور متبوع اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہے گا، اور تابع کو وہاں پہنچا دیا جاوے گا، وفی سورۃ الحجرات آیۃ :یا ایھا الناس ان خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم، ان اللّٰہ علیم خبیر۔)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے، (پس اس میں تو سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھران قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (سو محض اس لئے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو، کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ خوب جاننے والا (اور وہی اس سے) پورا خبردار ہے، (پس اس پر بھی شیخی مت کرنا، کما قال تعالیٰ فلا تزکوا انفسکم)

ف: شعب خاندان کی جڑ کو کہتے ہیں، اور قبیلہ اس کی شاخ کو مثلاً سید ایک شعب ہے، اور حسنی وحسینی قبائل ہیں، وعلی ہذا۔

اور تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں، مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں، خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتا ہے، اور مثلاً یہ کہ اس سے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہیں، اور بقدر قرب وبعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں، اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب وبعد معلوم ہوتا ہے، تو حاجب ومحجوب

متعین ہوتا ہے، اور مثلاً یہ کہ اپنا خاندان معلوم ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب نہ کرے گا، جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے، اور شرف نسبی معتبر ہونے کی حد اور درجہ پارہ الٓم کے ختم آیت تلک امۃ قد خلت واقع موقع اول کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں، ملاحظہ کریجیے۔

تفریع: ان آیات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

۱:..... انتساب بالمقبولین آخرت میں غیر مومن کے لئے نافع نہیں، اور مومنین کے لئے نافع ہے، اور جن مقبولین کی طرف انتساب نافع ہوگا، وہ مقبولین عام ہیں، خواہ عرفاً شریف النسب ہوں، یا نہ ہوں، البتہ ان میں جن قبائل کی فضائل ویہ بھی مخصوص وارد ہیں، ان کی طرف انتساب اور زیادہ نافع ہوگا، تو شرف نسب عرفی کے بعض افراد بھی خاص قیود کے ساتھ آخرت میں نافع ہوں گے، پس شرف نسب مطلقاً ایک نعمت ہوئی، اور قبائل اہل فضائل کے انتساب سے جو شرف نسب ہو، وہ اور زیادہ نعمت ہوئی، اور نعمت پر شکر واجب ہے، پس اس پر بھی شکر واجب ہوا۔

۲:..... تفاخر بالانساب حرام ہے، جیسا دوسری نعمتوں پر بھی تفاخر حرام ہے۔

۳:..... قوموں اور خاندانوں کے تفاوت میں مصالح کثیر ہیں تمدنیہ بھی شرعیہ بھی۔

۴:..... ہر چند کہ اصل شرف تقویٰ ہے، مگر فخر اس پر بھی حرام ہے، پس جیسا تقویٰ پر تفاخر کی حرمت سے تقویٰ کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی، اسی طرح خاص انساب پر تفاخر کی حرمت سے ان انساب کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔

الفائدة الثانية

فى المشكوة باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه: عن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول ان الله اصطفىٰ كنانة من ولد اسمعيل و اصطفىٰ قريشا من كنانة و اصطفىٰ من قريش بنى هاشم و اصطفانى من بنى هاشم رواه مسلم.

و فى رواية الترمذى: ان الله اصطفىٰ من ولد ابراهيم اسمٰعيل و اصطفىٰ من ولد اسمٰعيل بنى كنانة و فيها فى الباب المذكور عن العباس انه جاء الى النبى صلى الله عليه و سلم فكانه سمع شيئاً فقام النبى صلى الله عليه وسلم على المنبر فقال من أنا فقالوا أنت رسول الله قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنى فى خيرهم ثم جعلهم فرقتين فجعلنى فى خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنى فى خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلنى فى خيرهم بيتا فانا خيرهم نفسا و خيرهم بيتا رواه الترمذى و فيها باب المفاخرة و العصبية عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم الكريم ابن الكريم ابن الكريم يوسف بن يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم رواه البخارى. و عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه و سلم لينتهين اقوام يفتخرون بآبائهم الذين ماتوا انما هم فحم من جهنم او ليكونن اهون على الله من الجعل الذى يدهده الخراء بانفه ان الله قد اذهب عنكم عصبية الجاهلية و فخرها بالآباء انما هو مؤمن تقى او فاجر شقى الناس كلهم بنو ادم و ادم من تراب رواه الترمذى و ابو داؤد . و فيها باب مناقب قريش و ذكر القبائل عن ابى هريرة ان النبى صلى الله عليه و سلم قال الناس تبع لقريش فى هذا الشان

مسلمهم تبع لمسلمهم و كافرهم تبع لكافرهم متفق عليه. و فيها في الباب المذكور عن سلمان ق' قال لي رسول الله صلى الله عليه و سلم لا تبغضني فتفارق دينك قلت يا رسول الله كيف ابغضك و بك هدانا الله قال تبغض العرب فتبغضني رواه الترمذي و قال هذا حديث حسن غريب. و فيها باب العطايا عن ابي هريرة ان اعرابيا اهدى لرسول الله صلى الله عليه و سلم بكرة فعوضه منها ست بكرات فتسخط فبلغ ذالك النبي صلى الله عليه و سلم فحمد الله و اثنى عليه ثم قال ان فلانا اهدى الي ناقة فعوضته منها ست بكرات فظل ساخطا لقد هممت ان لا اقبل هدية الا من قرشي او انصاري او ثقفي او دوسي. رواه الترمذي و ابوداؤد و النسائي۔

ان احادیث سے یہ امور مستفاد ہوئے:

۱:...... اگر شرف نسب کوئی چیز نہ ہوتا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضائل میں اس کو بیان کیوں فرماتے، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے شرف نسب کو موقع فضیلت میں کیوں بیان فرماتے، اسی طرح قریش اور عرب کے فضائل کیوں بیان فرماتے۔

۲:...... البتہ اس پر فخر کرنا مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ حرام ہے۔

۳:...... اللہ تعالیٰ نے خاص اقوام وقبائل کے کچھ خواص بھی رکھے ہیں، گو باعتبار اکثر کے سہی۔

الفائدة الثالثة

في جمع الفوائد: ذكر الاولياء و الشهود و الاستيذان و الكفاءة

(معاذ) رفعه العرب بعضها اكفاء لبعض و الموالي بعضهم اكفاء لبعض للبزاز وفيه سليمان بن ابي الجون (عائشة) رفعته تخيروا لنطفكم و انكحوا الاكفاء و انكحوا اليهم للقزويني بضعف قلت و لايضر اللين بعد تقويته بعمل الامة و فيه ذكر الكسب و المعاش (ابن محيصه) انه استاذن النبي صلى الله عليه و سلم في اجرة الحجام فنهاه و كان له مولى حجاما فلم يزل يسأله و يستأذنه حتى قال له اخرا علفه بنا ضحك و اطعمه رقيقك لابي داؤد و الترمذي و الموطأ بلفظه و في الباب احاديث كثيرة۔

ان حدیثوں سے کفاءت فی الجماعات والصناعات ثابت ہے، اور اجرت حجام کے منع کو حرمت صرفہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا، ورنہ غلام کو کھلانا بھی جائز نہ ہوتا، اور حدیثوں میں خود آپ کا حجام کو اجرت دینا مروی ہے، پس سبب اس منع کا محض دنائت و تلوث بالنجاسات ہے، تو دوسرے شریف پیشوں سے اس کا برابر نہ ہونا صاف ثابت ہوا، اور نکاح کے باب میں ایک حدیث سے کفاءت کے غیر معتبر ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس شبہ کو اس طرح دفع(۱) فرمادیا:

في ذكر الخطبة قال صلى الله عليه وسلم اذا خطب اليكم من ترضون دينه و خلقه فزوجوه ان لاتفعلو تكن فتنة في الارض و فساد

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں کفاءت کے اعتبار کرنے کی ضرورت کو جن لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے وہ اس کے ترجمہ سے معلوم ہو سکتی ہے فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے کفاءت کے غیر معتبر ہونے کا کوئی اشارہ نہیں ہو سکتا اور کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ فطرت انسانیہ اس کے اعتبار کرنے پر مجبور ہے اور اس کے خلاف کرنا قتل کے برابر ہے۔ سب لوگ اپنے اپنے مرتبہ پر ہوں اور شریعت ایسی ضروری چیزوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اور اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو منع کروں گا کہ وہ اپنے کفو کے سوا کسی سے نکاح نہ کریں الخ۔ ۱۲منہ

عن بعض (اقول) لیس فی ھذا الحدیث ان الکفاءۃ غیر معتبرۃ کیف و ھی مما جبل علیہ طوائف الناس و کاد یکون القدح فیہا اشد من القتل و الناس علی مراتبھم و الشرائع لا تھمل مثل ذالک و لذالک قال عمر رضی اللّٰہ عنہ لامنعن النساء الامن اکفاء ھن و لکنہ اراد ان لا یتبع احد محقرات الامور نحو قلۃ المال و رثاثۃ الحال و دمامۃ الجمال او یکون ابن ام ولد و نحو ذالک من الاسباب بعد ان یرضی دینہ و خلقہ فان اعظم مقاصد تدبیر المنزل الاصطحاب فی خلق حسن و ان یکون ذالک الاصطحاب سببا لصلاح الدین۔

الفائدۃ الرابعۃ

جس مساوات کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کا ہادم خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا تفاضل منصوص آیت تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض اور آیت و لقد فضلنا بعض النبیین علی بعض۔ اور تفاضل امم منصوص آیت و رفعنا بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما اتکم اور تفاضل اصناف منصوص آیت الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعض کافی ہے۔ اور جو مساوات نقلاً وعقلاً ثابت ہے اس کی حقیقت مجملاً یہ ہے کہ ایسی ترجیح کہ جس سے عدل وحقوق واجب فوت ہوتے ہوں جائز نہیں، اور حقیقت مقصود وہ ہے جو اصل رسالہ میں خوب شرح وبسط سے لکھ دی گئی ہے، اور یہی معنی ہیں نصوص نافیہ تفاضل کے۔

الفائدۃ الخامسۃ

جو لوگ بلا دلیل اپنے کو معزز قوموں میں داخل کر رہے ہیں، وہ ان نصوص کی مخالفت کر رہے ہیں، قال اللہ تعالیٰ: و لا تقف ما لیس لک بہ علم۔ وقال تعالیٰ:

کی دلیل قائم ہے، جواب یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ثبوت نسب میں تسامع و تواتر کافی ہے، سو یہ حاصل ہے اور جدید شبہات ان دلیلوں سے بھی مجروح ہیں۔

الفائدة السابعة

بعض لوگ اس تفاوت نسب میں کچھ عقلی مخدورات لازم کرتے ہیں مگر اوپر دلیل صحیح سے تفاوت کا معتبر ہونا ثابت ہو چکا ہے، وہ ان شبہات کے اجمالی رد کے لئے کافی ہے، اور کسی قدر تفصیلی رد کے لئے ایک مضمون نقل کرتا ہوں، جو ایک ایسے ہی شبہ کے جواب میں ۲۷ ربیع ۲، ۱۳۳۵ھ کو لکھا گیا ہے۔ (از امداد الفتاوی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں:

۱: قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نومسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں، اور اگر ہے تو کون سے پارہ میں اور کون سے رکوع میں ہے، یا صحاح ستہ کی کتابوں میں سے اس مضمون کی حدیث بھی ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں، اور اگر ہے تو کوئی کتاب اور کون سے صفحہ میں یہ حکم ہے۔

۲: آبائی مسلمان شریف ہیں ان نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوا ہو، یا اس کا باپ مسلمان ہوا ہو، یہ قول معصوم کا ہے یا غیر کا، کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روکنے والا ہے، یہ قول قابل عمل کرنے کے ہے یا نہیں؟

۳: عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب شریف کے نومسلم زیادہ شریف ہیں؟

الجواب: ان سوالات کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کئے ہیں، ان میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناشی کے ذکر کئے جاتے ہیں، قولہ: قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے الخ

قولہ: صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے الخ۔ اس میں دعویٰ ہے کہ صرف قرآن و حدیث خصوص صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے، کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور اجماع و قیاس حجت نہیں۔

قولہ: یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے الخ۔ ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب تو اس میں بھی وہی دعویٰ ہے، جو اوپر گزرا، لیکن اگر معصوم میں اہل اجماع کو بھی داخل کیا ہے، اس بناء پر کہ ان میں گو ہر ہر واحد معصوم نہیں، لیکن مجموعہ معصوم ہے۔ بحدیث ان اللّٰہ لایجمع امتی علی الضلالۃ۔ تو قیاس کی حجیت کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے۔

قولہ: کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ۔ اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے، خواہ وہ قول معصوم کا ہو یا علماء کا، تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے، کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے، خصوص اگر معصوم سے مراد پیغمبر ہوں، تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے، اور اگر صرف علماء ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو اول تو نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام و بالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں، گو بعض جزئیات میں اختلاف ہو، تو مسئلہ اجماعی ہوا، تو اجماع کا رد ہے، اور اگر اجماعی بھی نہ ہوتا، تب بھی اس میں علماء کے عدد کثیر کی تحمیق و تجہیل ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا، اور یہ سب لوازم دعاوی ہیں، علاوہ اس کے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے، کہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ۔ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے، شق اول تو مشاہدۃً باطل ہے، کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے ہیں، اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے، وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے، اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی

کیا تخصیص ہے، بعض کفار کے لئے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں، جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہیں، مثلاً جہاد و استرقاق و تعدد نکاح و مشروعیہ طلاق و ذبح حیوانات وغیرہا من الاحکام التی لا تحصیٰ۔

تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کر سکتے ہیں، بلکہ خود اس مسئلہ کا مقابل مسئلہ مساوات مطلقہ بعض کفار کے لئے مانع عن الاسلام ہو سکتا ہے، مثلاً اگر کسی ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہو جاوے، کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نو مسلم بھنگی یا چمار کے برابر سمجھا جاؤں گا، اور اگر وہ میری لڑکی کے لئے پیام دے، تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفاءت کا عذر کرنا میرے لئے موجب معصیت و موجب عقوبت آخرت ہوگا، تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ معلوم کر کے وہ اسلام سے رک جائے، تو یہ محذور دونوں جانب برابر رہا، پھر اس مانعیت کے کیا معنی؟ بہر حال یہ سوالات اس عنوان سے اتنے دعووں کو مستلزم ہیں، اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے، تو ان دعووں کو ثابت کیا جائے، ورنہ عنوان بدلا جاوے جس میں کسی غیر مسلم مقدمہ کا دعویٰ نہ ہو۔ فقط۔

الفائدة الثامنة

بعض قوموں کے بعض خواص بطور امثال کے مشہور ہو گئے ہیں، وہ خاص مواقع پر زبان یا قلم پر آجاتے ہیں، بعض خطوط اس کی شکایت کے بھی آئے، اس لئے اس کے متعلق بھی مختصراً عرض کرتا ہوں۔ فی المشکوٰۃ باب مناقب قریش و ذکر القبائل عن عمران بن حصین قال مات النبی صلی اللہ علیہ و سلم و ہو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف و بنی امیۃ الخ رواہ الترمذی و قال ہذا حدیث غریب ۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کسی قوم کے خاصہ غالبہ کی وجہ سے کوئی مذمت یا نقص تک بھی زبان پر آجائے، جیسا صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشادات سے ہی معلوم ہوا تھا تو بھی کچھ حرج نہیں اور اسی سے فقہاء وعلماء نے تصریح فرمادی ہے کہ قوم کی تنقیص جبکہ معین شخص نکل قوم مراد نہ ہو غیبت نہیں ہے۔

فی احیاء العلوم بیان ان الغیبۃ لا تقتصر علی اللسان و اما قولہ قال قوم کذا فلیس ذالک غیبۃ انما الغیبۃ التعرض لشخص معین اما حی و اما میت و من الغیبۃ ان تقول بعض من مربنا الیوم او بعض من رأیناہ اذا کان المخاطب یفہم منہ شخصاً معینا لان المحذور تفہیمہ دون ما بہ التفہیم فاما اذا لم یفہم عینہ جاز الخ فی الدر المختار و لو اغتاب اہل قریۃ فلیس بغیبۃ لانہ لا یرید بہ کلہم بل بعضہم و ہو مجہول خانیۃ فتباح غیبۃ مجہول فی رد المحتار قولہ فلیس بغیبۃ قال فی المختار و لاغیبۃ الا لمعلومین قولہ لانہ لا یرید بہ کلہم مفہومہ انہ لو اراد ذالک کان غیبۃ تامل کتاب الحظر و الاباحۃ اہ۔

الفائدۃ التاسعۃ

بعض انساب بعض احکام کی شرط ہیں نص سے بھی اجماع سے بھی بعض اہل الرائے کا خلاف ان میں باطل ہے، جیسے حدیث میں ہے الائمۃ من قریش اور تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے، اس میں بعض کا بعض سیاسی اغراض سے توسع کرنا مقابلہ ہے نص کا، اور وہ مصلحت بھی اس پر موقوف نہیں، کیونکہ شریعت میں جس طرح امام واجب الاطاعت ہے، اسی طرح سلطان الاسلام بھی گو امام نہ ہو جیسا کہ احادیث میں سے بھی یہ ہیں، ایک تحریف بعض نے ان احادیث میں کی ہے کہ وجوب طاعت کے لئے اسلام کو بھی شرط نہیں ٹھہرایا یہ بھی محض تحریف ہے، البتہ حاکم غیر مسلم کی اطاعت کے دوسرے مستقل قواعد واحکام ہیں اس کا ان احادیث سے نفی نہیں۔

ف: اس اشتراط میں بھی ابطال ہے مساوات مخترعہ کا۔

الفائدة العاشرة

اسی طرح بعض انساب بعض احکام سے مانع ہیں جیسے ہاشمیت مانع ہے، اباحۃ اخذ زکوٰۃ سے اور ظاہر مذہب یہی ہے کما فی الدر المختار ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع اور اباحت کا قول گو بعض فقہاء نے لیا ہے، مگر رسم المفتی کی بناء پر وہ مرجوح ہے، نہ کوئی نص اس کا ماخذ ہے، نہ مجتہد کا قول اور جو نص اس باب میں ذکر کی جاتی ہے و هو ما اسند الطبراني عن ابن عباس قال بعث نوفل بن الحارث ابنيه الى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال لهما انطلقا الى عمكما لعله يستعين بكما على الصدقات فاتياه و اخبراه بحاجتهما فقال لا يحل لاهل البيت من الصدقات شیء ان لكم في خمس الخمس ما يغنيكم و يكفيكم (حاشیہ ہدایہ من فتح القدیر) اور استدلال کی یہ تقریر کی جاتی ہے: لان عوضها و هو خمس الخمس لم يصل اليهم لاهمال الناس امر الغنائم و ايصالها الى مستحقيها و اذا لم يصل اليهم العوض عادوا الى المعوض كذا في البحر (شامی) پس یہ استدلال اس لئے مخدوش ہے کہ جن ائمہ کے نزدیک خمس الخمس باقی ہے، ان کے مذہب پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علت حرمت زکوٰۃ مشروعیہ ہے خمس الخمس کی، جو کہ اب بھی باقی ہے، پس حرمت بھی باقی ہے، نہ کہ وصول خمس الخمس کا جو تھا وہ ناس کے سبب متروک ہو گیا، پس عدم وصول سے علت کا ارتفاع نہیں ہوا، اور جن ائمہ کے نزدیک خمس الخمس نہیں رہا، جیسا حنفیہ کا مذہب ہے ان کے مذہب پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حرمت کی حکمت ہے، اور حکمت کے ارتفاع سے حکم مرتفع نہیں ہوتا، جیسا اراۃ قوت رمل کی حکمت تھی، اور اس کے ارتفاع کے بعد بھی رمل باقی ہے، اور علت حرمت کی زکوٰۃ کا اوساخ اموال الناس ہونا ہے، جیسا کہ

نصوص میں مصرح ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں، ثم قال ان هذه الصدقة لاتنبغی لآل محمد انما هو اوساخ الناس (جمع الفوائد لمسلم وابی داؤد والنسائی) اور یہ اب بھی باقی ہے، پس حکم بھی باقی ہے، اور اگر کوئی حکمت کو علت ہی کہنے لگے، تو اس کا منصب صرف مجتہد کو ہے، اگر یہ علت ہوتی تو خیر القرون میں اس کا تعامل تو منقول ہوتا، اور کوئی کہے کہ ابو عصمہ نے امام صاحب سے بھی نقل کیا ہے، تو مجتہد کا قول بھی پایا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو راوی ہی متکلم فیہ ہیں، کما نقله الشيخ عبد الحي اللكنوى فی مقدمة الهدايه قول ابن الحجر كذبوه فی الحديث و قول ابن المبارك كان يضع اھ دوسرے اصل قول امام صاحب کا وہی ہے جو ظاہر مذہب ہے، اور ظاہر مذہب کا چھوڑنا بدون قوت دلیل کے جائز نہیں، اور دلیل کا ضعف ظاہر ہو چکا، اس لئے اس قول پر عمل کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم

ف: الغرض ہاشمیت زکوٰۃ لینے سے مانع ہے، اور اس مانعیت میں بھی ابطال ہے مساوات مخترعہ کا۔

وهذا آخر ما اردناه في هذا المقام

والى الله المنتهى فى كل مرام

كتبه اشرف على

آخر العشرة الوسطى من رجب يوم الجمعة ۱۳۵۱ھ

عہد ماضی پر دو آنسو

یا عمر رفتہ کا مرثیہ ۱۳۵۱ھ

میں اس وقت کہ رسالہ ہٰذا کو ختم کر رہا ہوں، احقر کی عمر کی سینتیسویں منزل ہے، عمر گرانمایہ کا ایک معتد بہ اور کام کا حصہ ضائع ہوتا ہوا دیکھ کر چند اشعار بے ساختہ زبانِ قلم پر آ گئے۔

نہ شعر و سخن کا مشغلہ ہے نہ ردیف و قافیہ کی دھن، ضائع شدہ سرمایہ عمر کا مرثیہ ہے، با ایں خیال درج کیا جاتا ہے، کہ شاید کسی دیکھنے والے کو عبرت ہو:

من نہ کردم شما حذر بکنید

هفت و سی از تو وقت در غفلت ۔۔۔ هیچ باقی مگر تو چه داری

کار کے بر نیامد از وحدت ۔۔۔ اے ز ہر علم و ہر عمل عاری

راحت از تو نیکی کس نرسید ۔۔۔ حیف باشد کہ مردم آزاری

جملہ عالم بجز حسد مشغول ۔۔۔ وائے بر حال تو کہ بے کاری

تا بکے شکوہ ہائے خواب گراں ۔۔۔ اے کہ خواب تو بہ ز بیداری

رسالہ غایات النسب

کے متعلق حضرت حکیم الامۃ

جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی توضیحات

مسمّیٰ بہ

رفع الغلط لدفع الشطط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰایها الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم الاٰیة

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی عفی عنہ عرض رسا ہے کہ ۳ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ کو مجھ سے میرے ایک عزیز دوست نے جو مظفر نگر میں مقیم ہیں، اور یہاں آئے ہوئے تھے، بیان کیا کہ مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ نہایات الارب سے بعض لوگوں نے مظفر نگر میں ایسی غلط فہمی پھیلا دی کہ بعض پیشہ ور قومیں اس رنج وغم میں مبتلا ہو کر افسردہ پژمردہ ہیں کہ بس جی ہم جنت ہی میں نہ جاویں گے، جو سراسر بہتان ہے، کوئی شخص اس گھڑے ہوئے مضمون کو تمام رسالہ میں نہیں دکھلا سکتا، اور اگر بعض معاصی پر اس وعید کا مذکور ہونا محل شبہ ہو، تو وہ وعید تو معاصی پر ہوئی، کسی خاص قوم کی حیثیت سے تو نہیں ہوئی، سو ایسی وعید تو شرافت پر فخر کرنے والوں کے حق میں بھی اسی رسالہ میں مذکور ہے، جیسا عبارت ہفتم میں آتا ہے، اور روایت کے ساتھ ان دوست نے یہ بھی رائے دی کہ وہاں کسی کو بھیج کر ان کی تفہیم کر دی جائے۔ اس کے قبل بھی اسی قسم کے بہتان رسالہ مذکور کے متعلق سنے گئے تھے، مگر وہ بصورت اعتراض تھے، جس کو اس لئے قابل التفات نہیں سمجھا کہ

معترضین کا جو کہ اکثر اہل غرض ہوتے ہیں، کچھ علاج ہی نہیں۔ لیکن بے خبر مسلمان بھائیوں کے رنج سے بہت دل کڑھا، اور ترحم و شفقت ان کی تسلی کی متقاضی ہوئی، اور اس کی ایک صورت تو وہی تھی، جو عزیز مذکور نے تجویز کی، ایک صورت یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی طرف سے کسی کو یہاں بھیج دیتے کہ وہ سمجھ کر ان کو سمجھا دیتا، میں نے عزیز مذکور کے جواب میں یہی تجویز کیا تھا، مگر پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اور مقامات پر بھی اہل اغراض کی بدولت بعض غرباء پر ایسا ہی اثر ہوا ہو، اس صورت میں تدبیر خاص تسلی عام کے لئے کافی نہ ہوگی، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ کوئی مختصر مضمون اس کے متعلق ضبط کر کے شائع کر دیا جاوے تا کہ وہ ضرورت کے دوسرے مقامات پر بھی پہنچ جائے، اور چونکہ اس پریشانی کا سبب بعض عبارات کے معنی بدل کر اور بعض عبارات کا اول و آخر حذف کر کے ان کا شائع کرنا ہے، اس لئے مناسب اور سہل صورت اس مقصود کی یہ سمجھ میں آئی کہ رسالہ مذکورہ کی دوسری عبارات جن سے مقصود کی حقیقت واضح ہو جاوے، جن کو اہل اغراض نے قصداً پوشیدہ رکھا ہے، بقدر ضرورت منتخب کر کے جمع کر دی جاویں، تا کہ ان پر مطلع ہو کر مجموعہ سے صحیح نتیجہ نکال سکیں، اور غلط فہمی رفع ہو کر ان کی تسلی ہو جاوے، اور یہی اس وقت مقصود ہے، باقی جن کو پریشانی پھیلانا ہی مقصود ہے، اور اسی مقصود کے لئے تحریف اور بہتان سے بھی ان کو باک نہیں، ان کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ خدا کے سپرد کیا جاوے، خواہ وہ دنیا میں ان کی آنکھیں کھول دیں، خواہ آخرت میں اور ان سطور کا نام ان کے مدلول کے مناسب رفع الغلط لدفع الشطط رکھتا ہوں۔

عبارت اول: صفحہ: ۴، سطر: ۱۹، قولہ: ایک جماعت نے (جن کو اللہ تعالیٰ نے شرافت عطا فرمائی تھی) اپنے انساب پر بیجا تفاخر و تکبر اور دوسروں کی تحقیر شروع کر دی، اور کمالات حقیقیہ سے قطع نظر کر کے صرف اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم فلاں

بزرگ یا فلاں بادشاہ کی اولاد ہیں۔ف: اس عبارت میں صریحاً ان کی بھی مذمت کی ہے جو شرافت نسب پر فخر اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔

عبارت دوم: صفحہ:۵، سطر:۲، قول: پہلا مرض (تفاخر بالانساب) عرب، اور عربی النسل لوگوں میں زیادہ ہوا۔

ف: اس میں بھی وہی مضمون بالا ہے۔

عبارت سوم: صفحہ:۶، سطر:۱۵، قول: اونچے نسب کے آدمی اپنے سے نیچے لوگوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی روانہ رکھتے تھے، جرائم کی سزا بھی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر جاری کی جاتی تھی، بڑے درجہ کے لوگ ساری سزاؤں سے مستثنیٰ اور تعزیرات کی مشق کے لئے غرباء وضعفاء قوم کے بدن وقف تھے۔

ف: اس میں صریح مذمت عالی نسب لوگوں کی اور گہری ہمدردی غریب اور ضعیف قوموں کی ہے۔

عبارت چہارم: صفحہ:۷، سطر:۳ حدیث ایھا الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوىٰ۔ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم ۔(ترجمہ) اے لوگو! تمہارا مالک ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلت تقویٰ کے نہیں ہے۔

اور پھر اپنے ہر قول و فعل، علم و عمل سے اس کو اس طرح ثابت کر دکھایا کہ ہر ضعیف سے ضعیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان اپنی حد کے اندر بادشاہی کرنے لگا، قانون کی دفعات اور ان کی نفاذ میں ذات پات کی اونچ نیچ یا اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا: ؎

شاہ و گدا بہمت دریا دلاں یکے است پوشیدہ است پست و بلند زمین در آب

ف: اس میں بمقابلہ تقویٰ کے دوسرے اسباب فضائل کی صریح نفی ہے۔

عبارت پنجم: صفحہ: ۱۵، سطر: ۴، قول: شرعی عزت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت پر ہے، ذات پات کی اونچ نیچ اصناف واقوام کا تفاوت اس جگہ کچھ اثر نہیں رکھتا، ارشاد خداوندی ہے، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بیشک تم سب میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو زیادہ متقی ہو، اور اسی مضمون کے لئے عارف جامی کا یہ شعر دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور اسی مضمون کو احادیث صحیحہ میں مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، جن میں سے بعض احادیث اسی رسالہ میں تفاخر بالانساب کے عنوان کے ماتحت آئیں گی، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے، اس کے بغیر کوئی کسی سے افضل نہیں، مرد اگر عورت سے افضل ہے، تو جب ہی کہ دولت تقویٰ میں اس سے کم نہ ہو، عرب کو عجم پر اگر فضیلت ہے، تو اسی شرط کے ساتھ ہے، سادات (بنی ہاشم) کو دوسرے عرب پر اور تمام عجم پر فضیلت ہے، تو وہ بھی اسی وقت کہ سادات کی روح یعنی تقویٰ ہاتھ سے نہ جائے۔

ف: اس میں نہایت شدومد سے عبارت چہارم کے مدلول کا اعلان ہے۔

عبارت ششم: صفحہ: ۲۰، سطر: ۱۲، قول: الغرض بعض جائز پیشوں کی مذمت جو احادیث میں وارد ہے، منشا اس کا بھی وہی تقویٰ وطہارت کی کمی ہے، اگر کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار کرے، لیکن تقویٰ وطہارت اور اخلاق حسنہ میں کوئی کوتاہی نہ کرے، تو وہ اس مذمت کا مورد نہیں ہو سکتا۔

ف: اس میں تصریح ہے کہ جو پیشے شریعت سے جائز ہیں، اگر تقویٰ وطہارت

کے ساتھ ہوں، تو ان میں خود کوئی برائی نہیں، باقی باوجود برائی نہ ہونے کے جو ان میں عرفاً تفاوت ہے، اس کا مبنی خاص مصالح ہیں، جن کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہے، اور حکام نے بھی اس کو مان لیا ہے، چنانچہ عالمگیری جس میں ایسے مسائل مذکور ہیں، حکومت موجودہ کے قانون میں بھی داخل اور مسلم ہے، اس سے اہانت لازم نہیں آتی۔

عبارت ہفتم: صفحہ: ۳۱، سطر: ۷، قولہ: ارشاد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، ہر قوم کو چاہئے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آئے، ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاویں گے۔ (رواہ البزار فی مسندہ، روح: ۱۳۹)

ف: اس میں نسب پر فخر کرنے والوں کے لئے کیسی سخت وعید ہے۔

عبارت ہشتم: صفحہ: ۳۲، سطر: ۱، قولہ: حسب نسب پر فخر وغرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث وتفسیر اور اخلاق وسیر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائح کا مفصل تذکرہ کیا گیا، اور بلاشبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا، اور محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے، اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے، جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے، یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گرانقدر جواہرات کا ہار لٹکا دے، تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی، اور نہ سڑے ہوئے مردہ میں کوئی زینت۔

ف: یہی اوپر والا مضمون کس زور وشور سے لکھا گیا ہے۔

عبارت نہم: صفحہ: ۳۹، سطر: ۱۲، قولہ: خلاصہ شرافت نسب خداوند عالم کی ایک نعمت ہے مگر غیر اختیاری ہے، جیسے بہ نسبت عورت کے مرد ہونا یا خوبصورت اور خوش

کمال ہونا وغیرہ، جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو اس کا فرض ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے، خداوند سبحانہ وتعالیٰ کا شکر کرے، اور نسبی شرافت کے ساتھ اخلاق حسنہ اور تقویٰ حاصل کرے، معاملات درست کرے، جو اصلی فضائل ہیں، اور دوسرے لوگوں کو جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں، ذرا حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معلوم نہیں کہ مالک کی نظر میں کون زیادہ عزیز محبوب ہے، مشہور ہے کہ "سہاگن وہی جسے پیا چاہے"

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

ف: اس میں شرف نسب کا درجہ اور اس پر فخر کی مذمت کیسی صاف صاف ہے۔

عبارت دوم، اول ایڈیشن میں (حاشیہ بر رسالہ اختر وصل السبب) قولہ: اگر خداوند عالم نے (ہمارے مجوزہ دستور العمل کے موافق) اس (جماعت) کی کوشش کو بارآور کیا تو پھر دو آنکھوں سے دیکھیں گے کہ علماء وفضلاء اور کل انسانوں کے سمجھدار طبقے ان کو اپنے سروں پر جگہ دینے اور معزز القاب کے ساتھ خطاب کرنے کے لئے کس طرح تیار ہوں گے، اور آج بھی اس قوم کے ہزاروں افراد جو صحیح تعلیم اور اسلامی اخلاق کے زیور سے آراستہ ہیں، کوئی شریف انسان اور مہذب مسلمان ان کو ایسے الفاظ سے خطاب نہیں کرتا، جس سے ان کی ادنیٰ توہین ہو، چنانچہ خود حضرت مؤلف تعلیق (اشرف علی) نے اسی قوم میں سے بعض علماء کو یہ عزت دی ہے کہ ان کو خلافت طریقت یعنی بیعت وتلقین کی اجازت دی، اور طالبان حق کو ان سے طریق اصلاح اخذ کرنے کے لئے رہبری کرتے ہیں۔ (چنانچہ اس وقت ان میں سے دو بزرگ ذاکر ہیں، ایک ضلع اعظم گڑھ میں دوسرے مئو ضلع الہ آباد میں ۱۲، اشرف علی) اگر اہانت مقصود ہوتی، تو اس اعزاز کے کیا معنی، بلکہ متقدمین و متاخرین مصنفین میں جس کسی کے کلام میں اس قسم کے اقوال وقصص نقل کئے ہیں، اول تو در حقیقت ان میں کسی کی توہین نہیں، بلکہ صرف اس پر تنبیہ ہے کہ بعض پیشوں

کی خصوصیات ایسی ہوتی ہیں، کہ ان میں پڑ کر اکثر آدمی تعلیم اسلامی اور اخلاق اسلامیہ سے محروم ہو جاتے ہیں، اور غرض اس کی بھی یہ نہیں کہ لوگ اس پیشہ کو چھوڑ دیں، بلکہ یہ ہے کہ اس پیشہ میں مشغول ہونے والے اس کا زیادہ دھیان رکھیں کہ کہیں وہ بھی اسی ضرب المثل کے مصداق نہ بن جائیں، جو اس پیشہ والوں کی نسبت مشہور ہو چکی ہے، بلکہ اپنے اعمال و اخلاق کے ذریعہ دنیا پر واضح کر دیں، کہ اسلامی تعلیم وہ کیمیا ہے کہ جس پر عمل کرنے کے ساتھ کوئی پیشہ والا ذلیل نہیں رہ سکتا۔

ف: اس میں پیشہ والوں کو نصیحت و خیر خواہی کے ساتھ ان کی کس قدر ہمدردی و حمایت کی گئی ہے۔

خاتمہ

اس وقت نمونہ کے طور پر بہت قلیل اور مختصر عبارتیں لکھ دی گئی ہیں، جو عالم نہ ہوں، وہ ان عبارات میں غور کر کے اپنے رنج و غم دور کریں، اور آیت پیشانی تحریر ہذا کے مقتضاء کی موافق ہمیشہ روایات کے متعلق احتیاط سے کام لیں، بے احتیاطی سے طرح طرح کے گناہوں اور غموں میں ابتلاء ہو جاتا ہے۔

والسلام

اشرف علی از تھانہ بھون،

۱ رجب ۱۳۵۳ھ

نوٹ: خود قوم مومنین کے بعض اہل علم نے بھی اس رسالہ کے حق وصحیح ہونے اور کسی قوم کی دل آزاری پر مشتمل نہ ہونے کے متعلق مضامین لکھے ہیں جو انشاء اللہ عنقریب بشکل رسالہ شائع ہوں گے۔ ۱۲ مدیر۔

۵۹

اقامة العرف مقام الثبوت فی سقوط بعض الحق بالسکوت

سکوت کی صورت میں حق مہر وغیرہ محض عرف کی بنیاد پر ساقط ہونے کی تحقیق

تاریخ تالیف ــــــــــ

مقامِ تالیف ــــــــــ ماخوذ از امداد المفتین

جہیز اور مہر کے بعض مسائل سے متعلق یہ رسالہ اب تک امداد المفتین

کا حصہ رہا ہے اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کیا گیا ہے

اقامۃ العرف مقام الثبوت
فی سقوط بعض الحق بالسکوت

(یعنی سکوت کی صورت میں حق مہر وغیرہ کے محض عرف کی بنیاد پر ساقط ہونے کی تحقیق)

ہمارے اضلاع میں اس وقت سے پچاس برس پہلے مہر لینے کو عیب سمجھتے تھے، نہ عورت مانگتی تھی نہ اس کے ورثاء اور اس وقت کا عرف دونوں امر کو محتمل تھا معافی کو بھی اور عدم اخذ کی ایسی غالب عادت کو بھی کہ عفو کی حاجت ہی نہ سمجھی جاتی ہو، اب اگر مدیون مہر کا ترکہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو گیا ہو تو کیا اس زمانے کے مہر کا عورت کے ورثہ کو دینا ورثہ مدیون کے ذمہ واجب ہوگا اور اگر کوئی خود دے تو کیا عورت کے ورثہ کو مطالبہ کا حق ہے۔ دلائل شرعیہ کے ساتھ بیان فرمایا جائے۔

الجواب: کوئی صریح جزئیہ باوجود تلاش کے اس بارے میں نفیاً و اثباتاً نہیں ملا، اس لئے قواعد کلیہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوئی، اور قواعد پر نظر کرنے سے اس مسئلہ میں چند قواعد باہم متعارض نظر آئے اس لئے ترجیح میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اشباہ والنظائر میں بنص قواعد ثالثہ میں یہ قرار دیا ہے (الیقین لا یزول بالشک) اور اس کو مدلل و مفصل بیان فرمایا ہے اور جو امور اس قاعدہ سے مستثنیٰ کئے ان میں مسئلہ زیر بحث کو نہیں لکھا۔

(۲) اور بارہواں قاعدہ انہیں قواعد میں یہ لکھا ہے۔ لا ینسب الی ساکت قول۔ مصری: ج/۱ ص ۱۸۴۔

وقال فیہ فلو رای اجنبیا یبیع مالہ سکت ولم ینہہ لم یکن وکیلا

شہادت معاف کرنے کی نہ ملے شوہر کی طرف معافی کو بوجہ قاعدہ نمبر (۲) و (۳) منسوب نہیں کیا جاسکتا اور عورت کا اپنی زندگی میں اور اس کے بعد عورت کے ورثہ کا مطالبہ نہ کرنا اور تقسیم ترکہ کے وقت مزاحمت نہ کرنا اگرچہ بلا عذر بھی ہو اس کے حق کو دیانۃً ساقط نہیں کرتا۔ کما صرح بہ فی کتاب القسمۃ من العالمگیریہ۔ اگرچہ قضاءً اس کا دعویٰ نہ سنا جائے گا، خواہ اس پر کتنی ہی مدت گذر جائے جیسا کہ قاعدہ (۳) سے مفصلاً معلوم ہوا قواعد مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دین مہر ثابت فی الذمہ مانا جائے گا۔ ساقط اور معاف سمجھنے کی ضرورت نہیں اور جب دین مہر بذمہ متوفی ثابت ہوا تو وفات کے وقت اس کا تعلق ترکہ متوفی سے ہو گیا اب اگر دین مستغرق ہے یعنی عورت کے مہر سے کم یا برابر ہے تو متوفی کے وارثوں کی ملک میں اس وقت تک منتقل ہی نہ ہوگا جب تک کہ وارث دین مہر کو اپنے مال سے ادا نہ کریں اور ان سے تصرفات اگر وہ اس ترکہ میں کریں شرعاً نافذ نہ ہوں گے اور اگر دین مستغرق نہیں بلکہ دین مہر ادا کرنے کے بعد کچھ ترکہ بچتا ہے تو ترکہ قبل ادائے دین وارثوں کی ملک میں منتقل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ ادائے دین کے ضامن بنیں بہر دو صورت دین مہر کی ذمہ داری صورت مسئولہ میں وارثوں کے ذمہ عائد ہوگی۔

وذلک لما فی الاشباہ من القول فی الملک قلنا انہ یعنی الدین لا یمنع ملک الوارث للترکۃ ان لم یکن مستغرقا ویمنعہ ان کان مستغرقا (اشباہ. مصری ج ۲/ص ۲۵) وقال قبل ذلک ولا ینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی قال حموی فی حاشیتہ یعنی ان بیعہ موقوف علی رضی الغرماء ثم فی الاشباہ اعلم ان ملک الوارث بطریق الخلافۃ عن المیت فھو قائم مقامہ کانہ حی فیرد المبیع بعیب ویرد علیہ (الی قولہ ویصح اثبات دین المیت علیہ (اشباہ

القول فی الملک: ج ۲/ص ۲۵)

قواعد مذکورہ اور تقریر مذکور کا حاصل تو یہ ہوا کہ صورت مسئول میں دین مہر بذمہ ورثہ باقی ہے اور ورثہ مدیون کے ذمہ اس کا ادا کرنا ورثہ عورت کی طرف دیانۃً واجب ہے لیکن وہ ادا کرے یا اقرار نہ کرے تو قضاءً ورثہ کو دعوی کا حق باقی نہیں رہا کیونکہ اول تو بوقت تقسیم ترکہ ان کا مزاحمت و مطالبہ (باوجود علم کے) نہ کرنا اور ثانیاً مدت مدیدہ پندرہ سال یا زائد کا گذرنا دونوں سماع دعوی کے حق کو ساقط کرنے والے ہیں۔

لیکن

اس کے مقابلے میں بعض دوسرے قواعد فقہیہ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے وھی ہٰذا۔

(۱) قال فی الاشباہ بضمن القاعدۃ الثالثۃ الاصل براۃ الذمۃ ولذا لم یقبل فی شغلھا شاھد واحد (الی قولہ) الا ان تشغل الذمۃ بالاصل فلا یبری الا بیقین (الی قولہ) والمراد بہ غالب الظن ثم قال فی تفریعات ھذہ القاعدۃ وھھنا فروع لم ارھا الان. الاول لو کان علیہ دین وشک فی قدرہ ینبغی لزوم اخراج القدر المتیقن وقال الحموی فی حاشیتہ قولہ ینبغی قیل الظاھر انہ لیس علی سبیل الوجوب وانما ھو تورع لان الاصل براءۃ لذمۃ وفی البزازیۃ من القضاء اذا شک فیما یدعی علیہ ینبغی ان یرضی الخصم ولا یحلف احترازا عن الوقوع فی الحرام وان ابی خصمہ الا حلفہ ان کان اکبر رایہ ان المدعی محق لا یحلف وان کان اکبر رایہ انہ مبطل ساغ لہ الحلف انتھی،

اشباہ مصری قاعدۃ ثالثۃ ص ۹۲ ج ۱۔

(۲) وفی القاعدۃ السادسۃ من الاشباہ واعلم ان اعتبار العادۃ والعرف ترجع الیہ فی الفقہ فی مسائل کثیرۃ حتی جعلوا ذلک اصلا فقالوا فی الاصول فی باب ما تترک بہ الحقیقۃ تترک الحقیقۃ بدلالۃ الاستعمال والعادۃ کذا ذکر فخر الاسلام (اشباہ مصری ج ۱/۱۲۷۔ ثم قال فی الظہیریۃ المعروف عرفا کالمشروط شرطا ثم عد فی تفریعات ھذہ القاعدۃ تناول الثمار الساقطۃ قال الحموی بعد تفصیلہ والبحث علیہ۔ قال بعضھم لا باس بہ اذا لم یعلم النھی صریحا او دلالۃ علیہ الاعتماد (الی قولہ) فان کانت من الثمار التی تبقی لا یسعہ الاخذ الا ان یعلم الاذن وان کانت من الثمار التی لا تبقی اتفقوا علی انہ یسعہ ان یاخذ ما لم یعلم النھی۔

(۳) وفی ھبۃ الشامی ولو وھب الدین من الغریم لم یفتقر الی القبول ثم ذکر فیہ خلاف الکافی والتحفۃ وغیر ھا ثم قال ولعل الحق الاول فان فی التاویلات التصریح بانہ غیر لازم (شامی کتاب الھبۃ وفی الدر المختار ھبۃ الدین ممن علیہ الدین یتم من غیر قبول

(۴) قال فی الدر المختار من الھبۃ وضعوا ھدایا الختان بین یدی الصبی مما یصلح لہ کثیاب الصبیان فالھبۃ لا والا فان المھدی من اقرباء الاب او معارفہ فللاب او من معارف الام

فـلان قـال هـذا لـلصـبي او لا ولـو قال اهديت للاب او للام فالقول له وكذا زفاف البنت خلاصه وبمثله صرح الشامي فيما يقال له في الهندية (برته) ولفظه في الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص الى غيره في الاعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به ام لا؟ فاجاب ان كان العرف بانهم يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك الى اعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر احكامه وفي تكملة الشامي اذا كان بين الرجلين مباسطة جاز التصرف في ماله بغير اذنه بقدر مالا يخرج فيه ج ۲ ص ۴۶۳، انتهى. قلت والدليل عليه قوله تعالى او من بيوت صديقكم او ما ملكتم مفاتحه. الاية.

وفي هبة الشامي ولهذا قال اصحابنا لو وضع ماله في طريق ليكون ملكا للرافع جاز. انتهى، ج ۳ ص ۵۷۲. وفي آخر المجلد الرابع من الشامي ج ۳ ص ۵۷۳، النهب وسادة كرسي العروس وبيعها يحل ان كانت وضعت للنهب ويقاس عليه شمع الاعراس والموالد. انتهى.

(۵) ومن القواعد المشهورة الثابتة من الكتاب والسنة والمسلمة بين الفقهاء ان امر المسلمين محمول على الصلاح وقد فرع الفقهاء تفريعات كثيرة على هذا الاصل.

(۳۷۵) قاعدہ نمبر (۱) اور اس کی تفریعات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ

دین ہو اور اس کا ادا کرنا یقیناً معلوم نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اگر ادا نہ کرنے کا ظن غالب ہے تب تو اس کا ادا کرنا ترکہ پانیوالے وارثوں کے ذمہ واجب ہوگا اور اگر ظن غالب یہ ہے کہ اگر ادا کر چکا ہے یا معاف کر چکا ہے تو پھر نہ اس کے ذمہ واجب ہے اور نہ اس کے بعد وارثوں کے ذمہ اور اگر ظن غالب کسی طرف نہیں بلکہ شک ہے تب بھی واجب فی الذمہ نہ مانا جائے گا البتہ تقوی کا مقتضی یہ ہوگا کہ اگر ورثہ دائن مطالبہ کریں تو ان کو راضی کر دیا جائے، اور از روئے فتوی اس کی بھی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ظن غالب صورت مذکورہ میں کیا ہے۔

قاعدہ نمبر (۲) کی رو سے ہمارے بلاد کی رسم ورواج کے موافق یہ ظن غالب کیا جا سکتا ہے کہ خاوند نے مہر معاف کرا لیا ہوگا یا عورت نے خود معاف کر دیا ہوگا اور اگر زبانی صریح معافی کے الفاظ بھی نہ کہے ہوں تب بھی یہ ظن اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ ہبہ اور ابراء بھی محض تعامل وتعارف سے بغیر صریح ایجاب وقبول کے بیع تعاطی کی طرح درست ہو جاتا ہے، جیسا کہ قاعدہ نمبر (۳) اور جزئیہ نثار ساقط مندرجہ (۲) سے اور پھر جزئیات مندرجہ (۴) سے صراحۃ مستفاد ہوتا ہے کہ عرفاً جس صورت کو ہبہ یا ابراء قرار دیا جائے وہ شرعاً بھی اسی طرح معتبر ہو جائے گی خواہ الفاظ ایجاب، قبول میں ہو صرف ایجاب ہو قبول نہ ہو جیسا قاعدہ نمبر (۳) میں مذکور ہے یا دونوں نہ ہوں جیسا کہ نثار ساقط اور جزئیات (۴) سے معلوم ہوا بلکہ اگر لفظوں میں ہبہ کسی کے لیے کہا گیا اور عرفاً وہ دوسرے کا حق سمجھا جاتا ہو یہاں بھی بمقابلہ تصریح زبانی کے عرف ورواج راجح ہو کر اسی دوسرے کا حق سمجھا جائے گا جیسا کہ (۴) سے وضعو هدايا الختان بين يدى الصبى سے مستفاد ہوتا ہے۔

صورت مسئول میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کا عرف دو امر کو محتمل تھا معافی کو بھی اور عدم اخذ کی عادت کی بناء پر معافی کی حاجت نہ ہونے کو بھی، تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ ان دونوں احتمال پر دین مہر کا وجوب بذمہ مدیون باقی نہیں رہتا کیوں کہ احتمال اول پر

تصریح ابراء متحقق ہے اور احتمال ثانی پر عرفاً و عادۃً ابراء ہو گیا اگرچہ لفظی ابراء کی جہت سے صریح ابراء کی نوبت نہ بھی آئی اور جانب معافی اور براءت ذمہ کے لیے اصول ذیل بھی مؤید ہیں۔

(الف) قاعدہ مذکورہ (۵) کہ جب کوئی ثبوت حق کا مدعی موجود نہیں اور عرف و رواج سے معافی کا احتمال ہو سکتا ہے اور مدیون نے اس دین کے متعلق کوئی وصیت بھی نہیں کی تو مدیون متوفی کے ساتھ ہم حسن ظن کرنے پر مامور ہیں اور لہٰذا اسی احتمال کو ترجیح ہوگی کہ یا وہ ادا کر چکا ہے یا زوجہ معاف کر چکی ہے۔

(ب) مدیون مہر کے بعد جب ترکہ ورثہ نے تقسیم کر لیا اور تصرفات کرتے رہے اور بیوی کو یا اس کے وارثوں کو اس کا علم بھی ہوا اور اپنے دین کا مطالبہ کرنے میں کوئی مانع بھی نہ تھا اور باوجود اس کے مطالبہ نہیں کیا تو اگرچہ محض عدم مطالبہ سے دیانۃً حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر مفصل لکھا جا چکا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ عدم مطالبہ اس احتمال معافی کی تقویت کا قوی ثبوت اور ابراء کا قرینہ ضرور ہے اور قضاءً تو اس کے دعوی کو اس صورت میں ساقط کر دیا جاتا ہے اس کی بھی وجہ یہی ہے کہ جانب مخالف کا قوی ہو گیا چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

في تحقيق عدم سماع الدعوى بعد ثلاثين سنة لان تركها يعني الدعوى هذه المدة مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا كما في المبسوط واذا كان المدعي ناظرا مطلقا على تصرف المدعى عليه الى ان مات المدعي عليه لا تسمع دعواه على ورثته كما مر عن الحلوانی (تكملة شامي، ج ۱ ص ۳۵۳)۔

(ج) اگر غور کیا جائے تو یہ سوال صرف دین مہر کے ساتھ مخصوص نہیں رہتا بلکہ تمام معاملات بیع و شراء میں بھی (اگر قاعدہ عرف و رواج سے قطع نظر کی جائے) تو یہی سوال قائم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وارثوں نے اپنے مورث کی کوئی جائیداد وغیرہ فروخت ہوتے دیکھا یا

دوسرے معاملات میں شمار کرتے دیکھا اور اس کا ان کو اقرار ہے بوقت عقد اس کی قیمت کے واجب فی الذمہ ہونے کا بھی اقرار ہے لیکن ادا کرنے کا ان کو علم نہیں تو بعد وفات مدیون اگر اصحاب معاملہ مطالبہ نہ کریں تو ورثہ کے ذمہ کسی کے نزدیک وجوب نہیں کہ وہ سارے شہر میں تمام ان لوگوں سے جن جن سے معاملہ کرتے دیکھا تھا پوچھتے پھریں کہ تمہارا کچھ دین میت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں اور محض اس احتمال پر کہ شاید ادا نہ کیا ہو بغیر کسی حجت کے اس کا ادا کرنا اپنے ذمہ ضروری سمجھیں بلکہ غیر مہر کے دوسرے معاملات میں بداہۃً واتفاقاً اسی قاعدہ نمبر (۱) یعنی الاصل براءۃ الذمۃ پر سب کا عمل ہے اور جب تک کوئی دعویٰ نہ کرے یہی سمجھا جاتا ہے کہ متوفی ادا کر چکا ہے دین مہر اور دوسرے معاملات میں اگرچہ یہ فرق موجود ہے کہ دوسرے معاملات میں عادت عامہ کے موافق ادائے حقوق مرتے دم تک مؤخر اپنے اختیار سے نہیں کیا جاتا بخلاف مہر مؤجل کے کہ اس کے حلول کا وقت ہی وقت فرقت یا موت ہے لیکن جب جس طرح دوسرے معاملات میں عرف ادا کرنے کا ہے اسی طرح دین مہر میں عرف معاف کرنے اور کرنے کا ہے خواہ صراحۃً یا بطور اصطلاح مذکور بشکل بیع تعاطی کے۔

(و) بعینہ صورت زیر بحث میں اگر یہ فیصلہ کیا جائے کہ دین مہر بعد موت مدیون منتقل ہوگا اور ورثہ کے ذمہ واجب ہوگا کہ ورثاء ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پہنچائیں تو ایک حرج عظیم اور بلائے عام ہو جائے گا جس کے عہدہ سے بری ہونا شاید بڑے بڑے اتقیاء کو دشوار ہو جائے عوام کا تو کیا کہنا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کی تفسیق کرنی پڑے گی کیونکہ شاید کوئی شخص آج کل اس قسم کے حق سے بری نظر آئے گا اور دفع حرج قواعد فقہیہ کے ایک یہ بھی مسلمات میں سے ہے۔ المشقۃ تجلب التیسیر (ذکرھا فی الاشباہ)۔

(ز) بعینہ صورت زیر بحث کی ایک نظیر محدث اعظم جامع الکمالات حضرت شاہ عبد العزیز کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور حضرت موصوف نے بھی امور مذکورہ بالا پر نظر فرما

کہ یہی فیصلہ فرمایا تھا کہ اس جیسے مسائل میں حسب قواعد عرفیہ سکوت کو بھی قائم مقام سقوط کے اور عدم مطالبہ کو قائم مقام ابراء کے قرار دیا جائے گا۔ یہ سوال و جواب فتاوی عزیزیہ جلد دوم صفحہ نمبر ۱۱۸ سے ۱۳۲ تک مفصل مذکور ہیں جن میں سے مباحث متعلقہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

سوال:۔ ترک طلب حصہ خود از جانب اخوات از برادران عینی و علاتی خویشتن و ترک دعوی حصہ خود از طرف عصبات و اخوات اعیانی در صورت نبودن ابن العم در ترکہ مورث از ضیاع و عقار مملوکہ ارثیہ کہ استحقاق در انست نہ کہ اراضی معاشیہ کہ تقسیم آن مفوض برائے حکام والی ملک است چہارم عدم جریان جہت و جریان در حق اولاد پسری کہ روبروئے پدر خود فوت نمودہ باشد پس جمیع امور درمیان شرفائے اکثرے از بلاد ہندوستان کہ در اینہا علماء دین دار بودہ اند عرف متعارف است و در کتب فقہ مسطور است العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ۔

قال فی الظهيرية وكان محمد بن الفضل يقول السرة الى موضع نبات الشعر من العانة ليست بعورة لتعامل العمال فی الابداء عن ذلک الموضع عند العمل وفی المنع عن العادة الظاهرة نوع حرج وهذا ضعيف وبعيد لان التعامل بخلاف النص لا يعتبر. انتهى.

پس اجرائے امور مذکورہ درمیان شرفا و علماء این بلاد تا کہ وجہ شرعی نداشتہ باشد نہایت موجب قباحت و شناعت بر علماء این دیار است کہ در خانہ ایشاں این عرف جاری است۔

اجیبو رحمکم اللہ۔

جواب:۔ نیافتن بنات حصہ خود را در ترکہ پدر باوجود بنات در اصل و اراضی مملوکہ ارثیہ صورت خود از یں جہت نیست کہ بہ تبعیت ملت کفار ہندوستان کہ بنات را حصہ نمی دہند و مسلمانان ہم خلاف آیۃ مواریث العیاذ باللہ منہ این امر را اختیار نمودہ اند کیف اگر چنیں

قال بعض المتاخرين ان ابا حنيفة اجاب بذلك بناء على عادة
اهل زمانه فان الناس في العصر فيما بين القرى كانوا يحملون
السلاح مع انفسهم فليتحقق بذلك دفع قاصد الطريق ولو
تحقق كان نادرا فلا مبنى للحكم عليه.

ہمچنیں عصبات ہم کہ اکثر برادران اعمامی مستحق از اخوات اعمامی خویشتن در صورت نہ بودن ابن الاخ حصہ خود را از اخوات اعمامی نگرفتہ اند و اسقاط حق خود نمودہ اند بلکہ ایں را قبیح پنداشتہ اند کہ ماخوذ حصہ پدر خود را گرفتہ از حصہ لم خود ہم از بنات عم خویش نگیریم وایں تغافل ہم رسم و رواج ایں دیار گردیدہ ہمیں در ہر بلدہ استمرار دارد و ظاہر است کہ ایں معنی مخالفتے با شریعت ندارد والا اگر دعوی نمایند ممانعت بکسے نمیرسد بلکہ نمی نمایند فافہم۔ باقی ماند صورت مسئلہ دیگر و آں ایں است کہ اگر خواہر موافق معتاد سکوت ورزیدہ و کلمات دعوی و اسقاط را ہیچ کس از زبان او نشنیدہ و در کمہ پدر خود را در قبض و برادر ہر دو فوت نمودند و اولاد خواہر علاتی از اولاد برادر دعوی حصہ مادر خود یا جدہ خود نمایند و اولاد پسر کہ اخوات بموجب رسم و رواج و عرف متعارف ایں بار حصہ را نگرفتہ اند و ترک حق نمودند ہمیں سبب دادن حصہ باولاد و قبول نمی نمایند پس اجرائے عرف متعارف مذکور دریں صورت اعتبار دارد پس می گوئیم کہ جواب صورت مسئلہ مذکورہ در ذیل جواب صورت چہارم برآید و معلوم گردد و متفکر باید بود و تامل باید نمود۔ و جواب از صورت چہارم ایں است کہ رسم و رواج درمیان شرفاء ایں دیار ایں است کہ اولاد و محجوب الحجب اث را صورت محروم نمی نمایند مثلا شخصے دو پسر دارد یک پسر و زوجہ و اولاد را گزاشتہ در بعدے پدر فوت کرد رسم و رواج ایں است کہ در عین حیات خود اموال و املاک خود را تقسیم میکند و بمقتضائے غیرت و شرافت زوجہ و اولاد و پسر متوفی محروم و محجوب نمی نمایند و چوں پدر مالک املاک خود است مملوک خود تجویز خود تقسیم میکند و ظاہر است کہ ایں رسم و رواج خلاف شریعت نیست چگونہ ایں رسم درمیان شرفاء ایں دیار جاری نباشد زیرا کہ نسء

ارامل از غیرت شرافت از نکاح دیگر اجتناب آرند وصبر وشکیب دریں باب از لوازم شرافت شمارند اگر مورث آنہا واولاد آنہا را محروم گزارد وتکفل ایشاں کدام کس کند وعفت وعصمت ایشاں چگونہ برجائے ماند وتکفل وغمخواری ارامل وایتام از خصائل جلیلہ اہل اسلام است۔ الساعی علی الارملۃ والمسکین۔ (الحدیث) بلکہ ایں رسم را شرفائی ایں دیار رواج دادہ اند جلائل خصائل بنی نوع انسان است شعر قصیدہ ابی طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از بعثت آنجناب کہ در مدح آنجناب انشا نمودہ در صحیح بخاری است بایں صفت توصیف فرمودہ گفت۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل، واگر احیانا کسے از مورثان بروبروئے خود تقسیم مملوکات خود نہ کرد زوجہ واولاد پسر متوفی بحکایت وکنایت محروم ہم نہ نمود دریں صورت ہم بعد از فوت پدر اولاد پسر محجوب حصہ خود را میگیرند اگر پسر دوم یا اولاد پسر دوم مانیند و بمنازعت پیش آیند عیاں آں بلدہ اتفاق نمودہ موافق ہماں عرف متعارف کہ مورثان او بروئے جاری داشتہ اند اولاد و پسر متوفی را حصہ میدہانند و در تمام شرفا ایں دیار کہ اکثرے از ایشاں علمائے دین وارگزشتہ اند خانہ بخانہ ہمیں تعامل وتعارف موسوم است وسکوت مورث را موافق معتاد بمنزلہ تقسیم واعطائے مورث میدانند چرا کہ در بعضے مقام بعضے از مورثان کہ در بروئے خود تقسیم نہ کردہ فوت نمودہ است خود بر حصہ مورث محجوب الیہ ادث خود موافق رسم ورواج آں بلدہ متصرف بودہ است پس سکوت بمنزلہ اشتراطا عطا و تقسیم است۔

قال فی الاشباہ والنظائر ومما یعرف علی ان المعروف کالمشروط لوجھز الاب بنت جہاز او دفعہ الیہا ثم ادعی انہ عاریۃ ولا بینۃ ففیہ اختلاف والفتوی انہ کان العرف مستمرا بان الاب یدفع ذلک الجہاز ملکا لا عاریۃ لم یقبل قولہ فان کان

قرطاس خواہ بتقریر فیما بین الناس اقرار میکند و ہمیں میگوید کہ چنانچہ ایں پسر من بعد من مالک متروکہ من است کہ اولاد و پسر متوفی من ہم مالک حصہ خود مستند بعد من حصہ خود بارا برابر چنانچہ رسم است متصرف باشند و حجت را رو بروئے خود تحریر یا بتقریر بر طرف میسازد و پس سکوت یکے از انہا بسیار کثرت و ناوراست معمول برہمیں تعارف متعارف خواہد بود اگر کسے گوید کہ آنچہ از ارث بسوئے ورثہ از اسباب ملکیت ضروریہ است بعد از فوت مورث تحریر و تقریر مذکور در رفع حجت و ثبوت توہب مفید نخواہد شد۔ پس جواب ایں است کہ تحریر تقریر مورث را در توہب او برائے اولاد معتبر داشتہ اند و قول فقہا را از او وہب الاب للطفل تمم بالعقد۔ دریں مقام تمام دانستہ اند خصوص در اراضی مملوکۃ الرقبہ خراجیہ کہ اقابض آں در اختیار حکام است تحریر مورث در توہب آں برائے اولاد آں کافی خواہد بود و ایں است وجوہ توافق عرف باشرع کہ رسم و رواج ہندوستان است۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امور مذکورۃ الصدر کی بناء پر حکم مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس زمانہ کا دین مہر بذمہ ورثہ واجب نہیں اور نہ ورثہ کو حق مطالبہ حاصل ہے یہاں تک تقریر مذکورہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ از روئے قواعد صورت زیر بحث میں دونوں جانب فتوی دینے کی گنجائش ہے یعنی وجوب مہر فی ذمۃ الورثاء اور سقوط من الذمہ۔ اب علمائے محققین اپنی تحری سے جس جانب کو ترجیح دیں قابل عمل ہوگی، اور انشاء اللہ مؤاخذہ اخروی نہ ہوگا، لیکن احوط و مختار اس بارے میں وہ قول معلوم ہوتا ہے جو اشباہ و نظائر سے قسم ثانی (۲) میں نقل ہوا ہے کہ اس کو ورثہ کی تحری اور ظن غالب پر چھوڑا جائے اگر ان کو عرف و رواج یا قرائن خاصہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ مدیون مہر نے مہر ادا کر دیا یا معاف کرا لیا ہے تب تو ان کے ذمہ ادائے مہر واجب نہیں اور اگر ورثہ دائنہ مطالبہ بھی کریں اور ان کو حلف دینے پر اصرار کریں تو ورثہ اپنے بری ہونے پر حلف بھی کر سکتے ہیں اور ظن غالب یہ ہے کہ مہر ادا نہیں کیا اور نہ خود عورت نے معاف کیا ہے تو ان کے ذمہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر ظن غالب کسی جانب نہ ہو شک رہے تب بھی ان کے ذمہ واجب نہیں مگر اولی یہ ہے

کہ صورت شک میں اپنے فریق ثانی کو کچھ دے کر یا اور کسی طرح راضی کرلے اور وہ خلع کا طالب
کا حق اس وقت تک نہیں جب تک کوئی حجت اس کی پیش نہ کریں کہ عورت نے مہر لیا ہے اور
نہ معاف کیا اور نہ معاف کرنے پر راضی تھی۔ (فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ

الأمر كما أجاب المجيب ... كتبه

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح

محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

وقف علی الاولاد

اور

املاک وقف میں حکومت کے عمل دخل کا حکم

تاریخ تالیف ——— ۱۰ رجمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ مطابق اگست ۱۹۷۰ء

مقام تالیف ——— دارالعلوم کراچی

اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سوالنامہ آیا تھا جس میں ”وقف علی الاولاد“ کے بارے میں شریعت کا حکم اور املاک وقف میں حکومت کے عمل دخل کے بارے میں سوالات کئے گئے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تفصیلی جواب تحریر فرمائے جن کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

بگرامی خدمت سیکرٹری اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ

بجواب سوالنامہ مورخہ ۲۹ رمئی ۱۹ء عرض ہے کہ احقر اپنے ضعف عمر کے ساتھ عرصہ دراز سے مختلف امراض میں مبتلا ہے۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ اب کچھ فرصت ملی تو سطور ذیل لکھی گئی۔

سوالات کے جواب سے پہلے چند ضروری اصولی باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔

انسان کے مالکانہ تصرفات اور اختیارات پر چند پابندیاں

حق تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جس چیز کی ملکیت عطا فرمائی ہے اس میں اس کے تمام مالکانہ تصرفات کو اس کی زندگی میں بھی نافذ قرار دیا ہے اور مرنے کے بعد بھی لیکن دونوں حالتوں میں اس کو خاص ہدایات کا پابند بنایا ہے۔ زندگی میں فضول خرچی اور اسراف بے جا کو ناجائز قرار دیا ہے۔ حرام کاموں میں خرچ کرنے سے روکا، زندگی میں اولاد پر خرچ کرنے میں مساوات کا حکم فرمایا، صدقہ خیرات کے بے شمار فضائل اور تاکیدی احکام کے باوجود پورا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے سختی کے ساتھ روکا مرنے کے بعد کے تصرفات میں پورے مال کی وصیت کسی

قرار دیا جماعت کے لئے یا صدقہ خیرات کے لئے ناجائز ناقابل تنفیذ قرار دی۔ ایک تہائی کی اجازت بھی اس شرط کے ساتھ دی کہ وارث محتاج نہ ہوں۔

پورے مال و جائداد کو رفاہِ عام کے کسی کام یا دوسرے نیک کاموں کے لئے وقف کرنے کو منع فرمایا خواہ وہ وقف علی الاولاد ہی ہو۔ اور ایسا وقف اگر مرض الموت میں کیا گیا ہے تو ایک تہائی سے زائد میں وہ شرعاً نافذ العمل بھی قرار نہیں دیا گیا۔

اکثر پابندیاں قانون میراث کی عملی تنفیذ کے لئے ہیں

(۲) اسلام کا قانون میراث بڑی حکمت اور انسان کی شخصی اور اجتماعی مصالح کا ضامن اور بہت سی معاشی اور اقتصادی مشکلات کا بہترین حل ہے۔ جبکہ یہ اصول شریعت کی رو سے یہ ثابت ہے کہ انسان جب دنیا میں اول آتا ہے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا پھر قدرتی عوامل اشیاء ضرورت کا اس کو مالک بناتے ہیں مالک حقیقی تمام کائنات کا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے جن چیزوں پر انسان کی انفرادی ملکیت کو اس کی زندگی کے لئے ضروری قرار دیا اور ان پر اس کو مالک و متصرف بنا دیا۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ سب ملکیت سلب ہو کر پھر مالک حقیقی کی طرف لوٹ جاتی جس کا ظہور اس دنیا میں اسلامی بیت المال کی ملکیت کی صورت میں ہوتا لیکن ایسا ہو جاتا تو مرنے والا انسان بڑی حسرت لیکر جاتا کہ جو کچھ میں نے کمایا اور جمع کیا اب نہ وہ میری اولاد کو ملا نہ بیوی اور دوسرے اقرباء کو۔ اس حسرت کا یہ نتیجہ بھی کچھ بعید نہ تھا کہ وہ یا تو مال کی حفاظت سے دلچسپی نہ لیتا یا پھر اپنی زندگی ہی میں اپنی خواہش کے مطابق اس کو ختم کر ڈالتا۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے رحم و کرم سے مرنے والے کی املاک کے متعلق تقسیم میراث کا ایسا حکیمانہ قانون وضع فرمایا جس میں انسان کی اس فطری خواہش کی تکمیل بھی ہے اسکے بعد اسکا جمع کیا ہوا مال اس کی بیوی بچوں اور ماں باپ بہن

بھائیوں ہی میں تقسیم ہو جائے۔ اور اکتناز دولت کی صورت بھی نہ بنے کہ ایک شخص نے جو کچھ کمایا ہے وہ ایک ہی جگہ ایک ہی قبضہ میں رہ کر آگے آنے والی نسل کو اس سے محروم کر دے۔ تقسیم میراث کے قانون کے ذریعہ ایک شخص کی ملکیت اس کے خاندان کے بہت سے افراد میں تقسیم ہو جائے گی تو بڑی زمینداریاں اور جاگیرداریاں جو عام انسانوں کے لئے مصیبت اور ظلم و جور کا سبب بنتی ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام جس نے اس وقت پوری دنیا میں ہلچل ڈال رکھی ہے اور اسکے ردعمل کے طور پر کمیونزم اور سوشلزم کے بدترین ظالمانہ حل تلاش کئے جا رہے ہیں اس کے جراثیم خود بخود مر جائیں گے۔

شاید اسی لئے قرآن و سنت نے قانون میراث اور فرائض کو بڑی اہمیت دی ہے اور مرنے والا اپنے بعد کے لئے متروکہ مال میں جو تصرف وصیت یا وقف یا ہبہ وغیرہ کا کرنا چاہتا ہے اس پر پابندیاں لگائی ہیں اور جو شخص اپنے وارثوں کو میراث سے محروم کرنے کا کوئی اقدام کرے اس کے لئے حدیث میں سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔

﴿من قطع میراثا فرضه الله قطع الله میراثه من الجنة﴾

(رواہ ابن ماجہ از مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۶)

جو شخص اللہ کی مقرر کی ہوئی میراث کو قطع کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کی میراث جنت سے قطع کر دیگے۔

اسی لیے کسی شخص کو شریعت اسلام نے اس کا حق نہیں دیا کہ وہ کسی جائز وارث کو عاق نامہ وغیرہ لکھ کر میراث سے محروم کر دے اگر کوئی ایسا کر بھی دے تو شرعاً وہ نافذ نہیں۔

سورہ نساء میں قانون میراث کو فریضة من اللہ اور آخر میں تلک حدود اللہ فرما کر اس قانون کی تنفیذ عملی کی سخت تاکید کی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے پورے مال کی وصیت صدقہ خیرات کے لئے کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھر آدھے مال کی اجازت چاہی اس کو بھی منع فرمایا پھر تہائی مال کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دی کہ ثلث مال بھی بہت ہے اور فرمایا۔

ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالة

یتکففون الناس فی ایدیھم (صحیح بخاری ص ۳۸۳)

آپ اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ و یہ بہتر ہے اس سے کہ ان کو فقیر و محتاج چھوڑ و جو لوگوں کے ہاتھوں سے اپنی ضروریات پوری کریں۔

اسی طرح حضرت ابولبابہؓ نے کل مال کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ایک تہائی سے زائد کی اجازت نہ دی (کنز بروایت طبرانی وابی نعیم)

حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا بہترین باغ جو مسجد نبوی کے متصل سامنے واقع تھا دینی ضروریات کے لئے وقف کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ اس کو اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ و (صحیح بخاری۔ مسند احمد عن انسؓ)

اس طرح کے واقعات کتب حدیث میں بکثرت مذکور ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے لوگوں کو پورا مال صدقہ کر دینے یا وقف وصیت کے ذریعہ محبوس کر دینے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

انسان کے مرنے کے بعد اس کے مال کی شرعی فرائض پر تقسیم کرنے ہی کو افضل واعلیٰ قرار دیا ہے۔

البتہ جن حضرات صحابہؓ کے پاس دوسرے اموال بھی تھے اور وارثوں میں زیادہ

احتیاج بھی نہ تھا خاص خاص جائداد کے وقف کی اجازت دی گئی۔ متعدد صحابہ کرام نے کچھ جائدادیں وقف فرمائی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی جائداد ثمغ جو بہترین سرسبز قطعہ تھا آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے وقف فرمائی اور اسکا متولی اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ ام المومنینؓ کو قرار دیا اور انکے بعد انکی اولاد میں سے جو صاحب الرائی تجربہ کار ہوں وہ نسل بعد نسل متولی قرار پایا۔ (بخاری کتاب الشہادات سے مسلم، ابوداؤد کتاب الوصایا، ترمذی کتاب الاحکام)

اس طرح متعدد صحابہ نے بعض مکانات وغیرہ اپنی اولاد پر بھی وقف کیے (زیلعی بروایت عبداللہ ابن الزبیر الحمدی)

اس ضروری تفصیل کے بعد سوالات مرسلہ کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

سوال نمبر ۱، ۲ (۱) آیا قرآن وسنت میں وقف علی الاولاد کے بارہ میں کوئی حکم ہے (۲) بصورت دیگر یہ نقہ کا ایسا جزولاینفک ہے کہ اگر کوئی شخص وقف علی الاولاد قائم کردے تو حکومت پر یہ لازم ہوجاتا ہے کہ اسکو نہ صرف تسلیم کرے بلکہ نافذ بھی کرے اگر ایسا ہی ہے تو کیا حکومت اس مسئلہ میں کوئی مداخلت کرنے کی مجاز نہیں۔

جواب: مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہو چکا ہے کہ جس وقف کے ذریعہ قانون میراث معطل نہ ہوتا ہو اس وقف کا ہر مسلمان کو اپنی ملکیت میں اختیار ہے خواہ وہ وقف رفاہ عام کے کاموں، مساکین پر صدقہ۔ یا مساجد مدارس کے لئے ہو خواہ اپنی اولاد کے لئے اوقاف کے مصارف مختلف ہو سکتے ہیں اور ان میں ایک صرف اولاد بھی ہو وقف علی الاولاد کی نہ کوئی خاص اہمیت ہے نہ ممانعت جیسے تمام اوقاف مختلف مصارف کے لئے ہوتے ہیں اور وقف کی شرائط کے مطابق انکی آمدنی خرچ کرنا لازم

ہے اسی طرح وقف علی الاولاد کی آمدنی بھی شرائط وقف کے مطابق صرف کرنا ضروری ہے۔

رہا معاملہ حکومت کی مداخلت کا تو اس میں ازروئے قرآن وسنت ہر قسم کے اوقاف میں بلکہ انفرادی مملوک میں بھی حکومت کی مداخلت صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ واقف کے مقرر کردہ متولی انکو شرائط واقف کے خلاف خرچ کرنے لگیں انکی خیانت ثابت ہو جائے تو حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ انکو شرائط کے مطابق صرف کرنے پر مجبور کرے یا پھر انکو معزول کر کے کسی دیانتدار کو متولی بنا کر اسکو ہدایت کرے کہ وہ شرائط واقف کے مطابق اس وقف کی آمدنی صرف کیا کرے۔ یا واقف کا مقرر کردہ متولی مر جائے اور بعد کے لئے وقف نامہ میں تولیت کا کوئی انتظام مقرر نہ کیا ہو تو حکومت ہی صوابدید پر متولی مقرر کرے گی۔

ان خاص صورتوں کے علاوہ حکومت کی مداخلت کسی وقف میں بھی درست نہیں خواہ رفاہ عام کے اوقاف ہوں یا وقف علی الاولاد۔ جس طرح انسان کو اسکی زندگی میں اپنی املاک میں خود تصرف کرنے کا حق ہے اسی طرح مرنے کے بعد اسکے لئے وقف کا اختیار اسکے مقرر کردہ متولی کو ان شرائط کیساتھ ہے جن کا متولی کو وقف نامہ میں پابند کیا گیا ہو۔ اسی طرح اس نے کوئی وصیت کی ہو اور اسکو بروئے کار لانے کے لئے خود کوئی وصی مقرر کر دیا ہے تو یہ اختیار وصی کی طرف سے منتقل ہو جاتا ہے وصی ہی وصیت کو نافذ کرے گا۔ ہاں کسی جگہ وصی کی خباثت ثابت ہو جائے تو حکومت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ اسکو وصیت کے مطابق دیانتداری سے خرچ کرنے پر اسی وصی کو مجبور کرے یا پھر اس وصی کو معزول کر کے کسی دوسرے دیانتدار آدمی کو وصی بنائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اموال اوقاف خواہ مساکین وفقراء پر وقف ہو یا رفاہی اداروں پر یا اولاد وغیرہ پر ان کا براہ راست حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مرنے والے نے

جس کو وصی یا وقف کا متولی بنایا ہے اسکے فرائض واختیارات کی چیز ہیں۔

ہاں جس طرح زندہ انسانوں کی جان ومال کی حفاظت حکومت کے فرائض میں داخل ہے اس طرح مرنے والوں کے اوقاف کی حفاظت ونگرانی بھی حکومت کا فرض ہے۔ جہاں انہیں کوئی ظلم وتعدی پائی جائے اس کا انسداد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے

قانون جورزی وقف مسلمانان مصدرہ ۱۹۱۳ء کا انگریزی سے اردو ترجمہ کرا کر دیکھا گیا یہ قانون متعدد وجوہ سے نہ صرف ناکارہ بلکہ مضر اور شرعی وملی مصالح کے خلاف ہے اس کو فوراً منسوخ کرنا چاہیے۔

وجوہ

(۱) یہ عجیب بات ہے کہ اس قانون کی بنیاد اس کو قرار دیا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے وقف علی الاولاد کے بارے میں شبہات کا اظہار کیا ہے ناواقف لوگوں کے شبہات کیا صرف وقف علی الاولاد ہی کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ ذرا غور کریں تو شاید ہزاروں معاملات بیع وشراء۔ اجارے، ٹھیکے وقف ہبہ، وصیت وغیرہ میں ناواقفوں کے شبہات ہوا کرتے ہیں اس کا یہ حل کہ جس چیز میں کوئی شبہ کرے اسکے لئے ایک مستقل ایکٹ قانون کا تیار کیا جائے شاید اس کی نظیر پورے قانون ملک میں نہیں اور کہیں نہ ہو۔ شبہات کا ازالہ عملی اور فکری طور پر کیا جا رہا ہے پھر جب کوئی معاملہ عدالت تک پہونچتا ہے عدالت کا فیصلہ شبہات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

(۲) حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کا پس منظر مرنے والے کی جائداد کو تقسیم سے بچانا اور وراثت کے قانون کو معطل کرنا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جو اس وقت بھی بہت سے علاقوں میں عذاب بنا ہوا ہے کہ بڑی بڑی زمینوں اور جائدادوں پر فرد واحد مسلط ہے۔ علاقہ میں اس کی حکومت ہے۔

وہ کسانوں اور غریب مزدوروں پر ظلم کرتا ہے تو یہ مظلوم فریاد کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے اور اس کے نتیجہ میں کسان وزمیندار اور مزدور وسرمایہ دار کی جنگ کھڑی

ہوتی ہے جو سوشلزم کے کافرانہ اور ظالمانہ نظام کی بنا ہے، یعنی سب سے پہلے مذہب اور دین کو ختم کرتی ہے پھر سب کو ذاتی ملکیت سے محروم کر کے مزدور و سرمایہ دار سب کو سرکاری افسروں کا غلام بنا دیتی ہے۔

اور جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی قانون وراثت دینی اور مذہبی اعتبار سے تو فرض کا درجہ رکھتا ہی ہے، یہ معاشی اور اقتصادی ناہمواری کا بھی منصفانہ مداوا اور علاج بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قانون کا پس منظر جیسا کہ اس زمانے کی تاریخ سے ظاہر ہے اسی سوچ میں کہ اسلام کے قانون وراثت کو معطل کرنے کا ایک راستہ ہموار کیا گیا ہے تاکہ جائداد تقسیم نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جس زمانے میں یہ قانون بنایا گیا ہے اس وقت کے علماء نے بھی اسکو قانون وراثت پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے خلاف شرع قرار دیا تھا۔ دار العلوم دیوبند جو ہندوستان کا سب سے قدیم اور سب سے بڑا دینی ادارہ ہے اس قانون کے بننے کے وقت اس کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث و مفتی اعظم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے انہوں نے اس قانون کے متعلق فتویٰ دیا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

انکم لا تریدون رفع الحرج عن المسلمین بل تریدون قطع نصوص المواریث وتابی قلوبکم قسمة الارض علی فرائض اللہ وذلک من ضعف الایمان المفضی الی الکفر لا کفار الفرائض

(اعلاء السنن طبع جدید بیروت)

آپ لوگ اس قانون سے مسلمانوں کی کسی مشکل کا حل نہیں کرتے بلکہ آپ کا مقصد تقسیم میراث کو ختم کرنا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلوب اس پر راضی نہیں ہیں کہ زمین کو اللہ کے بتائے ہوئے فرائض کے مطابق تقسیم کیا جائے، اور یہ

ضعف ایمان کی علامت ہے جو خدانخواستہ کسی وقت کفر تک پہنچا سکتا ہے
کیونکہ فرائض اسلامیہ کا انکار کفر ہے۔

(۳) اس کے علاوہ خود وہ وجہ بھی اس قانون کے منسوخ کرنے کے لئے کافی ہے جو سوالنامہ میں درج ہے کہ اس طرح اوقاف کا آخری نتیجہ وقف کا ضائع ہو جانا یا کسی کا مالکانہ قبضہ ہے۔

کیونکہ دو تین پشت کے بعد جب مستحقین وقف کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور ہر ایک کا حصہ اس وقف میں اتنا کم رہ جاتا ہے کہ اسکے حاصل کرنے کے لئے مستحق جو کوئی کوشش کرتا ہے تو حصہ سے زیادہ اسکے وصول کرنے پر خرچ ہو جاتا ہے اور وقت اور محنت مفت میں ضائع ہوتی ہے اور آج ایسے دیانتدار متولی کہاں جو یہ دردسری اپنے ذمہ رکھے کہ وقف سے ہزاروں روپیہ میں دو دو آنے کے سب مستحقین کو تلاش کر کے مختلف شہروں میں ان تک بھیجے پہنچائے انجام اسکے سوا نہیں کہ متولی خود ہی اس پر مالکانہ قبضہ کر لیتا ہے یا پھر کوئی دوسرا مالکانہ قبضہ جما لیتا ہے وقف کرنے والے کی غرض بالکل فوت ہو جاتی ہے۔

اس لئے ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ یہ قانون فوراً منسوخ ہونا چاہیے اور اس کا قائم مقام بھی کوئی قانون بنانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اسلام کے عام قوانین اوقاف اس کے لئے کافی ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی ۱۴

مورخہ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

[illegible] ۱۹۷۰ء

الاحــری بــالقبول فی وقف العمارة عـلی ارض النزول

تاریخ تالیف ــــــــــ

مقام تالیف ــــــــــ ماخوذ از امداد المفتین

لاوارث زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو، حکومت اس پر قبضہ کر لے اور اس پر عمارت وغیرہ بنا کر وقف کر دے، تو یہ وقف جائز ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ اب تک امداد المفتین کا حصہ رہا ہے اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

الاحری بالقبول فی وقف العمارة علی ارض النزول[1]

سوال: (۶۴۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی نزول ملکیت سرکار انگلشیہ بذریعہ کرایہ نامہ حسب شرائط مفصلہ ذیل مجوزہ و معمولات کلکٹر صاحب جو اراضی نزول کے منجانب سرکار منتظم و مہتمم باختیار کلی ہیں بہ تقرر کرایہ ماہانہ یا سالانہ واسطے تعمیر عمارت کرایہ پر لے کر بحسب اجازت کلکٹر صاحب موصوف اپنی لاگت سے چند دوکانات تعمیر کرا کر ان سے استفادہ حاصل کرتا رہا پھر بعد وفات زید اس کے دو پسران وارث جو مستفیض ہوتے رہے عرصہ بیس بائیس سال بعد کلکٹر صاحب نے دوسرا کرایہ نامہ ۱۹۰۹ء میں ایک پسر سے بشرائط وتعامل عامہ ومفصلہ ذیل میعادی تیس سالہ تجدید کرالیا۔ اس کے بعد ان دونوں پسران نے ۱۹۱۰ء میں جو ان دوکانات سے اس وقت مبلغ از سو روپیہ سالانہ کرایہ کی آمدنی تھی معرفہ خوشی وجہ بہ وجملہ متعلقات اس کے کہ قیمتی چندرہ سو روپیہ کو با اراضی نزول ہمیشہ کے واسطے فی سبیل اللہ وقف کردی اور اپنے قبضہ مالکانہ سے خارج کر کے تاحیات خود بحیثیت متولی قابض رہ کر کل آمدنی اس کے مصارف ہی میں خرچ کرتے رہے، پھر ان کے انتقال کے بعد سے اب تک ابتدائی تاریخ وقت سے چوبیس پچیس سال کا زمانہ گزرتا ہے باوجود ان کے چودہ عدد وارث موجود ہونے کے علاوہ وہ واقفان

---

(۱) ارض نزول ہندوستان کی ایک خاص اصطلاح ہے وہ یہ کہ لاوارث زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو حکومت اس پر قبضہ کرلیتی ہے یہ ارض نزول کہلاتی ہے۔ ۱۲ منہ

کے خیرات خواص میں مدت تک بعد دیگرے چند شخص بحیثیت متولیان وقف تا بعض روپیہ آمدنی
اس کے بعد خیرات خرچ کرتے رہے اور آج تک کوئی وارث ان سے مدعی نہ ہوا تھا کسی نے
متعرض ہونا چاہا بعد حسب قانون وقف وہ جائیداد موقوفہ درج رجسٹری بھی ہوگئی ہے اور متولی
نے حساب آمد خرچ کا بھی جج صاحب کو سمجھا چکے ہیں۔

قریب عرصہ تھوڑا ہوا کہ زراوہ شخص جو وارث حصہ دار ہو سکتے ہیں بوقت حساب مقدمہ
متولی موجودہ عدالت جج میں بعین دعویٰ عذرداری ہوئے کہ یہ شخص نہ متولی ہے اور نہ وقف ہوا
مگر اپنی عذرداری میں ناکامیاب رہے اس کے بعد ان دونوں نے جائیداد موقوفہ پر جبراً قبضہ
کرنا چاہا اور مداخلت بیجا شروع کردی اس پر متولی نے عدالت کلکٹری میں درخواست دی کہ
جائیداد موقوفہ پر فلاں فلاں جبراً جو قبضہ کرتے ہیں ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ کو نقصان
پہنچتا ہے جو تصفیہ عدالت ناجائز ہے عدالت خود اپنے قبضہ میں کرلے اس پر ان میں سے ایک شخص
نے جو چوتھے حصہ کا حصہ دار ہو سکتا تھا درخواست متولی پر عدالت کلکٹری میں یہ تحریری بیان
پیش کردیا کہ درحقیقت یہ جائیداد میرے ماموں صاحبان نے وقف کردی ہے اور دوسرا مزاحم
میں ان کے خلاف ثبوت پیش نہ کرسکا پس عدالت نے متولی کو صحیح قابض ہونا مان لیا۔

لیکن اب پھر وہ شخص مذکور جو چوتھائی حصہ کا حصہ دار ہو سکتا تھا مع شمول ایک
دوسرے شخص کے جو دو تہائی چوتھائی حصہ کا حصہ دار ہو سکتا تھا بلا شرکت چوتھائی حصہ کے
حصہ دار کے تحریر وقف نامہ کو تسلیم کرتے ہوئے عدالت منصفی میں متولی موجودہ اور ان جملہ
اشخاص کو جو وارث ہو سکتے تھے اور دو مزاحم مدعیان میں شریک نہیں ہوئے ہیں ان سب کو
مدعا علیہم قرار دے کر یہ دعویٰ دائر کی ہیں کہ یہ وقف ناجائز اور شرعاً ناجائز ہے ورنہ اس وقف
کا نفاذ ہو بلکہ متولی بحیثیت ہمارے کارکن کے قابض ہے پس اب بصرف ہم دو مدعیان کے
حق میں فیصلہ دخل استقرار فرما دیا جائے اور شرائط کو ایسا نامہ اقرار داری زید کے جس کے بموجب
دکانات مذکورہ تعمیر ہوئی ہیں یہ ہیں کہ:

"میں مقر کرایہ نامہ اقرار کرتا ہوں کہ اوقات مقررہ پر کرایہ ادا کرتا رہوں گا اور بعد انقضائے میعاد کرایہ نامہ اگر باضابطہ کرایہ بھی گورنمنٹ تجدید کرایہ نامہ چاہے گی تو تجدید کرایہ نامہ کردوں گا، یا اپنا ملبہ اٹھالیجاؤں گا اور اراضی خالی کردوں گا یا بقیمت مناسب عمارت حوالہ کردوں گا، پھر جب کہ تعمیر دوکانات کو تخمیناً عرصہ بیس بائیس سال کا اور زمانہ انتقال مسمی زید کرایہ دار سابق کا بھی پندرہ سولہ سال گزر چکا تھا دوسرا کرایہ نامہ حسب شرائط ذیل میعادی تیس سالہ بحق گورنمنٹ تکمیل کرادیا اور اس اقرار نامہ میں بھی بعد انقضائے تیس سال کے بعد دیگرے مجموعی نوے سال تک کی میعاد تک کی تجدید کرایہ نامہ کا معاہدہ ہے اور کرایہ دار کو اختیار ہے کہ اندر میعاد جب چاہے حسب مرضی خود اس عمارت کو فروخت کرسکتا ہے اور کلکٹر صاحب بجائے اس کرایہ دار کے اس مشتری ملبہ سے کرایہ نامہ تحریر کرالیتے ہیں یا کرایہ دار جس طرح چاہے دوسرے کے حق میں منتقل کرسکتا ہے یا اپنا ملبہ اٹھالیجائے اور مطالبہ قرضہ وغیرہ میں دوسرے شخص خود بھی قرق و نیلام کرالیتے ہیں اور پھر اس سے کرایہ نامہ مرتب کرالیا جاتا ہے اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس وقت گورنمنٹ خود کو اس اراضی کی ضرورت ہوگی خواہ اندر میعاد یا بعد انقضائے میعاد بلا مزاحمت معہ عمارت بھی گورنمنٹ کو عمارت کی ضرورت ہوگی۔ بادائے قیمت عمارت کرایہ دار اس اراضی کو اپنے قبضہ سے چھوڑ دے گا مگر یہ شرط اس وجہ سے لی گئی ہے کہ اگر یہ شرط نہ کی جاتی تو گورنمنٹ کو یہ جو اختیار حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کے واسطے یا مفاد عامہ وغیرہ کے واسطے جب چاہے ہماری مملوکہ مقبوضہ اراضیات کو لے سکتی ہے زائل اور منسوخ ہو جاتا ہے اور نیز تعامل گورنمنٹ سے بھی ثابت ہے کہ جس وقت سے محکمہ نزول قائم ہوا ہے آج تک کوئی قطعہ اراضی بلا ضرورت ذاتی نہیں لگائی گئی ہیں اور اسی وجہ سے رعایا کرایہ داران نزول نے اسی امید سے کہ یہ اراضیات نزول ہمارے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی، بہت زیادہ لاگت کی اور نہایت مستحکم عمارات جو صدہا سال قائم رہ سکتی ہے گورنمنٹ کی اجازت سے قائم کرلی ہے۔

اور نیز گورنمنٹ کے اس عمل سے بھی کہ اراضی نزول میں مساجد و دھرم شالہ و دیگر اور ایسی عمارت کے واسطے جو ہمیشہ رہنے والی ہیں ان کی تعمیر کی اجازت دی جا رہی ہے اور بہت پہلے سے ایسی عمارات موجود ہیں اور ایک امر خاص استفتاء ہذا میں سب سے زیادہ قابل توجہ ضروری ہے کہ جس عمارات دوکانات موقوفہ کی بابت استفسار ہے وہ اندر میعاد کرایہ نامہ ہے اس کی نوعیت تعمیر و حالت موجودہ عمارت سے بخوبی واضح ہے کہ وہ اندر میعاد مقررہ کے منہدم ہو جائے گی اور نوبت اس بحث کی نہ آئے گی کہ بعد انقضائے میعاد متعلق عمارت کیا عمل ہوگا اور نہ یہ معاہدہ ہے کہ بعد نوے سال اراضی کرایہ سے چھوڑا دی جائے گی"۔

لہٰذا مفتیان و علمائے دین سے صورت مسئول مذکورہ بالا میں شرعاً استفسار ہے کہ آیا شرعاً بموجب عبارات کتب فقہیہ مفصلہ ذیل یہ وقف ناجائز ہے۔ اول یہ عبارت ہے:

فی البزازیۃ لا یجوز وقف البناء فی ارض عاریۃ او اجارۃ (در مختار)

دوئم عبارت یہ ہے:

لا یجوز وقف البناء فی ارض ھی اعارۃ او اجارۃ کذا فی قاضی خان و عالمگیری.

پس اگر واقعی وقف ناجائز ہے تو آیا کل جائیداد متنازعہ پر یہ صرف دو چھوٹے حصہ دار تنہا دخل حاصل کر سکتے ہیں یا بقدر اپنے حصہ کے، یا آیا بموجب عبارات ذیل یہ وقف جائز ہے اور دعوی مدعیان قابل سماعت نہیں ہے۔

اول عبارت یہ ہے کہ جو عبارت سب سے اول مندرجہ مذکورہ بالا کے لفظ (او اجارۃ) تحت میں شامی میں تحریر ہے:۔

ویستثنی منہ ما ذکرہ الخصاف من الارض اذا کانت متقررۃ للاحتکار فانہ یجوز قال فی الاسعاف وذکر فی اوقاف

الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض

باجارۃ فی ایدی الذین بنوها لا یخرجهم السلطان عنها الخ.

دوسری عبارت جو عالمگیری میں عبارت مذکورہ بالا عدم جواز وقف احتکار کے متصل ہی

بالاسناد نقل ہے اس کے آگے ہی یہ لکھا ہے۔

ذکر الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت

الارض باجارۃ فی ایدی الذین بنوها لا یخرجهم السلطان عنها

وبه عرف وقف البناء علی الارض المحتکرۃ کذا فی النهر

الفائق

تیسری عبارت:

بنی علی الارض ثم وقف البناء قصدا بدونها ان الارض

مملوکة لا یصح وقیل صح وعلیه الفتوی (در مختار)

چوتھی عبارت:

سئل قاری الهدایة عن وقف البناء والغراس بلا ارض فاجاب

الفتوی علی صحة ذلک ورجحه شارح الوهبانیة واقره

المصنف معللا بانه منقول فیه تعامل فتعین الافتاء (در مختار)

کیونکہ جب وقف عمارت کا بغیر زمین کے ایسی صورت میں جائز ہے کہ اس مالک اراضی

ورثاء کے قائم مقام وارث وغیرہ کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے تخلیہ کرا لیوے تو

صورت مسئولہ میں تو جانب سلطان بحیثیت کرایہ دار ایک مدت معینہ تک مہلت کے واسطے

مجبور ہے اور وقف عمارت ہونا محقق ہے تو ایسی صورت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

پنجم عبارت:

اقر بوقف صحیح وبانه اخرجه عن یده وورثته یدعون خلافه جاز الوقف ولا تسمع دعوی ورثته قضاء (در مختار)

لہٰذا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب کہ اکثر اور بڑے حصہ دار وارث واقف بھی اس وقت تک باوجود چوبیں پچیس سال وقف ہوئی کو گذر جانے کے وقف کردہ مورث کو صحیح اور درست جانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں تو ایک دو حصہ دار چھوٹے حصہ دار ہونے والے کا دعوی کس طرح قابل سماعت ہوسکتا ہے۔ بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل۔

الجواب: (۱) فی البحر الرائق وفی المجتبی لا یجوز وقف البناء بدون الاصل هو المختار الخ وفی الفتاوی السراجیة سئل هل یجوز وقف البناء والغرس دون الارض اجاب الفتوی علی صحة ذلک وظاهر انه لا فرق بین ان یکون الارض ملکا او وقفا (بحر: ج۵ ص۲۰۲).

وفی الدر المختار بنی علی الارض ثم وقف البناء بدونها ان الارض مملوکة لا یصح وقیل صح وعلیه الفتوی سئل قاری الهدایة عن وقف البناء والغراس بلا ارض فاجاب الفتوی علی صحة ذلک ورجحه شارح الوهبانیة واقره المصنف معللا بانه منقول فیه تعامل فتعین الافتاء. (در مختار مع الشامی: ص۲۴۲ ج۳)

(۲) وفی الدر المختار عن البزازیة لا یجوز وقف البناء فی ارض عاریة او اجارة ومثله فی الهندیة عن الخانیة.

(۳) قال العلامة الشامی تحت قول الدر لا یجوز وقف البناء

فی الارض عاریة او اجارة ماتنصه ویستثنی منها ما ذکره الخصاف من ان الارض اذا کانت مقررة للاحتکار فانه یجوز (بحر) قال فی الاسعاف ذکر فی اوقاف الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض اجارة فی ایدی الذین بنوها لا یخرجهم السلطان عنها من قبل انا رأیناها فی ایدی اصحاب البناء توارثوها وتقسم بینهم لا یتعرض لهم السلطان فیها ولا یزعجهم وانما هی غلة یاخذها منهم وتداولها خلف عن سلف ومضی علیها الدهور وفی ایدیهم یتبایعونها ویواجرونها ویجوز فیها وصایاهم ویهدمون بناتها ویعیدونه ویبنون غیره فکذلک الوقف فیها جائز واقره فی الفتح وذکر ایضا انه مخصص لاطلاق قوله او اجارة وقد علمت وجهه وهو البقاء والتابید وهو مؤید لما قلنا من تخصیص الوقف لما اذا کانت الارض محکرة (شامی: ج۳ص ۴۲۶)

وقید بعد ذلک وقلمنا وجهه وهو ان البناء علیها یکون علی وجه الدوام فیبقی التابید المشروط لصحة الوقف (رد المحتار) قال الشامی فی حاشیة البحر والارض المحتکرة هی التی وقف بنائها ولم توقف هی کان استاجر ارضا للبناء علیها وبنی فیها ثم وقف البناء کما رأیت لبعض الشافعیة واقول الارض هی المقررة للاحتکار اعم من ان تکون وقفا او ملکا الاحتکار فی العرف اجارة یقصد بها منع الغیر (بحر الرائق: ج۵ص ۲۰۳)- وفی قانون العدل والانصاف معزیا لرد المحتار الاحتکار وهو عقد

اجارتہ یقصد بہ استبقاء الارض الموقوفة مقررة للبناء والتعلی او للغراس. (ص ۲۰۹).

وفیہ معزیا لتنقیح الحامدیة: ج ۲ ص ۱۳۱، یثبت للمحتکر حق قرار بناء الارض والجدار ویلزم باجرة مثل الارض مادام بنائہ قائما فیها.

وفیہ معزیا لرد المحتار ولا یکلف المحتکر برفع بنائہ ولا بقلع غراسہ مادام یدفع اجرة المثل المقررة علی مساحة الارض المحتکرة (قانون العدل: ص ۲۰۹).

(۳) قال الشامی تحت مطلب وقف البناء ما نصہ بان شرط الوقف التابید والارض اذا کانت ملکا لغیرہ فللمالک استردادها وامرها بنقض البناء وکذا لو کانت ملکا لہ فان لورثتہ بعد ذلک فلا یکون الوقف موبدا.

وعلی هذا فینبغی ان یستثنی من ارض الوقف ما اذا کانت معدة للاحتکار لان البناء یبقی فیها کما اذا کان وقف البناء علی جهة وقف الارض فانہ لا مطالب لنقضہ والظاهر ان هذا وجہ جواز وقفہ اذا کان متعارفا ولهذا جاز وقف بناء القنطرة علی نهر العام وقالوا ان بنائها لا یکون میراثا وقال فی الخانیة انہ دلیل جواز وقف البناء وحدہ فیما سبیلہ البقاء کما قلنا (رد المحتار: ج ۳ ص ۴۲۲) وفی الدر المختار اذا وقتہ بشهر وسنة بطل اتفاقا (در مع الشامی ص ۳۹۹ ج ۳)

نزول کی زمین میں کوئی عمارت وغیرہ بنا کر اس کو وقف کرنے میں قواعد فقہیہ کے اعتبار سے چند سوال عائد ہوتے ہیں:

(الف) یہ وقف صرف عمارت وغیرہ کا ہوگا زمین بوجہ مملوکہ گورنمنٹ ہونے کے وقف نہ ہوگی کیا ایسا وقف جائز ہے؟

(ب) یہ زمین چونکہ واقف عمارت کے قبضہ میں بطور اجارہ وکرایہ ہے تو کیا کرایہ کی زمین میں عمارت کا وقف صحیح ہو سکتا ہے۔

(ج) اگر اجارہ کی زمین میں کسی عمارت کا وقف جائز ہے تو کیا اس کے لیے یہ شرط ہے کہ جب تک یہ عمارت باقی رہے اس وقت تک کرایہ دار اپنی عمارت موقوفہ کو اٹھانے پر مجبور نہ کیا جائے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے نیز یہ کہ عمارت بعد اختتام میعاد اجارہ کسی شخص یا حکومت کی ملک خاص میں نہ آسکے۔

عبارات فقہیہ مذکورہ میں ان سب سوالات کے جواب آگئے ہیں: مثلاً سوال اول کا جواب عبارت نمبر (۱) میں بوضاحت معلوم ہو گیا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ تنہا عمارت بغیر زمین کے وقف ہو سکتی ہے یعنی یہ جائز ہے کہ کوئی شخص زمین کو وقف نہ کرے اور اس پر جو عمارت یا درخت ہیں صرف ان کو وقف کر دے۔

اور سوال دوم کا جواب عبارت نمبر ۲ میں بوضاحت معلوم ہو گیا کہ عاریت یا کرایہ پر زمین لے کر اس میں کوئی عمارت بنائی جائے تو عام ضابطہ یہی ہے کہ اس کا وقف جائز نہیں صرف ایک صورت مستثنیٰ ہے جو سوال سوم کے جواب میں آتی ہے۔

اور سوال سوم کا جواب عبارات نمبر (۳) و نمبر (۴) سے معلوم ہوا کہ کرایہ کی زمین میں وقف کرنے کی صرف ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ یہ زمین اسی کام کے لیے مقرر ہو کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور لوگ اس میں عمارتیں بنائیں یا درخت وغیرہ لگائیں، مالک زمین

یا منتظم زمین اس کا کرایہ ان سے وصول کرتا رہے اور بس، اور اس قسم کی زمین کا نام اصطلاح فقہاء میں ارض محتکرہ ہے لیکن اس خاص صورت کے جواز کے لیے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ جب تک یہ عمارت یا درخت باقی ہیں اور کرایہ دار کرایہ ادا کرتا رہے اس وقت تک کرایہ دار کو ان کے اکھاڑنے اور اٹھانے پر مجبور نہ کرے خواہ مدت اجارہ ختم ہو جائے جیسا کہ شامی کی عبارت بحوالہ اسعاف و فتح القدیر وغیرہ سے ثابت ہے کہ اس قسم کے وقف کا جواز صرف اسی بات پر مبنی ہے کہ عمارت بقاء و دوام کے لیے ہوتی ہے اور اس طرح شرط تابید کا تحقق ہو جاتا ہے جیسا کہ عبارت نمبر (۳) میں گزر چکا ہے نیز عبارت نمبر (۴) میں امام قاضی خان سے اس قسم کے وقف کا جواز اسی شرط کے ساتھ منقول ہے کہ یہ عمارت وغیرہ باقی رکھی جائے کسی وقت (بغیر کرایہ دار کی بد عہدی کے) اس کو توڑنے پر مجبور نہ کیا جاوے۔ اور دوسری شرط وہ ہے جو عبارت درمختار مندرجہ نمبر (۴) میں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی وقف میں کسی خاص مدت و میعاد کی قید ہو اور بعد اس میعاد کے کسی ملک خاص کی طرف لوٹ جانا اس کا تسلیم کر لیا گیا ہو تو وہ وقف باتفاق باطل ہے۔

بناء علیہ ثابت ہوا کہ نزول کی زمین میں اگر بعد اختتام میعاد قانون وقت اور عادت عامہ یہ ہو کہ کرایہ دار کو توسیع نہ دی جائے اور عمارت توڑنے پر مجبور کیا جائے تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر کرایہ دار نے کہیں یہ شرط منظور کر لی ہو کہ بعد اختتام میعاد کے یہ عمارت گورنمنٹ کی ملک ہو جائے گی جب بھی وقف صحیح نہ ہوگا کیونکہ جواز کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ ارض محتکرہ کی شرائط اس میں متحقق ہوں لیکن معاملہ زیر بحث کے کرایہ نامہ مطبوعہ کا ترجمہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی دو شرطیں نزول کی اس زمین میں متحقق نہیں ہیں ایک دوام و بقاء عمارت، دوسرے بعد ختم میعاد کسی کی ملک خاص نہ ہونا کیونکہ حسب تصریح کرایہ نامہ اس عمارت کو گورنمنٹ اندر میعاد بھی اپنی ضرورت کے لیے منہدم کر سکتی ہے اور

بعد انقضاء میعاد تو ظاہر ہی ہے نیز اس کرایہ نامہ میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ بعد انقضاء میعاد یہ عمارت بھی گورنمنٹ کی ملک ہو جائے گی اس لیے نزول کی زمین میں جس جگہ یہ دو شرطیں کرایہ دار سے منظور کرالی جائیں وہاں وقف عمارت اس زمین پر صحیح نہ ہوگا اور اس کو ارض محتکرہ پر قیاس کرنا جائز نہ ہوگا اور جب وقف ثابت نہ ہوا تو یہ عمارت لامحالہ وارثوں کی طرف منتقل اور ان کے حسب حصہ ملک ہوئی خواہ وہ دعوی کریں یا نہ کریں اور ایک میعاد معین کے بعد قضاء عدم سماع دعوی کا حکم جو کتب فقہ میں منقول ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ حق پہلے سے ثابت اور مسلم نہ ہو اور جب کہ اس مکان کا ملک موروث ہونا فریقین کو مسلم ہے اور وقف ہونا شرعاً ثابت نہ ہوا تو وارثوں کا حق اس میں خود بخود ثابت ہو گیا وہ دعوی ابطال وقف کریں یا نہ کریں کما تنقح من کلام الفقہاء فی ہذا الباب۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

خلاصہ یہ ہے کہ نزول کی زمینوں کے قواعد مختلف شہروں میں مختلف ہیں جس جگہ یہ دو شرطیں موجود ہوں وہاں وقف صحیح ہے۔

اول یہ کہ جب تک عمارت یا درخت قائم ہے اور کرایہ دار کرایہ ادا کرتا رہے اس وقت تک گورنمنٹ اس کو عمارت کے اٹھانے پر مجبور نہ کرے اگرچہ کرایہ کی مدت ختم ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ بعد انقضاء میعاد اس عمارت کا کسی شخص کی ملک کی طرف منتقل ہو جانا کرایہ نامہ میں تسلیم نہ کر لیا گیا ہو ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو وقف باطل ہو جائے گا۔ وافسبحانہ وتعالی اعلم وھو الذی علم الانسان ما لم یعلم۔

۶۴

قسطوں پر کسی چیز کے خریدنے کا حکم

تاریخ تالیف ـــــــــ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ (مطابق ۱۹۵۶ء)

مقام تالیف ـــــــــ دارالعلوم کراچی

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سوال آیا تھا جس میں قسطوں پر بیع کے ناجائز ہونے پر دلائل تحریر تھے آپ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس عبارت کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا جو سوالنامہ میں درج تھی سوال و جواب دونوں کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

ادھار کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کرنا

مدت ہوئی کہ آپ نے ادھار کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کا فتویٰ تحریر فرمایا تھا مگر یہاں ایک مولوی صاحب عدم جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ اور دلیل میں عبارت ذیل پیش کرتے ہیں: ھدایہ کتاب الصلح کے اوائل میں ہے: الاعتیاض عن الاجل حرام" (عالمگیریہ) یہ باب عاشر میں ہے "رجل باع علی انه بالنقد بکذا و بالنسیئة بکذا او الی شهر بکذا والی شهرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصة (عالمگیریة ص ۷۲ ج ۳) اور قاضی خان میں ہے لایجوز بیع الحنطة بثمن النسیئة اقلّ من سعر البلد فانه فاسد واخذ ثمنه حرام' ایضاً ،فی الایضاح ان بیع الحنطة بنقصان حکم البلدة فهو فاسد و ان اخذ الثمن بعد مضی المدة فهو حرام لان الثمن متفاضل بالحکم وهو الربا ۔ پھر ہدایہ میں ہے۔ لانّ الاجل لا یقابله شیءٌ من الثمن ۔

پس امید ہے کہ عبارات بالا کو پیش نظر رکھ کر تحقیق فرمائیں گے۔ براہ کرم جواب بعجلت روانہ فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

صورتِ مسئول عنہا کا جواب حدیث سے ثابت ہے حدیث میں اموالِ ربویہ میں تساً کو حرام قرار دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس میں فضل حکمی ہے "مثلاً بمثل یداً بید" دونوں کے مقابلہ میں فرمایا "والفضل ربا" پس اگر

ج ۲) وفیہ ایضاً وھکذا یبایع الناس لانھم اذا اخروا
زادوا لاباس بھذا (مجموعۃ الفتاوی ص ۲۰ ج ۲) وفی
الشامیۃ ان الاجل یقابل قسط من الثمن، وفی الفوائد
مفتی المحتسب لان المؤجل والاطول اجلاً انقص مالیۃ من
الحال ومن الاقصر اجلاً (فوائد ص ۳۸ ج ۲ باب المرابحۃ)

اب عبارات موردہ فی السؤال کے جوابات ملاحظہ ہوں۔ عبارت نمبر اول و دوم
ہدایہ کی ہے، دونوں کا جواب یہ ہے کہ اجل بحکم صفت کے ہے چنانچہ ہدایہ کی عبارت
اولیٰ کے حاشیہ پر ہے لان الاجل صفۃ کالجودۃ (ہدایہ ص ۵۰ ج ۲) اور
صفت کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قیمت میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے اور زیادتِ ثمن کا
باعث ہے مگر بعد البیع فقدان صفت (عیب) کی وجہ سے رجوع بالنقصان جائز نہیں
کیونکہ صفت تابع ہے اور منفرداً اس کی ضمانت میں اس کا اعتبار لازم آتا ہے
غرضیکہ صرف صفت کی قیمت زیادہ ہوتی ہے خود مستقلاً صفت کی قیمت نہیں الا ان
یفرد بالذکر کما سیجیئ۔ ایسے ہی اموال ربویہ میں مبادلہ بالجنس کے
وقت صفت کا اعتبار نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ صفت کی وجہ سے زیادتِ ثمن ہوتا ہے مگر دو
صورتوں میں اس کا عوض جائز نہیں (۱) رجوع بالنقصان اور (۲) مبادلہ بالجنس ان
دونوں صورتوں میں صفت کا عوض لینا صحیح نہیں۔ صفت کا حکم اگرچہ معروف ہے تاہم
اس پر دلیل کی عبارت تحریر کی جاتی ہے۔ ولو عنف لا یقابلہ الثمن کاطراف
الحیوان (ہدایہ ص ۲۸ ج ۳) لان الاوصاف لا یقابلھا شیئ من الثمن فی
مجرد العقد (الی قولہ) کل ما اوجب نقصان الثمن فی عادۃ التجار فھو
عیب لان التضرر بنقصان المالیۃ الخ (ہدایہ ص ۳۵ ج ۳) لان الوصف
وان کان تابعاً لکنہ صار اصلاً لافرادہ بذکر الثمن (ہدایہ ص ۲۸ ج ۳) لانہ

(ای الوصف) صار مقصوداً بالاتلاف فیقابلها شیء من الثمن (هدایه ص ۷۶ ج ۳) وقال النبی صلی الله علیه وسلم فی الربویة جیّدها وردیها سواء.

عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ رجوع بالنقصان کے وقت صفت کا عوض وصول کرنا جائز نہیں اگرچہ صفت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور حدیث میں تصریح ہے کہ صفت جودۃ کا عوض ربویات میں جائز نہیں۔ پس ہدایہ کی عبارت اولیٰ میں عدم جواز اخذ عوض کے دونوں مانع موجود ہیں۔ ہدایہ کی اصل عبارت کتاب الصلح میں یوں ہے "ولو کانت له الف مؤجلة فصالحه علی خمس مأة حالة لم یجز لان المعجل خیر من المؤجل وهو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ما حط عنه وذالک اعتیاض عن الاجل وهو حرام"

(ہدایہ ص ۲۳۵ ج ۳)

تو اس میں حرمت کا ایک سبب تو یہ ہے کہ قرض اجتیاز مبادلہ ہے اور اجل لان الاجل صفة بحکم صفت کے مقابلہ میں نصف قرض یعنی پانچ سو مقروض کو مل رہا ہے تو عوض ہوا صفت کا۔ عند مقابلة الربویات۔ چنانچہ عبارت مذکورہ کے حاشیہ میں ہے وهذا لان الاجل صفة کالجودة والاعتیاض عن الجودة لا یجوز فکذا عن الاجل.

اور حرمت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مقروض کو دین دیا گیا تھا مع صفت الاجل، اب اس صفت اجل کے فقدان کی وجہ سے رجوع کرتا ہے قرض خواہ پر پانچ سو کا۔ لہٰذا یہ ناجائز ہوگا۔

اور ہدایہ کی عبارت ثانیہ میں عدم جواز کا صرف دوسرا سبب ہے جو پوری عبارت دیکھنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: ومن اشتری غلاماً بالف درهم نسیئة فباع بربح مأة ولم یبین، فعلم المشتری فان شاء

ردّهٗ وان شاء قبل لان للاجل شبهاً بالمبيع الايرىٰ انه ما يزاد فى الثمن لاجل الاجل (الىٰ قوله) وان استهلكه ثم علم لزم بالف ماۃ لان الاجل لا يقابله شيىء من الثمن (ہدایہ ص ۶۷ ج ۳ باب المرابحۃ والتولیۃ) اس سے ظاہر ہے کہ اجل کا حکم بعینہٖ صفت کا ہے۔ اوپر صفت کے بارے میں بعینہٖ یہی الفاظ "لا يقابله شيىء من الثمن" گذر چکے ہیں البتہ ربویات میں جودۃ کی صفت کا فرق غیر معتبر اور اجل کی صفت کا فرق معتبر ہے اس حکم میں اجل بحکم صفت نہیں کیونکہ یہ فرق منصوص علیہ ہے۔

اور عبارتِ ثانیہ جو عالمگیریہ نے خلاصۃ الفتاویٰ سے نقل کی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ مجلس میں کچھ طے نہیں ہوا مبہم ہی چھوڑ دیا۔ یہ صورت واقعی جہالتِ ثمن کی وجہ سے ناجائز ہے۔ قال فى الفتح فى اوائل البيوع تحت قول (ويجوز البيع بثمن حالٍ مؤجل) واما البطلان فيما اذا قال بعتكهٗ بالف حالاً وبالفين الىٰ سنة فلجهالة (فتح القدير ص ۸۴ ج ۵) پس اگر اسی مجلس میں طے ہو گیا کہ نقد لے گا یا ادھار تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ قاضی خان کی عبارت میں عدم جواز کی صراحت ہے۔ مگر یہ جزئیہ امام صاحبؒ کی تصریح کے خلاف ہے۔ جو امام محمدؒ کی کتاب الحج سے اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں اسی وجہ سے جملہ فقہاء نے اس کے برعکس امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۹ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

اباحة التقطيف من ثمرات الصنعة والتاليف

حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت

تاریخِ تالیف ——— ۱۳۹۲ھ (مطابق ۱۹۷۲ء)

مقامِ تالیف ——— دارالعلوم کراچی

یہ اسی موضوع پر ایک استفتاء کا مفصل جواب ہے جو ۱۳۹۲ھ میں لکھا گیا، اور اس سے پہلے شائع نہیں ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال.....(۱) مصنفین اپنی کتابوں کو رجسٹرڈ کراتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا ان کو شائع نہ کر سکے، شرعاً یہ رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟

(۲)..... اس حق تصنیف یا حق ایجاد کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

جواب:.....(۱) اپنی کسی تصنیف یا ایجاد کو رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو اس کی اشاعت یا صنعت سے روکنا جائز نہیں، وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی مباح تصرف سے روکنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس کا یہ تصرف کسی غیر کی ملک میں بلا اس کی اجازت کے ہو، دوسرے یہ کہ اس تصرف سے کسی شخص یا جماعت کا ضرر ہوتا ہو، اور مسئلہ زیر بحث میں یہ دونوں وجہ مفقود ہیں، اول تو اس لئے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا یا ایجاد کو بنانے والا مصنف یا موجد کی کسی ملک میں تصرف نہیں کرتا، بلکہ کتابت خود کراتا ہے، کاغذ خود مہیا کرتا ہے، طباعت وغیرہ کی اجرت خود دیتا ہے، اور نقل کرنے کے لئے جو کتاب لیتا ہے وہ بھی خرید کر یا کسی دوسرے مباح طریقے سے۔ رہا حق تصنیف، سو نہ وہ کوئی مال ہے، نہ ملکیت کی صلاحیت رکھتا ہے، البتہ موجودہ دور حکومت نے جس طرح اور بہت سی ناحق چیزوں کا نام حق رکھ دیا ہے، اس میں یہ حق تصنیف و ایجاد بھی داخل ہے، اور وجہ ثانی اس لئے مفقود ہے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا مصنف کو یا کسی دوسرے شخص کو شائع کرنے سے نہیں روکتا جو موجب ضرر ہو، البتہ دوسری جگہ شائع ہو جانے سے مصنف یا موجد کی گراں فروشی کے غلو کا انسداد ہوتا ہے، کہ

اس کی ممانعت میں مانع منفعت پر لوگ مجبور نہیں ہو سکتے، سو اول تو یہ ضرر نہیں، عدم النفع بلکہ
تقلیل النفع ہے، اور ضرر و عدم نفع میں فرق ظاہر ہے۔ مبسوط شمس الائمہ کتاب السیر و
الجہاد میں اس کی تصریح اور حکم مذکور ہے، کہ کسی دوسرے کے ضرر کا سبب بننا جائز نہیں،
لیکن اگر ہمارے اپنے کام سے کسی دوسرے کے نفع میں فرق پڑتا ہو، اس کی اجازت
ہے، اگر بازار میں ایک چیز کی متعدد دکانیں ہو جانے سے کسی کا نفع کم ہو جائے یا بالکل
نہ رہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرے دکان داروں نے اس کو ضرر پہنچایا، بہرحال دوسروں
پر حجر و ممانعت کی کوئی شرعی یا عقلی وجہ نہیں ہے، علاوہ ازیں مصنف یا موجد کا یہ قصد کہ
دوسرے اس کو نہ چھاپیں صرف اس لئے ہو سکتا ہے کہ مقدار نفع جو عام تاجر رکھتے ہیں،
اس سے زائد نفع مقرر کر سکے یا کم از کم یہ کہ اس چیز کی بیع و شراء کا پورا نفع صرف اس کو
ملے دوسرے لوگ اس جائز نفع سے محروم رہیں، سو یہ خود عامۃ الناس کا ضرر اور بجائے
دوسروں پر ممانعت عائد ہونے کے اس پر ممانعت کا موجب ہے، کیونکہ جس شخصی نفع
سے عامۃ الناس کو ضرر ہو شریعت اس نفع کی اجازت نہیں دیتی، احادیث صحیحہ میں اس
کی بہت سی نظائر موجود ہیں، مثلاً صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے کہ **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تتلقى
الركبان وان يبيع حاضر لباد** ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع
فرمایا کہ غلہ کو شہر میں آنے سے پہلے دیہات و مزارع پر جا کر خرید لیا جائے، یا کوئی شہر
والا گاؤں والوں کا دلال بن کر ان کا مال فروخت کرے، کیونکہ اس صورت میں غلہ
ایک شخص یا چند اشخاص کے قبضہ میں آ جاتا ہے، اور جو نرخ وہ رکھنا چاہیں عوام کو اس کی
پابندی ناگزیر ہو جاتی ہے، اور خود گاؤں والا شہر جا کر جس طرح ارزاں فروخت کرتا وہ
ارزانی بند ہو جاتی ہے، جس سے عوام کا ضرر لازم آتا ہے اسی طرح دیہات کے لوگ
جلد سے جلد اپنا مال فروخت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہونے کی فکر میں عموماً مال کو

ورزاں فروخت کر جاتے ہیں۔ اگر کوئی شہر والا ان کا دلال بن جائے، جیسے آج کل عموماً آڑھت کا کاروبار جاری ہے تو دیہات کے لوگ بھی اپنا مال گراں فروخت کریں گے، جو ضرر عامہ کو مستلزم ہے، اس لئے حدیث مذکور میں اس کی بھی ممانعت فرمادی گئی، اسی طرح احتکار غلہ کی ممانعت، حادیث صحیحہ میں وارد ہے، یعنی غلہ کو خرید کر بند کر دیا جائے کہ گرانی کے وقت فروخت کریں گے، یہ بھی بوجہ ضرر عامہ کے جائز نہیں ہے، حالانکہ یہ تمام تصرفات اپنی ملک میں ہیں، اس کے باوجود بھی شریعت نے اس کا کسی کو اختیار نہیں دیا، پھر ایسی چیز جس سے اس کو ملکیت کا بھی تعلق نہ ہو، اور وہ سبب ہو ضرر عامہ کا۔ اس کا کس طرح تحمل کیا جا سکتا ہے، جیسے تصنیف وایجاد کی رجسٹری میں ہے کہ دوسرا شخص اپنی ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے، مصنف وموجد مانع ہوتے ہیں، حضرات فقہاء نے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے ایک مستقل ضابطہ اس کا بنا دیا ہے، جو اشباہ ونظائر میں بعنوان "الضرر یزال" مذکور ہے، اور اس کی بہت سی نظائر اس میں نقل کی گئی ہیں، الغرض ضرر عامہ کے ازالہ کے لئے بعض اوقات شخصی ضرر بھی شرعاً گوارا کر لیا جاتا ہے، چنانچہ ضرورت کے وقت حاکم شرع کو اختیار ہو جاتا ہے کہ ضروری اشیاء کے نرخ مقرر کر دے، جس سے زائد قیمت پر فروخت کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو، (الاشباہ والنظائر) تو وہ ضرر عام جس کے ازالہ میں کسی کا ضرر بھی نہیں، بلکہ عدم النفع بھی نہیں صرف تقلیل نفع ہے، اور وہ بھی محض موہوم، یعنی اپنے خیالی نفع سے کمی، تو ظاہر ہے کہ ایسے ضرر عام کو شریعت اسلامیہ کس طرح باقی رکھ سکتی ہے۔

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دور حاضر کی عالمگیر بے چینی واضطراب کہ اس میں نہ کوئی فقیر وغریب مطمئن نظر آتا ہے، نہ امیر وکبیر اور تحصیل مال کے لئے ہزاروں جائز وناجائز طریقے ہر روز ایجاد ہوتے ہیں اس کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن ذرائع آمدنی کو وقف عام کیا تھا اور وہ عامۃ الناس کا حق مشترک تھے،

ان کو سرمایہ پرست طاقتوں اور ان کے اعوان و انصار نے یا خود قبضا لیا، اور یا ان کو تجارت کی منڈی بنا دیا کہ جو ان کو قیمت ادا کرے وہ اس کا مالک ہے، جس سے سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ شروع ہوئی، اور اشتراکیت کا غلاف فطرت جنون رد عمل کے لئے میدان میں آیا، جس سے دوسری قسم کی آفات پیدا ہو گئیں، اور یقین ہے کہ جب تک اسلام کے سیدھے اور صاف معتدل اقتصادی نظام کو اختیار نہ کیا جائے گا کبھی یہ اضطراب رفع نہیں ہو سکتا، اور امن عامہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور حاصل اس نظام کا یہ ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ نے وقف عام کر دی ہیں، ان کو شخصی تغلبات سے نکالا جائے، اور جو چیزیں مملوک ملک خاص ہیں، غیر مالک کو ان کی طرف نظر صحیح نہ اٹھانے دی جائے، مثلاً دریا اور اس میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات، پہاڑ اور اس میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء، جنگلات اور قدرتی چشمے اور ان سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں آزاد کر دی جائیں، تصنیف و ایجاد کا ناحق حق ختم کر کے ہر محنت کرنے والے اور روپیہ کمانے والے کو نفع اٹھانے کا موقع دیا جائے، یہی وہ معتدل اقتصادی نظام ہے جو امن عامہ کا کفیل ہو سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ درحقیقت حق تصنیف و ایجاد کوئی ایسی چیز نہیں جو مملوک ملک خاص ہو سکے، ایک شخص ایک کتاب یا کوئی نئی ایجاد دیکھ کر اپنی ملک اور اپنی محنت سے اس کی نقل اتارے تو اس کو روکنا ایک امر مباح کو روکنا ہے، جس کا وہ شخص حق دار تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ روکنا ظلم ناروا ہے۔

تنبیہ

بعض حضرات یہ عذر کرتے ہیں کہ رجسٹری کرانے میں مصلحت یہ ہے کہ تاجر عموماً تجارتی نفع کی خاطر تصنیف کو غلط اور مسخ کر کے چھاپ دیتے ہیں، جس سے مصنف کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں مصنف

کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ اس طرح مسخ یا محرف کرنے چھاپنے والے پر دعوی کرے کہ اس نے میری طرف ایسی چیز کو منسوب کیا ہے جو فی الواقع میری نہیں ہے اس لئے اس کو یا طباعت سے ممنوع قرار دیا جائے، اور آئندہ احتیاط پر مجبور کیا جائے، لیکن عام اشاعت پر پابندی کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اپنی تصنیف یا ایجاد کو اپنے لئے مخصوص کرنے کا مصنف یا موجد کو کوئی حق نہیں ہے تو خرید و فروخت بھی شرعاً جائز نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کے لئے مال ہونا شرط ہے، اور حق مجرد کوئی مال نہیں ہوتا، اگرچہ ذریعہ مال بن سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دیوبند ۱۳۶۲ھ

یہ رسالہ مختصر ہے اس موضوع پر مزید تحقیق کے لئے حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو توجہ دلائی تھی۔ بعد میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے "بیع الحقوق المجردۃ" کے نام سے عربی میں کتاب تحریر فرمائی جس میں بیع الحقوق کی اقسام اور دور حاضر میں ان کے احکام شرعیہ کی تفصیل تحریر کی گئی ہے۔ مناسب ہے کہ جواہر الفقہ کے اس رسالہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس مفصل تحریر کا بھی مطالعہ فرمالیں۔

احقر

محمود اشرف غفر اللہ لہ

۱۵/۸/۱۴۲۱ھ

بیمہ اور اس کے احکام

انشورنس کی مختلف صورتوں کے احکام قرآن وسنت کی روشنی میں

تاریخ تالیف ——— شوال ۱۳۸۳ھ (مطابق ۱۹۶۴ء)

مقام تالیف ——— کراچی

بیمہ کا رواج دنیا میں عام ہو چکا ہے، اس کی ابتداء کسی زمانے میں امداد باہمی کے اصول پر ہوئی تھی مگر پھر یہ سرمایہ داروں کا ایک کاروبار بن گیا جس کی بنیاد سود اور جوئے پر رکھی گئی جس کا اسلام میں حرام ہونا ہر مسلمان جانتا ہے مگر اس کاروبار والوں نے اس کو امداد باہمی کا نام دے کر عوام کے لئے بلکہ حقیقت سے ناواقف اہل علم کے لئے بھی ایک مغالطہ کی شکل دیدی۔

اس موضوع پر ایک سوالنامہ "مجلس تحقیقات شرعیہ" لکھنؤ نے شائع کیا جس کا ایک جواب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اور دوسرا جواب حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کراچی نے اس فتویٰ کو بغور دیکھا اور اس سے اتفاق کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالنامہ متعلق انشورنس

منجانب

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کنوینر مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ

تمہید

حامداً و مصلیاً

۱:...... بیمہ کی حقیقت

"بیمہ" انگریزی لفظ "انشور" (insure) کا ترجمہ ہے جس کے معنی لفظ یقین دہانی کے ہیں۔ چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کر دیتی ہے، اس لئے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں۔ یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی (جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں) بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے۔ اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پس ماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ

ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے، اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے، جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پس ماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع کچھ مزید کے جس کو بونس (Bonus) کہتے ہیں، یکمشت ادا کر دیتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت سے، یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس ماندگان کو حسب تفصیل مذکور پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے، مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے، اس شکل میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے، مگر شرح منافع کم ہوتی ہے، زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اب انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہو گیا ہے۔ مثلاً ہاتھوں کا بیمہ، سر کا بیمہ، ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ، اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی یا کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے، اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں۔ اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں۔ البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائم مقام صرف ایک حصہ جسم کی مدت یا اس کے ناکارہ ہونے کو قرار دیا ہے۔

ب:... املاک کا بیمہ: عمارت، کارخانہ، موٹر، جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمے کا رواج اب ہو گیا ہے۔ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنی ایک معینہ مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے۔ اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہو جائے، مثلاً کارخانہ میں یکایک آگ لگ جائے یا جہاز غرق ہو جائے یا موٹر کسی حادثہ میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس

نقصان کی تلافی کرتی ہے، اور اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

ج۔ ذمہ داریوں کا بیمہ: اس میں بچے کی تعلیم، شادی وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے، کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

۴۔ بیمہ کرانے والے کو ایک معین رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے، لیکن اگر چند سال (حسب قواعد و شرائط) اقساط ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے، اور واپس نہیں ملتی۔ لیکن اسے اختیار رہتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری کرائے، بقایا اقساط نہ ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت اقساط کا معاملہ دوبارہ جاری ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۵۔ بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کرتی ہے۔

۶۔ بیمہ دار دو سال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا مجاز ہو جاتا ہے۔

۷۔ ہندوستان میں زندگی کے بیمہ کے متعلق حکومت نے ایک قانون بنایا ہے۔ جس کی رو سے بیمہ کی یہ قسم نجی کمپنیوں کے ہاتھ سے نکل کر خود حکومت کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اور اب کمپنی کے بجائے یہ معاملہ بیمہ دار اور حکومت کے درمیان ہوتا ہے۔ بظاہر علامات سے ایسا نظر آتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ پورا کاروبار نیشنلائز کر لیا جائے گا، اور نجی کمپنیاں ختم کر کے حکومت خود یہ معاملہ کرے گی۔

خلاصہ: بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں، لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جا چکی ہے، یہاں مختصر سا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے۔ جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے۔ دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربا کے ساتھ "قمار" بھی پایا جاتا ہے۔

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے۔ اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں، بینک بھی یہی کرتے ہیں۔ البتہ اس میں شرح سود مختلف حالات وخطرات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ بینک میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بیمہ کے مصالح اور مفاسد

دنیوی نقطۂ نظر سے بیمہ پالیسی خریدنے میں کیا مصلحتیں ہیں اور کیا مفاسد ہیں؟ ان کا تذکرہ درج ذیل ہے۔ تاکہ حضرات اہل علم ان پر نظر فرما کر فیصلہ فرمائیں۔ اس کے بیان سے صرف انہیں دنیاوی مصالح ومفاسد کا تذکرہ ہے جو فی نفسہٖ کسی درجہ میں شرعاً بھی معتبر ہیں۔ جو مصالح ومفاسد شرعاً غیر معتبر ہیں۔ ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً اس دنیوی مصلحت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کہ اس طرح خریدار کو سود ملتا ہے اور اس کی جمع رقم میں بغیر محنت اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مصلحت شرعاً غیر معتبر ہے، بلکہ مصلحت کے بجائے مفسدہ ہے۔ اسی طرح اس مفسدہ کو بھی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کہ متوسط آمدنی والے افراد جب پالیسی خریدنے کے لئے کچھ رقم پس انداز کریں گے، تو تعیشات کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں گے اور وہ لذتوں سے محروم رہیں گے۔ اس لئے کہ یہ شرعاً مفسدہ غیر معتبر ہے۔

بیمہ کے مصالح: ناگہانی حوادثات کی صورت میں بیوہ اور یتامیٰ وغیرہ بربادی سے بچ جاتے

ہے۔ مثلاً:

۱:..... ہندو مسلم فساد میں بہت سے مسلمانوں کے کارخانے خاک سیاہ اور تباہ و برباد کر دیئے گئے جن لوگوں نے اپنے کارخانوں کا بیمہ کرا لیا تھا وہ تباہی سے بچ گئے۔ اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن جنہوں نے بیمہ نہیں کرایا تھا وہ پورے طور پر برباد ہو گئے پنپ نہ سکے۔ دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

(نوٹ: فسادات ہندوستان کا روزمرہ بن چکے اور ان کا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔)

۲:..... اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں، اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پا جائیں، تو ان کے پس ماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں۔ اپنی قلیل آمدنی میں عموماً وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے، جو ان کے پسماندگان کے کام آ سکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ بیمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو انہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی ہے، دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے ان کے پس ماندگان کو مل جاتی ہے۔ جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے۔

تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اس لئے اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پا جائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا، اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہو جاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

۳: اگر اولاد ناتجربہ کار ہو یا باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتتی ہے۔ اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائداد و املاک پر قابض ہو جاتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر بیمہ کی پالیسی خرید کر اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دیدے تو یہ رقم بیوہ کو بے خرخشہ مل جاتی ہے۔

اگر اولاد کے درمیان تحاسد و تباغض ہو، یا بعض بچے چھوٹے ہوں، اولاد سے خطرہ

ہو کر حقوق کو غصب کر لیں گے تو بھی ان کے نام سے بیمہ پالیسی خرید لینا مفید ہو سکتا ہے۔

۴: چونکہ کمپنیاں عموماً اہل ہنود کی ہیں۔ اس لئے بیمہ پالیسی خریدنا فسادی کی تباہ کاریوں کو روکنے کا بھی ایک ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ فسادی یہ معلوم کر کے کہ مسلمان کی بیمہ شدہ مملوکہ شی کو نقصان پہنچانا خود ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے شاید اس نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ کسی درجہ میں یہ حفاظت جان کا ذریعہ بھی بن سکے۔

نوٹ:...... اب سے دو چار صدی پیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے۔ اول تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشین کے رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ دوسرے بکثرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے، جہاں بیت المال بڑی حد تک ان حوادث کے نتائج سے بچاؤ دیتا تھا۔ تیسرے مصارف زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا مردہ نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج ہو گیا ہے۔ پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکوٰۃ وصدقات کا رواج یہ سب اسور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا کرتے تھے۔ اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے۔ آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے۔ سو (۱۰۰) میں ایک کی تباہ حالی دور کرنا آسان ہے مگر سو میں ۲۵ کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔

بیمہ کے مفاسد

واضح رہے کہ یہاں صرف دنیاوی مفاسد کا تذکرہ مقصود ہے جن کی طرف بعض اوقات بعض اہل علم کی نظر نہیں جاتی، دینی مفاسد سے چونکہ ہر صاحب علم واقف ہے، اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

۱: ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مورث کو (جو کہ بیمہ دار تھا) قتل کروا دیا۔

۲: اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمہ دار نے دھوکہ دے کر اپنی دوکان یا اپنے

مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کردی۔ اور اس کا بیمہ کرادیا اور کچھ عرصہ کے بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شی کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کے لئے اس شی کو مخفی طریقہ سے خود تلف کردیا۔ مثلاً آتش زنی۔ یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا۔

اس قسم کے واقعات کی تعداد اگرچہ قلیل ہے مگر نہ تو بعید از قیاس ہے اور نہ النادر کالمعدوم کہے جاسکتے ہیں۔

۳: ... تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آجاتی ہے، آدمی اسے بہت بیدردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ نوجوان اولاد کو اگر باپ کے بعد بیمہ کی رقم بغیر محنت و کوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بے دریغ صرف کرے گی، اسراف و تبذیر کی عادت فی نفسہ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

۴: ... یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بیمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش پیش ہو سکتا ہے سود کی رقم اس کی دولت میں اور اضافہ کرے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ داری کو مزید ترقی ہوگی۔

ان تمہیدی امور کے عرض کرنے کے بعد حضرات علماء کرام سے درخواست ہے، کہ "انشورنس" کے متعلق مندرجہ بالا حقیقت اور اس کے مصالح و مفاسد کو پیش نظر رکھ کر شریعت مقدسہ اسلامیہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں، ضروری استدعا یہ ہے کہ براہ کرم جوابات مدلل اور واضح عنایت فرمائیں۔

بیمہ کے متعلق چند ضروری سوالات

۱: ... انشورنس کی جو حقیقت اوپر عرض کی گئی ہے، اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے، جس کا نام دواجی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

۲:.... اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربوا ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

۳:.... زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا، یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

۴:.... معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئی وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کے حدود میں تو نہیں داخل کر دیتی ہے؟

۵:.... اگر یہ قمار یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

۶:.... اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے، اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

۷:.... جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے، اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

۸:.... اگر کوئی مسلمان کسی دار الحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

۹:.... اس صورت میں جب کہ انشورنس کا روبار خود حکومت کر رہی ہو، اور اس صورت میں جب کہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں، کوئی فرق ہے یا نہیں؟

۱۰:.... اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر "ربوا" کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

۱۱: ...فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن۔

الف: سود کی کل رقم بصورت ٹیکس و چندہ خود حکومت کو دیتا ہے۔

ب: ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپرواہی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا، کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا، کنواں کھدوانا، یا نل لگوا دینا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

ج: ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے، مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے، اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی، بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے۔ مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا وغیرہ۔

تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی، اور ربوا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

نوٹ: مندرجہ بالا تینوں صورتوں (الف، ب، ج) کے احکام میں اگر فرق ہے تو اسے واضح فرمایا جائے۔

۱۲: ...بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر۔

الف: اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکور موجود ہوں، اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے، اگر ہو سکتا ہے تو کیا؟ یا

ب: انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جا سکتی ہے، جو اسے

معصیت کے دائرے سے خارج کردے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا؟

احقر محمد اسحاق سندیلوی عفی عنہ کنوینر

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء

جواب سوالنامہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

از

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان صدر دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد! اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں وقت کے اہم مسئلہ کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔ اور جواب دینے والے کے لئے معاملہ کی نوعیت سمجھنے کی مشکل حل کر دی۔ آج کل جدید قسم کے معاملات جو عام طور پر کاروباری زندگی اور معاشرہ میں رواج پا گئے ہیں، ان کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے میں اہل علم کے لئے ایک بڑی دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ ایک طرف ان معاملات کے کرنے والے شرعی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے کہ معاملہ کی صحیح نوعیت بیان کر سکیں دوسری طرف جواب دینے والے اہل فتویٰ عموماً ان معاملات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور ان کی واقفیت حاصل کرنا بھی ان کے لئے آسان نہیں ہوتا۔

عرصہ دراز ہوا کہ احقر سے ایک بیمہ کمپنی کے کسی ایجنٹ نے بیمہ کے جواز وعدم جواز کا سوال کیا ان کے پیش نظر تو صرف اتنا تھا کہ میری طرف سے کوئی حرف جواز ہاتھ آ جائے تو وہ اسے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی ترغیب کا اشتہار اور اپنے کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنائیں۔ جیسا کہ ان کی دی ہوئی ایک کتاب میں دوسرے بہت سے علماء کے ایسے ہی کلمات کو بطور اشتہار انہوں نے استعمال کیا ہوا تھا اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اس میں درمیان سے ایک پوری سطر کاٹ کر نقطے لگائے ہوئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سطر میں مفتی صاحب موصوف نے کمپنی کی منشا کے خلاف کوئی بات لکھی تھی اس لئے اس کو درمیان سے حذف کر دیا گیا ہے۔ مگر دیانت کا اتنا پہلو بھی غنیمت نظر آیا کہ درمیان سے ایک سطر کی خالی جگہ میں نقطے لگا کر اتنا جتلا دیا تھا کہ مفتی صاحب کی عبارت مسلسل نہیں ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا کہ

بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر
کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

رفتہ رفتہ دیانت کا یہ ہلکا سا اثر بھی ختم ہوا۔ اور اب جو پمفلٹ شائع ہوئے ان میں عبارت کو مسلسل کر کے چھاپ دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احقر نے اس طرز عمل کو دیکھنے کے بعد احتیاط ضروری سمجھی اور ان سے عرض کیا کہ آپ بیمہ کے مکمل قواعد وضوابط مجھے دیں میں ان کو دیکھ کر کوئی جواب دونگا۔ اس پر جو کاغذات انہوں نے میرے لئے مہیا کئے وہ صرف بیمہ زندگی سے متعلق تھے، ان کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ بیمہ زندگی میں شرعی حیثیت سے تین مفاسد ہیں۔ اول سود، دوسرا قمار، تیسرا معاہدہ کی بعض شرائط فاسدہ۔ اس لئے بصورت موجودہ اسکے جواز کی کوئی وجہ نہ تھی۔ احقر نے ان کو ایک مسودہ ترمیم کا لکھ کر دیا جس کے ذریعہ یہ کاروبار بغیر کسی قسم کے

نقصان کے حرام وگناہ سے نکل جائے۔

انہوں نے ترمیم منظور کرا کر جاری کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر پھر اس کا کوئی اثر بیمہ کمپنی کے معاملات میں نظر نہ آیا شاید وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

احقر نے بارہا ارادہ کیا کہ کم از کم مسئلہ کی حیثیت اور ترمیم کی صورت کو شائع کر دیا جائے۔ مگر اول تو اس پر مکمل اطمینان نہیں تھا کہ معاملہ کی نوعیت جو ان کاغذات کے مطالعہ سے میں نے سمجھی اور صحیح قرار دی ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں۔ دوسرے بیمہ کی دوسری اقسام کو جمع کرنے اور اس کے مکمل احکام بیان کرنے کا داعیہ بھی تھا۔ جس کے نتیجہ میں آج تک یہ ارادہ، ارادہ ہی رہا عملی صورت اختیار نہ کر سکا پھر مشاغل وذوائل نے فرصت نہ دی اور روز بروز قویٰ کے انحطاط اور ضعف نے ارادہ کو بھی اسی نسبت سے ضعیف کر دیا۔ جناب کے مرسلہ سوالنامہ نے معاملہ کی نوعیت کو پوری طرح واشگاف بیان کر دیا۔ اور اس کی تمام اقسام کو بھی واضح انداز میں ذکر کر کے کچھ لکھنے کی ہمت پیدا کر دی۔ خصوصاً اس لئے کہ اب یہ میرا جواب کوئی آخری فیصلہ نہیں، دوسرے علماء کے سامنے پیش ہو کر اس کی اصلاح بھی ہو سکے گی۔

واما اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اسال السداد والصواب والیہ المرجع والمآب

ایک استدعا

اگر رائج الوقت معاملات جدیدہ کے متعلق اسی طرح معاملہ کی پوری تحقیق اہل معاملہ سے معلوم کر کے سوال نامے مرتب کر لئے جائیں تو سمجھتا ہوں کہ مجلس تحقیقات کا یہ بھی بڑا کارنامہ ہوگا۔ آگے سوالنامہ کا مفصل جواب عرض ہے۔ واللّٰہ الموفق۔

الجواب:

۱:..... ظاہر ہے کہ محض نام بدل دینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی بیمہ کمپنی

کے منافع بلاشبہ سود و ربوا کی تعریف میں داخل ہیں۔ بینک کے سود کو ربوا کی تعریف سے خارج کرنے کیلئے جو وجوہ بعض نو تعلیم یافتہ حضرات نے لکھے ہیں۔ ان کا مفصل جواب احقر کے رسالہ "مسئلہ سود" میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس میں سود و ربوا کی تعریف بھی وضاحت کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔

۲:.... سود کے جواز کی تو کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی حرمت قطعی اور شدید ہے جس کی تفصیل احقر کے رسالہ "مسئلہ سود" میں دیکھی جا سکتی ہے البتہ بیمہ کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کر کے اس کو ایک نفع بخش شرعی معاملہ بنایا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر تفصیل میں آئے گا۔

۳:.... تشریح اس کی یہ ہے کہ:

الف: قرآن کریم کی آیت "واحل اللّٰہ البیع وحرم الربوا" میں بیع و تجارت کو حلال اور اس کے مقابل ربوا کو حرام قرار دیا ہے۔ بیع یا تجارت ایک مشترک کاروبار میں نفع نقصان کی منصفانہ تقسیم کا نام ہے۔ اور ربوا اس زیادتی کا نام ہے جو تجارتی نقصان سے قطع نظر کر کے اپنی رقم کی میعاد معین کے معاوضہ میں وصول کی جائے۔ خواہ کاروبار میں کتنا ہی نفع یا نقصان ہو۔ ظاہر ہے کہ بیمہ کی تینوں صورتوں میں جو منافع یا بونس دیا جاتا ہے، وہ بیع و تجارت کے اصول پر نہیں بلکہ ربوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ب: اور چونکہ حوادث کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہوں گے، یا نہیں، اور ہوں گے تو کب اور کس پیمانہ پر، اور اس مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلق کرنا ہی قمار ہے جس کو قرآن کریم نے بلفظ "میسر" حرام قرار دیا ہے۔ بیمہ کا مدار ہی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی امید پر ہے، جو بلاشبہ قمار میں داخل ہے۔

ج: تینوں قسم کے بیموں میں جو یہ شرط ہے، کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرنے کے بعد باقی قسطوں کی ادائیگی بند کر دے۔ اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہو جاتی ہے۔ یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جا سکتا ہے اور عدم تکمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ ادا کردہ رقم کو

اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہوسکتا۔ یہ تین خلاف شرع امور اور گناہ کبیرہ ہیں، جو تینوں قسم کے بیموں میں موجود ہیں۔ اس لئے بلحاظ حکم شرعی تینوں میں کوئی فرق نہیں سب کے سب ناجائز ہیں۔ بیموں کی ان تینوں قسموں کا عام رواج غالباً اسی صدی کے اندر ہوا ہے اس لئے فقہاء متاخرین کے مباحث اور فتاویٰ میں بھی کہیں ان کا ذکر نظر نہیں پڑتا۔

۴:۔ البتہ ایک چوتھی قسم بیمہ کی اور ہے جس کو سوال میں نہیں لیا گیا وہ سندات و کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ ہے اس کا رواج غالباً کچھ قدیم ہے اسی لئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ جو متاخرین میں افضل الفقہاء مانے گئے ہیں، انہوں نے اس کا ذکر کتاب الجہاد باب المستامن میں بنام "سوکرہ" کیا ہے۔ مگر اس کی جو صورت لکھی ہے وہ موجودہ بیمہ سندات و کاغذات سے کسی قدر مختلف ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے مگر انہیں کی تحریر سے بیمہ سندات و کاغذات کی مروجہ صورت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں نقل کیا ہے "ان المودع اذا اخذ الاجرة على الوديعة يضمنها اذا هلكت" (شامی اخیر ص ۳۳۵ ج ۳) یعنی جس شخص کو کوئی سامان بغرض حفاظت دیا جائے اگر وہ اس کی حفاظت کا معاوضہ لیتا ہے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا۔

ظاہر ہے کہ محکمہ ڈاک وغیرہ جو سندات، کاغذات وغیرہ سربمہر کر کے حفاظت کے وعدہ پر لیتا ہے، اور اس حفاظت کی فیس بھی لیتا ہے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں مذکورہ روایت کی بناء پر ضائع شدہ کاغذات کا تاوان اس پر لازم آئے گا۔

۵:۔ یقیناً قمار میں داخل ہے کیونکہ کسی معاملہ میں نفع و نقصان کو کسی غیر معین غیر معلوم چیز پر معلق رکھنے ہی کا نام قمار ہے۔

۶:۔ غرر تو نہیں مگر خطر ضرور ہے جو بنیاد ہے قمار کی، اور ربوٰ کی طرح اس کی بھی حرمت قرآن کی نص قطعی میں آئی ہے۔ اور اس کو بت پرستی کے مساوی جرم اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ "انما الخمر و الميسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل

الشیطان فاجتنبوہ " اس لئے اس کے جواز کی تو کوئی گنجائش مصالح مذکورہ کی بناء پر نہیں ہو سکتی البتہ قواعد میں ترمیم کرکے جائز معاملہ بنایا جا سکتا ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

۷:۔ جائز ہے صرف اتنی بات ہے کہ اس کے روپیہ سے سود و قمار کا معاملہ کرنے والوں کی کسی نہ کسی درجہ میں امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ سبب بعید ہونے کے سبب اس کو حرام نہ کہا جائے گا کیونکہ یہاں سود و قمار کا معاملہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔ جن میں یہ شامل نہیں اور نہ اس کا روپیہ ان کے فعل حرام کے لئے خاص طور پر محرک اور داعی بنا ہے ہاں غیر ارادی طور پر اس کے روپیہ سے ان کی امداد ہو گئی۔ اس طرح تسبب للمعصیت کو حرام نہیں کہا جا سکتا البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ جس کی تعبیر فقہاء کی اصطلاح میں مکروہ تنزیہی سے کی جاتی ہے۔ جیسے فاسق بدکار یا فاحشہ کے ہاتھ کی تیار کردہ کھانے پینے کی چیزیں یا لباس اور زینت کی اشیاء فروخت کرنا جن سے وہ اپنے فسق و فجور سے کام لیتے ہیں۔ حرام صرف وہ تسبب ہے جو معصیت کے لئے بطور خاص محرک اور داعی ہو جیسے قرآن کریم میں عورتوں کو پاؤں زمین میں اس طرح مارنے کی ممانعت ہے جس سے ان کا زیور بجے اور غیر محرم مردوں کی نظریں اس طرف متوجہ ہو کر نظر بد کے لئے محرک بنے۔ " ولا یضربن بارجلهن لیعلم مایخفین من زینتهن " یا کفار کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت اس لئے آئی ہے کہ وہ کفار کے لئے اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی کی محرک اور داعی بنے گی۔ اسی فرق کو فقہاء حضرات نے کہیں سبب قریب و بعید کے عنوان سے اور کہیں با قامت المعصیۃ بعینہ وبغیرہ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس لئے بیمہ کمپنی میں روپیہ صرف اس نیت سے جمع کرنا کہ رقم پس انداز ہو جائے اور وقت ضرورت کام آئے۔ اس کا سود نہ لینے کی صورت میں خلاف اولیٰ مگر جائز ہے۔

۸:۔ تبرع و احسان کی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ تبرع و احسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ جبراً وصول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی جو کہا ہے کہ کمپنی کو براہ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں کہ وہ اس مد

میں کچھ خرچ کرے۔ وہ خالی ایک تجارت یا کاروبار ہے، جو اس نظریہ پر قائم ہے، کہ عادۃً حوادث کا اوسط کیا رہے گا اور کمائی کا اوسط کیا۔ حوادث کے اوسط کو حاصل شدہ رقم کے اوسط سے بہت کم محسوس کر کے باقی ماندہ منافع کے لئے یہ کاروبار جاری ہے۔

بعض تجدد پسند علماء عصر نے جو اس کو امداد باہمی کا معاہدہ قرار دے کر موالی الموالاۃ کے احکام پر قیاس فرمایا اور عقد موالات کی طرح اس کو بھی جائز قرار دیا ہے وہ بالکل قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ عقد موالات کا جواز جو بروایت ابوداؤد حضرت تمیم داریؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، وہ صرف نومسلموں کے لئے ہے۔ جن کا کوئی وارث مسلمان موجود نہ ہو۔ اگر وہ کسی شخص سے بھائی چارہ کا معاہدہ کر لیں، تو وہ ایک حیثیت سے ان کا بھائی قرار پائے گا۔ زندگی میں جو جنایات کی دیت کسی بھائی پر عائد ہوتی ہے، وہ اس شخص پر عائد ہو گی۔ اور مرنے کے بعد اس کی وراثت کا یہ حقدار قرار پائے گا۔ یہ عقد موالات حدیث مذکور کی بناء پر صرف وہ شخص کر سکتا ہے، جس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو۔ اور جس کا کوئی مسلمان وارث نزدیک یا دور کا خواہ عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے موجود ہو، تو اس کا یہ عقد موالات کسی شخص سے باطل وکالعدم ہے۔ کیونکہ وارث کا حق تلف کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے" وان کان لہ وارث فھو اولیٰ منہ وان کانت عمۃ او خالۃ او غیرھما من ذوی الارحام" (کتاب الولاء) اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عقد موالات جو صرف نومسلموں کے لئے لاوارث ہونے کی حالت میں جائز کیا گیا ہے، اس پر عام امداد باہمی کے معاہدہ کو قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا معاہدہ سمجھ لیا جائے جس کے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہ بیمہ کمپنی کے کاروبار میں نظر آتی ہے نہ بیمہ پالیسی خریدنے والوں کے معاملات سے اس کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔

درحقیقت مروجہ بیمہ کو امداد باہمی کہنا ایک دھوکہ ہے اور بیمہ اور سٹہ سے سودی کاروبار پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ

سودی کاروبار کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ دس ہزار کا سرمایہ لگانے والا اپنے دس ہزار کے ساتھ بینکوں کے ذریعہ پوری قوم کے نوے ہزار مزید بطور سودی قرض وصول کر کے مثلاً ایک لاکھ کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر اس تجارت میں نفع ہوتا ہے تو وہ سارا کا سارا کاروبار کرنے والے کا مال ہے، برائے نام دو فیصد یا چار فیصد کے حساب سے قومی سرمایہ کا سود دے دیتا ہے جو بینک کے حصہ داروں میں تقسیم ہو کر ایک بے منفعت اور بے فائدہ اضافہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ کاروبار کرنے والے کے لئے ایک لاکھ کے دو لاکھ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی سرمایہ داری بڑھتی جاتی ہے۔ اور اگر فرض کیجئے کہ اس کی تجارت پر زوال آیا اور اس کا سرمایہ بھی ڈوب گیا تو اس کا نقصان صرف دس ہزار کا یعنی دس فیصد ہوا۔ باقی سرمایہ پوری ملت کا تھا۔ اس کا نقصان نوے فیصد ہوا۔ یوں تو یہی ظلم کچھ کم نہیں کہ قوم و ملت کو نفع ملے تو چار فیصد کے حساب سے ملے اور نقصان ہو تو نوے فیصد کے حساب سے پہنچے۔ اس کے علاوہ سودی کاروبار کرنے والے خود غرض لوگوں نے اپنے دس ہزار کے نقصان کو بھی پوری قوم کے سر ڈال دینے کیلئے دو طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ ایک بیمہ دوسرا سٹہ کیونکہ تجارت میں نقصان دو طریقوں سے ہوتا ہے کبھی کوئی حادثہ آگ لگ جانے یا جہاز ڈوب جانے وغیرہ سے پیش آجانے اور کبھی سامان تجارت کی قیمت گھٹ جانے سے نقصان ہوتا ہے۔

پہلے نقصان کو جو خالص اس کی ذات پر پڑنے والا تھا اس کو بیمہ کے ذریعہ پوری ملت کے سر پر ڈال دیا۔ اور دوسرے نقصان سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا کہ جب ذرا نقصان کا خطرہ نظر آئے تو اپنا بوجھ دوسرے کے سر ڈال کر خود نقصان سے صاف اور بے داغ ہو جائے۔ اسی طرح اگر موجودہ طریق کاروبار کی گہرائیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بیمہ اور سٹہ درحقیقت سودی کاروبار کی شاخیں ہیں۔ جن کے ذریعہ پوری قوم کے نفع و نقصان سے قطع نظر صرف اپنا پیٹ پالنے اور اپنے سر آنے والے نقصان کو دوسروں کے سر ڈالنے کے لئے بڑی ہوشیاری اور چابک دستی سے اس کو قومی ہمدردی اور امداد باہمی کا

عنوان دیا گیا ہے۔

۹۔ اگر کمپنی کفار اہل حرب کی ہے اور مسلمان کوئی اس میں حصہ دار نہیں ہے تو اس میں بیمہ پالیسی لے کر کوئی نفع خواہ ربوا کا ہو، یا حادثہ کا، حاصل کر لینا مسئلہ مختلف فیہا ہو جائے گا جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو ناجائز ہی ہے، مگر دوسرے ائمہ اجازت دیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کے مسلک پر بھی جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے، کہ کوئی مسلمان اس میں حصہ دار نہ ہو۔ مگر عملاً ایسا ہونا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے۔

۱۰، ۱۱۔ ایک فرق سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حادثہ کی صورت میں جو رقم حکومت سے ملے گی اسکو حکومت کا عطیہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایسے حالات میں امداد کرنا عموماً حکومتوں کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ مگر ربوا کا معاملہ پھر بھی حرام رہے گا اس میں نجی کاروبار میں اور حکومت کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں۔

۱۲ (الف) یہ صورت جائز ہے کہ حکومت کی طرف سے جو غیر شرعی ٹیکس عائد ہیں ان کو ادا کرنے کے لئے حکومت ہی سے اس کے قانون کے مطابق کوئی رقم حاصل کر لی جائے خواہ اس کے حصول کا ذریعہ ربوا کے عنوان میں آتا ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ صرف اتنی ہی رقم وصول کی جائے جتنی حکومت کے غیر شرعی ٹیکسوں میں دینی ہے۔

(ب) ازروئے قواعد تو اس کی بھی گنجائش ہے مگر انفرادی طور پر عملاً ایسا ہونا مشکل ہے۔ اس کا نتیجہ پھر یہی ہوگا کہ اس رقم کو صرف کرنے والے اس سے اپنے مفاد حاصل کریں گے جو ناجائز ہے۔ ہاں کسی ایسے ادارہ کو یہ رقم سپرد کر دی جائے، جو ذمہ داری کے ساتھ انہیں کاموں میں صرف کرے جن کے پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔

مگر حکومت کسی وجہ سے اس کو پورا نہیں کر رہی ہے تو اس صورت میں مضائقہ نہیں۔

ج۔ جو کام حکومت کی ذمہ داری اور فرائض میں داخل نہیں، کبھی تبرعاً حکومت بھی کر دیتی ہے۔ ان کاموں پر صرف کرنے کے لئے حکومت کی بیمہ پالیسی سے کسی ناجائز

طریقہ پر رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جواز کی علت اس تاوان سے بچنا ہے جو حکومت کی طرف سے غیر شرعی طور پر عائد کیا گیا ہو، وہ علت صورت (ج) میں مفقود ہے۔

۱۴۔ صدقہ کرنے کی نیت سے سود یا قمار کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ صورت ایک گناہ کرکے اس سے توبہ یا کفارہ کردینے کی ہے ناجائز طریقے سے جو رقم کو صدقہ کردے۔ اسی وجہ سے اس میں نیت ثواب رکھنا بھی جائز نہیں بلکہ نیت کفارۂ گناہ کی ہونا چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کردینے سے بیمہ پالیسی کی ناجائز رقم حاصل کرنا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی توبہ اور کفارہ کی نیت سے کسی گناہ پر اقدام کرے کہ اس کے اس اقدام گناہ یا ارتکاب حرام کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔

بیمہ کے صحیح بدل کی تجویز یا قواعد میں ترمیم

آخری سوالات (الف) اور (ب) میں ایسی صورت کا سوال کیا گیا جس میں شرعی حیثیت سے کوئی قباحت نہ ہو اور بیمہ کے فوائد اس سے حاصل ہوسکیں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اصول شرعیہ کے ماتحت مروجہ بیمہ کے ایسے بے خطر اور بے ضرر بدل موجود ہیں کہ ان کو بروئے کار لایا جائے تو نہ صرف مروجہ بیمہ کا اچھا بدل بن سکیں، بلکہ قوم کے بے سہارا افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہوسکتا ہے جب قوم میں اسلامی حمیت اور قومی غیرت کا شعور بیدار ہو۔ اپنی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے تھوڑی بہت محنت اور قربانی کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر دوسروں کی نقالی ہی کو سرمایہ سعادت وترقی سمجھ کر اس کے حصول میں حلال وحرام کے امتیاز اور فکر آخرت سے بے نیازی کو اپنا شعور بنالیا جائے، تو ظاہر ہے کہ یورپ کے شاطر ہمارے اسلامی نظام زندگی کی حفاظت کی غرض سے خود کوئی تبدیلی کرنے سے رہے۔ یہاں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ معاملہ انفرادی نہیں اجتماعی ہے۔ اگر چند افراد و آحاد اس مقصد کے لئے

یہ ایک سرسری مختصر اجمالی خاکہ ہے اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو تو اس پر مزید غور و فکر کر کے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جاسکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی قواعد کے ماتحت تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

بینکنگ اور بیمہ کا موجودہ نظام بھی تو کوئی ایک سال میں قابل عمل نہیں ہوا ایک صدی سے زیادہ اس میں غور و فکر اور تجربات کی بناء پر رد و بدل کرنے کے بعد اس شکل میں آیا ہے جس پر اطمینان کیا جاسکتا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ اس کا تجربہ کیا جائے، اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں بلا سودی بینکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آسکتا ہے۔

نظام مضاربت کے تحت بینکاری کا ایک لازمی اثر یہ بھی ہوگا کہ ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو کر نہیں رہ جائیگی بلکہ تجارتی نفع کی شرح سے پوری قوم کو معتد بہ فائدہ حاصل ہوگا۔ اس وقت صرف اس اجمالی خاکہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ ... ۱۰ شوال المکرم ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن ٹونکی	محمد سلیم اللہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی	محمد رفیع عثمانی	محمد تقی عثمانی

الجواب (۲)

از مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نوعِ انسانی کے لئے وہ آخری پیغامِ حیات ہے، جو قیامت تک آنے والی نسلوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لئے ہر زمانہ، ہر ماحول میں کافی وافی ہے۔ اب خدائی ہدایت اور تشریع الٰہی کا مستند ماخذ صرف اسلام ہے۔ آئندہ کوئی مزید ہدایات اور تشریع آنے والی نہیں ہے۔ جس کی طرف انسان کو رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔

اسی ہدایت ربانی میں ہماری مادی، روحانی، شخصی، اجتماعی، اقتصادی، معاشی، سیاسی غرض ہر ضرورت کا سامان موجود ہے۔

قرآن حکیم نے اس ہدایت ربانی کے اصول وکلیات کی طرف رہنمائی کی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل اور تقریر (بیان سکوتی) سے ان اصول وکلیات کی تفصیلات اور جزئیات بیان فرمائیں۔ پھر چونکہ یہ آخری ہدایت ہے اس لئے امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کے شرف سے نوازا۔ ائمہ مجتہدین نے اپنی مقدور بھر کوششیں اور عمریں قرآن کریم وحدیث نبوی کے سمجھنے اور ان ہر دو ماخذوں سے نئے نئے احکام اور ان کی علل وغایات استنباط کرنے میں اور غیر منصوص مسائل کے احکام ان سے اخذ کرنے میں صرف کیں۔ بالآخر ان برگزیدہ ہستیوں کی سعی وکوشش سے ایک عظیم ذخیرہ احکام وقوانین ظہور پذیر ہو گیا۔ جس کو ''فقہ اسلامی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ہمارے اس زمانے کی بیشتر ضروریات کا حل موجود ہے۔ لیکن جدید تمدن اور صنعتی انقلاب نے اس زمانے میں نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ معاملات،

معاشیات اور اقتصادیات کے سلسلہ میں سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، جو حل طلب ہیں۔ اور علماء امت کو دعوت فکر دے رہے ہیں۔ کہ وہ "فقہ اسلامی" کی روشنی میں ان کا حل پیش کریں۔ اصل میں تو یہ کام اسلامی حکومتوں کا تھا، کہ وہ اپنے وسیع تر ذرائع و وسائل استعمال کر کے عالم اسلام کے منتخب اور مستند علماء کو جمع کرتیں اور ان کے ساتھ نئے معاملات و مسائل کے جاننے والے ماہرین موجود ہوتے۔ پھر یہ سب حضرات قرآن حکیم، حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کے صحیح حل اور جوابات دیتے۔ اسی طرح منصوص احکام کی علتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان تمام جدید معاملات میں ان کو جاری کرتے جن میں وہ علتیں فی الواقع پائی جاتی ہیں۔

لیکن تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب المیہ ہے کہ موجودہ مسلم حکومتوں پر ایسے افراد مسلط ہیں کہ جو اپنے وسائل و ذرائع کو اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ پر صرف کرنے کے بجائے اسلام کی تجدید پر خرچ کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششوں کا حاصل یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات و احکام سے برگشتہ کر کے الحاد اور ذہنی آوارگی کے حوالہ کر دیا جائے۔ اگر کسی حکومت کے زیر اہتمام کوئی ایک آدھ ادارہ "تحقیقات اسلامی" کے نام سے بھی نظر آتا ہے تو وہ بھی صرف اس غرض کے لئے ہے کہ "جدید اسلام" کی داغ بیل ڈال کر صحیح اسلام کے نقوش مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دیئے جائیں۔ اس قسم کے اداروں کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کو غذا استشراق کے حمام خانوں سے ملتی ہے۔ جن کا مقصد وحید یہی ہے کہ جو اسلام تلوار کے زور سے فتح نہیں ہو سکا۔ اس کو تشکیک کی راہوں پر ڈال کر ختم کر دیا جائے۔

دوسرے درجہ میں علماء امت کا فریضہ تھا کہ وہ ان پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرتے اجتماعی طور پر نئے مسائل میں غور و فکر کرنا اسلام کے منشاء کے عین مطابق ہے اور سلف میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

امام ابوبکر رازی جصاص اپنی مشہور کتاب احکام القرآن میں آیت کریمہ: لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ (تو تحقیق کرتے ان میں تحقیق کرنے والے) اور اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (اور ہم نے تجھ پر یہ قرآن اُتارا تاکہ تو وضاحت سے بیان کرے وہ چیز جو کہ اتری ہے ان کے واسطے) کے تحت احکام شرعیہ میں غور و فکر کرنے کی اس طرح دعوت دیتے ہیں۔

فحث على التفكر فيه وحرض على الاستنباط والتدبر وامرنا بالاعتبار لنتسابق الى ادراك احكامه وننال درجة المستنبطين والعلماء الناظرين۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ہم کو غور و فکر کرنے پر آمادہ کیا ہے اور احکام معلوم کرنے اور ان میں غور و خوض کرنے کی دعوت دی ہے اور قیاس سے کام لینے کا حکم دیا ہے تاکہ ہم اس کے احکام معلوم کرنے کی طرف پیش قدمی کریں اور احکام معلوم کرنے والے اور غور و فکر کرنے والے علماء میں شامل ہو جائیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام ائمہ مجتہدین میں سب سے پہلے امام ہیں۔ جنہوں نے "مسائل و واقعات" میں غور و فکر کرنے کے اجتماعی طریقے کو فروغ دیا۔ امام ممدوح نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد طائی، حبان، مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر قوت استنباط و اجتہاد میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ امام اعظمؒ نے ان حضرات کی شرکت میں

---

(۱) [illegible]

ایک مجلس مرتب کی اور مسائل حاضرہ پر غور و فکر شروع کیا۔ امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی اور اس عظیم کام میں امام صاحب کے شریک رہے چالیس تھے۔ ۵۰۰ھ میں جب بیع بالوفاء(۱) کا بخارا اور اس کے اطراف میں رواج شروع ہوا، تو چونکہ یہ معاملہ کی ایک نئی صورت تھی۔ بیع صحیح، بیع فاسد اور رہن کا مجموعہ نظر آتی تھی۔ اس لئے اس زمانہ کے علماء کا اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہوا۔ بعض نے اجازت دی، بعض نے ممانعت کی امام ابوالحسن ماتریدیؒ کو اس زمانہ کے ایک مشہور عالم نے مشورہ دیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا ہے آپ اس مسئلہ کو رہن سمجھتے ہیں، میرا بھی خیال یہی ہے۔ مگر لوگ پریشان ہیں، آپ علماء امت کو جمع کریں، اور اس مسئلہ میں غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر عوام کے سامنے ایک متفقہ قول پیش کریں۔ تاکہ ان کا اضطراب و تردد دور ہو۔ قاضی سماوہ نے جامع الفصولین میں نقل کیا ہے

"قلت للامام ابی الحسن الماتریدی قد فشی هذا البیع بین الناس وفیه مفسدة عظیمة وفتواک انه رهن وانا ایضاً علیٰ ذالک فالصواب ان تجمع الائمة وتتفق علیٰ هذا وتظهره بین الناس." (ص ۲۲۳، ج ۱)

میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے عرض کیا بیع بالوفاء کا رواج عام ہو گیا

(۱) اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان فروخت کر دیا اور پھر یہ شرط طے کر لے اور اس کی تحریر لکھالے کہ جب میں تم کو قیمت ادا کر دوں تو تم کو مکان واپس کرنا ہوگا۔ اس بیع کے بارے میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض رہن کہتے ہیں اور بعض بیع، پھر بیع صحیح ہے یا فاسد؟ الفتویٰ یہی ہے کہ بیع ہے کیونکہ بیع وشراء کے الفاظ پائے جاتے ہیں اگر بیع کے اندر واپسی کی شرط کی گئی تو بیع فاسد ہے اور اگر ایجاب وقبول کے بعد شرط واپسی کی گئی تو بیع صحیح ہے اور یہ شرط ایک وعدہ ہے جس کی وجہ سے بیع میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

ہے اور اس میں بڑی خرابی ہے آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ دین کے علم میں
ہے میرا بھی یہی خیال ہے لہٰذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ علماء کبار کو جمع
کریں اور ان کے اتفاق رائے سے متفقہ فیصلہ لوگوں کے سامنے ظاہر
فرمادیں۔

قابل مبارکباد ہیں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے منتظمین کہ انہوں نے اس علمی ضرورت کو محسوس کیا اور ایک مجلس بنام مجلس تحقیقات شرعیہ تشکیل کی جس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسائل جدیدہ میں علماء غور وفکر کریں اور متفقہ فیصلہ عوام کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ''بیمہ'' کے بارے میں ایک تفصیلی سوالنامہ ہے، جس کو بڑی قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سوالنامہ کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے بیمہ کے آغاز وانجام پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہے۔

بیمہ کا آغاز وانجام

کہا جاتا ہے کہ بیمہ کی ابتداء اٹلی کے تاجران اسلحہ سے ہوئی، ان لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ بعض تاجروں کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ انتہائی تنگدستی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس صورت حال کا حل یہ نکالا کہ اگر کسی شخص کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جائے تو تمام تاجر مل کر اس کی معاونت کے طور پر اسے ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم ادا کیا کریں۔ یہی تحریک ترقی کر کے جہازوں کی بیمہ تک پہنچی کہ ہر ایک ممبر ایک مقررہ رقم ادا کرے، تاکہ اس قسم کے حوادث وخطرات کے موقعہ پر نقصان کا کچھ نہ کچھ تدارک کیا جا سکے۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے۔ کہ سب سے پہلے اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی طرح ڈالی، ابتداء میں بیمہ کی شکل سادہ ہی تھی، بعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکلتی رہیں۔ اور تجربے ہوتے رہے۔ ہالینڈ

اس تجربے میں پیش پیش رہا۔ موجودہ دور میں ایک مقررہ قسط پر بیمہ کاری کا نظام سب سے زیادہ مقبول ہے۔ جس کو "سرمایہ کارانہ نظام بیمہ" کہا جاتا ہے۔ اب دنیا کی حکومتیں بیمہ کو لازمی قرار دے رہی ہیں۔ جس کو "ریاستی بیمہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بیمہ کی ابتدا ۱۳۰۰ء میں بتائی جاتی ہے۔ ابتدا ہوتے ہی اس کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور اس کے مقدمات اس کثرت سے عدالتوں میں آنے لگے کہ ۱۳۲۹ء میں اس کے لئے خاص عدالتیں مقرر کی گئیں۔ جو صرف بیمہ کے مقدمات سماعت کریں۔ "بیمہ بحری" کے بہت عرصہ بعد "بیمہ بری" شروع ہوا۔

سلطنت آل عثمان کے زمانہ میں جب حکومت ترکی کے تجارتی تعلقات یورپ کے ملکوں سے قائم ہونے لگے تو یورپین تاجروں کے توسط سے بیمہ اسلامی ملکوں میں داخل ہوا اور اس کے بارے میں علمائے وقت سے استفسارات شروع ہونے لگے چنانچہ تیرہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین رد المحتار میں تحریر کرتے ہیں۔

وبما قررناه يظهر جواب ما كثر السؤال عنه في زماننا وهو انه جرت العادة ان التجار اذا استاجروا مركبا من حربي يدفعون له اجرته ويدفعون ايضاً مالاً معلوماً لرجل حربي مقيم في بلاده يسمى ذلك المال "سوكره" على انه مهما هلك من المال الذي في المركب بحرق او غرق او نهب او غيره فذلك الرجل ضامن له بمقابلة ما ياخذه منهم وله وكيل عنه مستأمن في دارنا يقيم في البلاد السواحل الاسلاميه باذن السلطان يقبض من التجار مال السوكره واذا هلك من مالهم في البحر شيء يؤدي ذالك المستامن للتجار بدله تماما (رد المحتار باب المستامن ص: ۲۴۵ ج: ۳)

اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا جس کے بارے میں آج کل کثرت سے سوالات کئے جا رہے ہیں کہ اب طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی[۱] سے کوئی بحری جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندہ کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ رقم اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کے آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ وغیرہ ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہوگا اور رقم کو "سوکرہ" (بیمہ کی رقم) کہا جاتا ہے۔ اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن[۲] کر رہتا ہے جو تاجروں سے بیمہ کی رقوم وصول کرتا ہے اور مال کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں تاجروں کا پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔

واضح ہو علامہ موصوف کے فتوے کو تو ہم بعد میں ذکر کریں گے لیکن عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ بیمہ بحری کو اس زمانہ میں اچھا خاصہ فروغ ہو چکا تھا۔ یورپی ملکوں سے جو جہاز کرایہ پر لئے جاتے تھے ان کا لازمی طور پر بیمہ کرایا جاتا تھا۔ بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترکی حکومت میں جاری تھا، بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ ترکی کی بندرگاہوں پر باضابطہ سلطانی اجازت کے بعد مقیم تھے اور انہوں نے اپنے دفاتر قائم کر لئے تھے یہاں تک کہ علمائے وقت کے پاس اس بارے میں کثرت سے سوالات آنے لگے۔ کتب فتاویٰ[۳] میں ردالمحتار غالباً پہلی کتاب ہے۔ جس میں بیمہ کے بارے میں تفصیل سے جواب دیا گیا ہو۔

بیمہ کی ابتداء جس جذبہ کے تحت ہوئی اور جس طرح وہ ارتقاء کے مختلف ادوار سے گذرا وہ سب کے سامنے ہے لیکن اس کا انجام بقول جلیل استاذ ابو زہرہ کے الفاظ میں

---

(۱) دارالحرب کا باشندہ۔ (۲) مستامن وہ دارالحرب کا باشندہ جو معاہدانہ اجازت کے بعد دارالحرب سے دارالاسلام میں آیا ہو یا وہ دارالاسلام کا باشندہ جو دارالاسلام سے تجارت وغیرہ کے لئے دارالحرب گیا ہو۔

(۳) بعد کے فتاویٰ میں امداد الفتاویٰ حضرت تھانوی اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی بیمہ کے سلسلہ میں روایات درج کئے گئے ہیں

قابل ملاحظہ ہے۔

> اگرچہ اس کی اصلیت تو تعاون محض تھی لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا کہ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد "تعاون علی البر والتقویٰ" پر تھی اسے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں پائے جاتے ہیں۔ (لواء الاسلام بحوالہ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۱۹۶۰ء)

بیمہ کے سلسلے میں ہندو پاک میں اجتماعی رائے حاصل کرنے کی باقاعدہ کوشش تو یہی نظر آتی ہے، جو مجلس "تحقیقات شرعیہ" ندوۃ العلماء لکھنؤ نے شروع کی ہے۔ لیکن مصر و شام میں اس پر علمی بحثیں مدت سے جاری ہیں۔ وہاں بیمہ کے نظام کو سمجھانے کے لئے کئی کتابیں (۱) بھی لکھی جا چکی ہیں۔

مصر میں تین چار سال قبل مسائل جدیدہ پر غور و فکر کرنے کے لئے ایک مجلس ترتیب دی گئی، جس میں استاذ ابو زہرہ، استاذ خلاف اور دیگر علماء شریک ہوئے۔ اس کے پہلے جلسہ میں جو مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا، بیمہ کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ اس جلسہ کی پوری روئیداد مجلہ لواء الاسلام قاہرہ میں چھپی تھی (۲)، پھر شام کے مشہور فاضل مصطفیٰ الزرقاء نے مجلہ حضارۃ الاسلام (دمشق) کے صفحات پر "عقد التامین و موقف الشریعۃ" کے عنوان سے بحث چھیڑی اور علماء کو دعوت دی کہ وہ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں۔ چنانچہ استاذ ابو زہرہ نے استاذ الزرقاء کے جواب میں نہایت مدلل مقالہ سپرد قلم فرمایا۔

---

(۱) ڈاکٹر محمد علی عرفہ کی "عقد التامین" اور ڈاکٹر سعد واصف کی "التامین من المسئولیۃ" خاص کتابیں ہیں، شام کے مشہور فاضل اور "المدخل الفقہی العام" کے مصنف مصطفیٰ الزرقاء نے نظام بیمہ کے سمجھنے کے لئے ان ہی دو کتابوں کو مدار بنایا ہے۔

(۲) اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۱۹۶۰ء میں دیکھا جا سکتا ہے۔

استاذ الزرقاء کے مضمون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء مصر و شام اس مسئلہ میں مختلف الخیال ہیں۔ اگرچہ اکثریت کا یہی خیال ہے، کہ بیمہ ناجائز ہے۔ اور جب تک کہ بیمہ کے موجودہ نظام کو تبدیل نہ کیا جائے، مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں۔ مختلف الخیال حضرات کی آراء اور ان کے دلائل کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

ایک مختصر سی تعداد کا خیال ہے کہ ہر قسم کا بیمہ جائز ہے۔ یہ حضرات بیمہ کے موجودہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی حلت اور جواز کے قائل ہیں۔

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(الف) بیمہ امداد باہمی کی ایک شکل ہے تعاون اور امداد باہمی اسلامی حکم ہے۔

(ب) جس طرح بیع بالوفاء کو گوارا کر لیا، اسی طرح اس کو بھی گوارا کر لیا جائے۔

(ج) بیمہ کمپنی ضرورت مندوں کو جو قرض دیتی ہے، اور اس پر جو سود لگاتی ہے یا بیمہ دار کو اصل مع منافع دیا جاتا ہے وہ شرعی ربوا (سود) نہیں ہے۔

دوسرا گروہ جس کی قیادت استاذ الزرقاء کے ہاتھ میں ہے اس کا خیال ہے کہ غیر سودی بیمہ جائز ہے بیمہ میں اگر قباحت ہے تو وہ سود ہے۔ اس کو ختم کرنے کے بعد بیمہ کی ہمہ اقسام جائز ہیں۔ ان حضرات کے دلائل کا تجزیہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

(الف) عقد موالاۃ پر قیاس (۱)۔ کہ اس میں ایک غیر شخص دیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میراث کا حصہ دار ہو جاتا ہے اسی طرح بیمہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔

(۱) اس سلسلہ میں شیخ الزرقاء نے احمد طہ السنوسی کے مضمون کی بڑی تعریف کی ہے، جو مجلہ الازہر ۱۳۷۳ھ جلد ۲۵ میں چھپا تھا۔

(ب) "ودیعۃ باجر[۱]" اور مسئلہ "ضمان خطر الطریق[۲]" میں بیمہ کی بعض صورتوں کو داخل کیا جا سکتا ہے۔

(ج) مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے بدوں کسی عقد کے تو وہ وعدہ لازم ہو جاتا ہے۔ اور نقصان کی صورت میں وعدہ کرنے پر معاوضہ نقصان ضروری ہوتا ہے۔[۳]

تیسرا گروہ جس کی قیادت استاذ ابوزہرہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا قائل ہے کہ بیمہ مطلقاً ناجائز ہے۔ خلاصہ دلائل یہ ہے۔

(۱) بیمہ اپنی اصل وضع میں یا تو قمار ہے، جب کہ مدت مقررہ کے اختتام کے قبل ہی بیمہ دار کی موت واقع ہو جائے۔ یا ربوا ہے، جب کہ کل اقساط کی ادائیگی کے بعد بیمہ دار بیمہ شدہ رقم مع منافع حاصل کرے۔ قمار اور ربوا دونوں حرام ہیں۔

(۲) بیمہ میں صفقتان فی صفقۃ[۴] پایا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت نص حدیث سے ثابت ہے، اور اس کی ممانعت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے۔

(۳) بیمہ سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیمہ دار کے نامزد کردہ

---

(۱) ودیعہ باجر کی صورت یہ ہے کہ اپنے مال کو کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھا جائے اور حفاظت اجرت کی اجرت مقرر کر دی جائے اس صورت میں اگر مال ضائع ہو جائے تو امین ضامن ہوتا ہے اور نقصان کا معاوضہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

(۲) اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے اگر راستہ قابل اطمینان نہ ہوا اور تمہارا مال لوٹ لیا گیا تو میں ضامن ہوں، راستہ میں مال لوٹ لیا گیا تو وہ مال کا ضامن ہوگا اور تلافی نقصان کرے گا۔

(۳) یہ مسئلہ مالکیہ کے نزدیک بھی اتفاقی نہیں ہے مالکیہ کے اس میں تین قول ہیں ایک قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ فتح العلی المالک ص: ۲۵۵ ج: ۱۔

(۴) یعنی ایک معاملہ کے ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کر دیا جائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ باب الکفالۃ میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابلِ اطمینان ہے۔ شخص مذکور نے راستہ پر سفر کیا۔ سفر میں مال ضائع ہوگیا۔ تو اطمینان دلانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اس نے ضمانت کے الفاظ بولے۔ اور کہا کہ تیرا مال چھننے کی صورت میں ضامن ہوں، راستہ میں مال چھین لیا گیا تو ضمانت دینے والا نقصان کا معاوضہ دے گا، شارح یعنی صاحب درمختار (۱) نے دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح کیا ہے، کہ دوسرے مسئلہ میں ضمانت کے الفاظ صراحتاً پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ "انا ضامن" (میں ضامن ہوں) لفظوں میں موجود ہے۔ اور پہلے مسئلہ میں اس طرح نہیں ہے۔ جامع الفصولین (۲) میں وجہ فرق اس طرح بیان کیا ہے۔

کلیہ قاعدہ یہ ہے، کہ غرر (۳) میں آنے والا غرر دینے والے سے ضمان اس وقت لے گا، جب کہ غرر کسی معاوضہ کے ضمن میں پایا جائے۔ یا دھوکہ دینے والا دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے حق میں صفت سلامتی کا ضامن ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی چکی والے کے پاس گیہوں

---

(۱) تنویر الابصار ایک متن ہے جو شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمرتاشی کی تصنیف ہے اس کی شرح شیخ محمد بن علی بن محمد الحصکفی نے پہلے تو خزائن الاسرار وبدائع الافکار کے نام سے تالیف فرمائی جو الباب الوتر تک دس ضخیم جلدوں میں پہنچی تھی، یہ شرح ناتمام رہی، پھر دوسری شرح الدر المختار کے نام سے تالیف فرمائی، اس شرح کا حاشیہ علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار کے نام سے تحریر کیا جو علماء کے درمیان متداول ومعروف ہے۔

(۲) اس کے مؤلف شیخ بدر الدین محمود بن اسمٰعیل ہیں، جو "قاضی ساوہ" کے نام سے مشہور ہیں یہ کتاب صرف معاملات میں ہے۔

(۳) غرر، غرر کے متعلق ہیں کسی کو دھوکہ دینا اور غلط طریقے سے اس کو طمع میں ڈالنا دھوکہ دینے والے کو غار اور دھوکہ کھائے ہوئے کو مغرور کہتے ہیں غرر کی دو صورتیں ہیں (۱) غرر قولی یعنی زبان سے معاملہ میں دھوکہ دے مثلاً بکری دو سیر دودھ دیتی ہے اور وہ ناقابلِ دیتی ہو (۲) غرر فعلی یعنی فعل سے دھوکہ دینا جیسے گیہوں فروخت کرنے والا خراب گیہوں نیچے کر دے اور اچھے گیہوں اوپر کر دے واضح رہے کہ غرر خطر کے معنی میں بھی فقہ کی زبان میں بولا جاتا ہے یعنی ملک کو ایسی چیز پر موقوف کرنا جس کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو جس طرح کہ قمار (جوا) میں ہوتا ہے قمار کی علت غرر اور خطر فقہ کی زبان میں بتائی جاتی ہے۔

پیسانے کے لئے لایا، چکی والے نے اس سے کہا کہ اس برتن میں ڈالدو، اتفاق سے برتن میں سوراخ تھا، اور چکی والا اس سے واقف بھی تھا۔ جب بھی اس نے گیہوں برتن میں ڈالنے کے لئے کہہ دیا۔ گیہوں سب ضائع ہو گئے چکی کا مالک نقصان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے عقد اجارہ کے ذیل میں دھوکہ دیا۔ حالانکہ معاملہ کا تقاضا یہ تھا کہ مال کی حفاظت رہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں قید ضروری ہے، کہ دھوکہ دینے والا نقصان سے واقف ہو۔ اور دوسرا شخص اس سے واقف نہ ہو .... اب ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنی کا مقصد تاجروں کو دھوکہ دینا نہیں ہوتا، اور نہ ان کو جہاز کے ڈوب جانے یا آگ لگنے وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ رہا عام خطرہ تو وہ تاجر اور بیمہ کمپنی دونوں کو ہوتا ہے۔ کیونکہ تاجر بیمہ کراتے ہی اس وقت ہیں، جب ان کو خطرہ ہو، اور ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینے کی طمع ہو۔ لہذا بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا[1] البتہ اگر مسلمان تاجر کا کوئی حربی شریک ہو، اور وہ دارالحرب میں بیمہ کمپنی سے معاملہ طے کرے، اور وہاں ہلاک ہونے کی صورت میں معاوضہ کی رقم میں کچھ مسلمان تاجر کا بھی حصہ لگے تو یہ رقم مسلمان کے لئے حلال ہے۔ کیونکہ "عقد فاسد" دارالحرب میں رہنے والے دو شخصوں کے درمیان ہوا ہے، اور دارالحرب والوں کا مال ان کی رضامندی سے مسلمانوں کو پہنچا ہے۔ لہذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ مسلمان تاجر دارالحرب میں ہوتا ہے، اور وہاں ان کے سامنے یہ معاملہ طے کرتا ہے، اور معاوضہ دارالاسلام میں لیتا ہے۔ کبھی اس کے برعکس بھی صورت ہوتی ہے۔ یعنی معاملہ دارالاسلام میں طے ہوا، اور وصولی دارالحرب میں ہوئی۔ پہلی صورت میں معاوضہ لینا جائز ہے۔ کیونکہ دارالحرب میں طے کیا ہوا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ حربی کا مال اس کی خوشی سے لیا گیا ہے، اس لئے جائز ہے۔ دوسری صورت میں عقد چونکہ دارالاسلام میں قرار پایا ہے، اس لئے عقد پر فساد کا حکم لگایا جائے گا، اور معاوضہ لینا ناجائز تصور ہوگا۔

---

(1) علامہ شامی کے زمانہ میں موجودہ بیمہ نہیں ہوتا تھا اس لئے درست بحث نہیں کی ہے۔

جواب کی طرف

اب ہم اصل سوالنامہ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم اپنے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصہ کا تعلق نظام بیمہ کی اصلاح سے ہے۔ اس طرح کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو جائے۔ تعاون علی الخیر کا یہ نظام جو اب قمار (جوا) اور ربوا کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو کر ان لوگوں کے لئے قابل قبول ہو۔ جو اپنے معاملات کو اسلام کی ہدایت اور روشنی سے درخشاں رکھنا چاہتے ہیں۔

بعض اسلامی ملکوں میں اب اس قسم کی فکر ہو رہی ہے، کہ سودی نظام سے جس نے ہماری معاشی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، اور جس نے قوم کی اجتماعی دولت کو گھن کی طرح کھا لیا ہے، گلو خلاصی کی کوئی صورت نکلے۔ اسی طرح بیمہ کی اصلاح اور اس کو صحیح خطوط پر لانے کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے، اور ضرورت ہے کہ اقتصادیات کے منتخب ماہرین اور ارباب بصیرت علماء ساتھ بیٹھ کر حلال اور حرام کی حدیں پیش نظر رکھ کر بیمہ کاری کا ایسا نظام دریافت کریں، جس میں شریعت محمدیہ سے سر مو تجاوز نہ ہو۔ عام مسلمانوں سے بھی ہماری گذارش ہے، کہ وہ اپنی حکومتوں پر جو اسلام کا نام لیتی ہیں زور دیں۔ اور ان پر اجتماعی وزن ڈالیں کہ وہ ان کو سود اور قمار کی لعنت سے نجات دلائیں۔ ان سے صاف صاف کہہ دیا جائے، کہ اس یہودی نظام نے ہماری دنیا بھی خراب کر رکھی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے برعکس یہ طریق کار صحیح نہیں ہے کہ صرف ماہرین شریعت کی طرف رجوع کر کے ان سے کہا جائے، کہ بیمہ کو حلال کر دیں یا ضرورت و مجبوری کے نام پر کوئی حیلہ نکالیں۔

ان علماء کا کردار بھی قابل مذمت ہے، جو یورپ کے ماہر اقتصادی نظام کی چند خوبیاں یا خوشنما پہلوؤں کو دیکھ کر جواز اور حلت کا فتویٰ دینے میں نہایت جری ہیں۔ ان حضرات کو قرآن حکیم کی آیت کریمہ ذیل پیش نظر رکھنا چاہئے۔

هو الزيادة في الدين

وہ قرض میں زیادتی ہے۔(۱)

ربوا کے بارے میں احادیث نبویہ کا حاصل یہی ہے۔ کہ ربوا صرف روپے کے لین دین تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ربوا کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں داخل ہیں۔ حتیٰ کہ ان صورتوں کو بھی حرام کر دیا گیا، جن میں ادھار نہیں ہے۔ بلکہ نقد معاملہ ہے۔ مثلاً ایک تولہ چاندی دے کر دو تولہ چاندی دیدے، یا ایک من نقد گیہوں دے کر اس کے معاوضہ میں دو من گیہوں نقد لے لے(۲)۔ الغرض حدیث پاک نے ربوا کے ریشے بھی اسلام کے معاشی نظام سے نکال کر پھینک دیئے تاکہ اسلامی معاشرہ اس نجاست سے بالکل صاف و پاک ہو جائے۔

فقہ حدیث کی شرح ہے جس طرح حدیث قرآن کریم کی۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے ان ہی صورتوں کی تفصیلات مرتب کی ہیں، جو حدیث میں بیان کی گئی تھیں اس لئے فقہ کی کتابوں میں سود کے مباحث دیکھ کر بعض نام نہاد علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن نے جس سود کو حرام کیا ہے، وہ قرض والا سود نہیں ہے، بلکہ خرید و فروخت کی چند نادر شکلوں میں سود پایا جاتا ہے، جو ایام جاہلیت میں مروج نہیں، اور جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔

بعض نے "تعاونوا على البر والتقوى" اور "لا يظلمون ولا يظلمون(۳)"

---

(۱) دین کا ترجمہ قرض کے ساتھ نامکمل سا ہے کیونکہ دین، ثبت فی الذمہ (جو بھی انسان کے ذمہ ہو جائے اس) کو کہتے ہیں اس میں بدل قرض، ثمن مبیع وغیرہ سب شامل ہیں شریعت کی اس اصطلاح کے نہ جاننے سے بھی لوگ عجیب قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک من عمدہ گیہوں دے کر دو من خراب گیہوں لے لے یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اموال ربویہ (یعنی جو اموال میں ربوا ہوتا ہے انکی برابری ضروری ہے خواہ صفت میں تفاوت کیوں نہ ہو۔

(۳) دیکھئے فتاوی ۲۹ توے ص: ۳۵۰،۳۵۱

اس قسم کی عمومی آیات سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حضرات ربوٰا اور میسر (جوے) کی آیات کو بالکل بھول گئے ہیں۔ دلائل خصوص کے ہوتے ہوئے دلائل عموم سے سہارا لینا قابل تعجب ہے۔

بیمہ کس لئے

شروع میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ بیمہ کی ابتدا نہایت سادہ تھی۔ اور اس کا مقصد بھی صرف یہی تھا، کہ نقصان زدہ تاجروں کو مالی امداد دی جائے یا اس طرح کہہ لیجئے، کہ ایک فرد کی مصیبت کے بار کو بہت سے افراد پر پھیلا دیا جائے۔ اس طرح کہ ہر ایک کو ایک خفیف سی قربانی دینا پڑے۔ لیکن اس قربانی کے عوض جملہ افراد کو مصیبت و آفت کے وقت تعاون حاصل ہو۔ تعاون علی الخیر کا یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے قرآن کریم نے اس جذبہ کو متعدد آیات میں ابھارا ہے۔ اور حدیث نبوی میں اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

بیمہ کرانے والے شخص کے پیش نظر دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیوی بچوں کو تکلیف اٹھانا نہ پڑے۔ اس مقصد کو بھی ہم اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ تعلیم نبوی اس کو صحیح اور بہتر قرار دے رہی ہے۔ سرور کائنات ﷺ ایک صحابی سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس۔"

"تمہارا اپنے ورثہ کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے، کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

"ان امرکن مما یھمنی من بعدی"

(مشکوۃ المصابیح ص: ۵۶۷ ج ۲)

"تمہارے معاملے نے مجھ کو فکر میں ڈال رکھا ہے، کہ تمہاری گذر میرے بعد کیونکر ہوگی۔ (یعنی میں نے کوئی میراث نہیں چھوڑی ہے اور تم نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے)۔"

اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیوی بچوں کی فکر ایک فطری داعیہ ہے، اس لئے اسلام نے ان کو ختم نہیں کیا، بلکہ اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ فطری اور جبلی دواعی کو ختم نہیں کرتا، بلکہ ان کے لئے مناسب اور جائز راہیں تجویز کرتا ہے۔

بیمہ کا شرعی حل

طالب بیمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔ (۱) اس کا سرمایہ محفوظ رہے۔ (۲) اضافہ مال بذریعہ سود یا تجارت۔ (۳) حوادث کی صورت میں مالی معاونت، موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں، جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے حوادث سے بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔ (۴) پسماندگان کی مالی امداد۔

اب ان کا ترتیب وار حل درج ہے۔

۱۔۲۔۔ ان دونوں باتوں کا حل یہی ہے کہ غیر سودی بینک جاری کئے جائیں۔ جن کی اساس شرکت[۱] اور مضاربت[۲] پر قائم کی جائے۔ اس طرح سرمایہ کی حفاظت بھی ہو گی اور مال میں بھی جائز طریقوں سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ سود کے معاشی نظام کا جس شخص نے بطور مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام "ارتکاز دولت" کا حامی

(۱) سرمایہ اور کام مشترک ہو اس کو شرکت کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۲) ایک کا سرمایہ دوسرے کا کام ہو یہ مضاربت کہلاتا ہے تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

ممکن ہے کہ روپیہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور بدون تجارت اس سے منافع حاصل کیا جانے۔ روپیہ سے روپیہ حاصل کرنا اسلام کے نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ سرمایہ میں جو لوگ اضافہ چاہتے ہیں، ان کیلئے تجارت کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے۔ تجارت سے سرمایہ دار کا بھی فائدہ ہے کہ سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور زکوۃ دولت کو ختم نہیں کرے گی اور ملک وقوم کا بھی فائدہ ہے کہ تجارت کو فروغ ہوگا۔ سرمایہ تجوریوں سے نکل کر منڈیوں اور بازاروں میں پہنچے گا۔ صنعت اور انڈسٹری کی کثرت ہوگی۔ مزدوروں اور مفلس پیشہ لوگوں کو کام ملے گا۔ واضح رہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام کی بنیاد زکوۃ پر رکھتا ہے، برخلاف سرمایہ دارانہ نظام کے کہ وہاں سود پر چلنے کی بنیاد رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے اسلام کے معاشی نظام کو مختصر سے مختصر لفظوں میں اس طرح سمجھایا ہے۔

"کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء" (الحشر پ ۲۸)

"تا کہ دولت نہ سمٹ کر صرف دولت مندوں کے قبضہ میں رہے"

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو مصارف اس سے پہلے مصارف بتلائے گئے ہیں ان کے بتلانے میں یہ بھید ہے کہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں۔ یہ اموال محض چند دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں۔ جس سے صرف سرمایہ دار اپنی تجوریوں کو بھرتے رہیں اور غریب فاقوں سے مریں۔

غیر سودی بینک کا اجراء[1] کوئی محض تخیلی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جس کو بڑی آسانی سے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ یورپ کی ذہنی غلامی نے دماغوں پر یہ عقیدہ مسلط کر دیا ہے کہ سود کے بغیر معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے

(۱) [illegible] صاحب [illegible] ... غیر سودی بینک ... [illegible] ... کامیابی ہوئی تھی۔

کہ آج بھی کچھ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ بلکہ ان کی معاشی حالت سودی نظام اور بینکنگ کا سارا کاروبار موجود نہیں ہے۔ اور باایں ہمہ وہ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ بلکہ ان کی معاشی حالت سودی ملکوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر کچھ اسلامی حکومتیں ہمت کر کے سود کے اس نظام سے نجات حاصل کر لیں تو بین الاقوامی طور پر بھی اس کا اثر ہو، بینک آف انگلینڈ قسم کے بین الاقوامی بینک ان ملکوں کو غیر سودی کاروبار کی سہولتیں مہیا کریں، اور لوگوں کا یہ عذر کہ ہم سود کے بغیر بین الممالک تجارت کس طرح کر سکتے ہیں ختم ہو جائے۔

۳:... ''دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے۔'' یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا، اور اب تو ایک حقیقت بن چکا ہے، جس سے انکار نا ممکن ہے۔ روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک ایک بھلا چنگا آدمی ہاتھ پیروں سے صحیح و سالم تھا، آج اچانک کسی حادثے کی زد میں آگیا اور اپاہج ہو کر رہ گیا۔ اس اپاہج انسان کے ساتھ اس کا خاندان بھی مصائب و حوادث کا شکار ہے۔ نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا رہا۔ اسی طرح ایک بڑا صنعت کار جو کل تک ایک بڑی انڈسٹری کا مالک تھا۔ اچانک کارخانہ میں آگ لگ گئی مشینری اور سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ اور وہ اب نان جویں کو بھی محتاج ہے۔ پھر ہر روز بسوں، موٹروں کے حادثے ہماری زندگی کا روزمرہ بن چکے ہیں۔ آخر ان نقصانات کی تلافی کس طرح ہو اور اس کا حل شریعت اسلامی میں کیا ہے؟

اس کا حل یہی ہے کہ امداد باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ارباب خیر اور مالداروں سے عطیات وصول اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں ان اداروں کا کام یہ ہو، کہ وہ تحقیق حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں۔ اس سلسلہ میں عام ادارے بھی بنائے جا سکتے ہیں اور خاص بھی۔ خاص کی یہ صورت ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں، صنعت کار اپنا الگ۔ اسلامی حکومت اگر اس سلسلہ میں جبر کرنا چاہے تو جبر بھی کر سکتی ہے۔ کیونکہ حکومت

کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رضا یا جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے۔

"فان نابتهم نائبة مما يكون حقا ككري النهر المشترك واجر الحارس والموظف لتجهيز الجيش وفداء الاسارى وغيرها جازت الكفالة بها على الاتفاق."

(ہدایہ باب الکفالۃ ص ۱۰۹ ج ۳)

"اگر اس سے وہ ٹیکس مراد ہیں جو جائز و حق ہیں، جیسے مشترک نہر کو کھودنا، چوکیدار کی تنخواہ یا فوج کا انتظام کرنے والوں کی تنخواہ جب یہ لازمی ہو جائے، یا قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کے لئے عطیات، تو اتفاقاً ان کی کفالت کی جا سکتی ہے۔

"[illegible]" سے مقصود ہے۔ یہ بھی تو اسلامی تعاون کا اصول ہے۔ ان تعاونی اداروں کے علاوہ دوسرا اقدام یہ ہو کہ معاقل کے شرعی نظام کو پھر سے اسلامی معاشرہ میں جاری کیا جائے۔

معاقل

"معاقل" معقلہ کی جمع ہے، خون بہا کو کہتے ہیں۔ عقل کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ دیت کے ذریعہ سے دونوں کی باہمی عداوت میں جانیں ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے خون بہا کو عقل کہتے ہیں اور عاقلہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو قاتل کی طرف سے اجتماعی طور پر خون بہا ادا کرتی ہے۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا تو ایک تحریری دستاویز تحریر فرمائی جس میں دونوں کو ایک جماعت قرار دے کر دیت اور نقصانات کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالی۔

محدث ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

"کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا بین المھاجرین والانصار ان یعقلوا معاقلھم وان یفدوا عانیھم بالمعروف والاصلاح۔" (نصب الرایہ للزیلعی ج:۴)

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے لئے ایک تحریر لکھوائی جس میں یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اور اگر کوئی قید ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کریں گے قاعدہ قانون اور اصلاح باہمی کے طریق پر۔"

قبائلی سسٹم میں قبیلہ عاقلہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دواوین کو ترتیب دیا تو اھل الدیوان عاقلہ قرار پائے پیشوں کی بنیاد پر بھی ایک پیشہ والوں یعنی برادری کو عاقلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

"ولھذا قالوا لو کان الیوم قوم تناصرھم بالحرف فعاقلتھم اھل الحرفۃ۔" (ہدایہ کتاب المعاقل ص ۶۱۲ ج:۴)

"اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر آج کل تناصر (اعانت باہمی) پیشوں کے طریق پر رائج ہوتا ہو، تو ایک پیشہ میں منسلک افراد برادری عاقلہ قرار دیئے جائیں گے۔"

عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنے کی غرض وغایت اور اس کی حکمت امام سرخسیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنا عقلی طور پر یوں سمجھئے۔

"قاتل جب فعل قتل کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس اقدام میں خارجی قوت وطاقت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی پاداش میں جب میں پکڑا جاؤں گا تو میرے حمایتی (قبیلہ یا برادری) میری مدد کو پہنچیں گے۔ اب حمایت ونصرت کے چند اسباب ہوتے ہیں کسی کیا اہل دیوان

کی کبھی یہ حالت ہوتی ہے، کبھی قبیلوں اور خاندان والوں کی حمایت پر ہوتی
ہے، کبھی محلے اور پیشوں کی بنا پر ہوتی ہے۔ چونکہ قاتل ضرورت کے
وقت ان سے ہی قوت و حمایت حاصل کرتا ہے اس لئے خون بہا بھی
ان ہی پر لگایا جائے گا تاکہ یہ لوگ اپنے میں سے نا سمجھ اور بے وقوف
لوگوں کو اس قسم کی حماقتوں سے روکیں۔ خون بہا کا مال بھی کافی مقدار
میں ہوتا ہے، اس لئے سب پر ڈالنے سے وصول میں بھی آسانی ہو جاتی
ہے۔ ہر ایک شخص ادا بھی اس خیال سے کرے گا کہ اگر مجھ سے بھی
اس قسم کا فعل سرزد ہو گیا تو یہی لوگ میرا خون بہا ادا کر دیں گے۔"

(المبسوط للسرخسی ص ۱۲۶ ج ۲۶)

اسی طرح اگر کسی مقام پر کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو وہاں کی آبادی از روئے شرع اجتماعی طور پر اس کا خون بہا ادا کرتی ہے۔

لہٰذا ان مسائل کی روشنی میں ایسا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے کہ حادثات کی صورت میں ہر پیشہ کا عاقلہ (برادری یا یونین) خون بہا ادا کرے۔ مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالک ایک عاقلہ قرار دیئے جائیں کہ کسی کی بس سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو ان کی انجمن اور یونین نقصان کی ذمہ دار ہو۔ اس سلسلہ کو دوسرے پیشوں اور حرفوں تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔ اور ان کے قواعد و ضوابط بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر ذمہ داری ڈالنا یقیناً ان حوادث میں کمی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ جب کہ حوادث میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اور دن بدن ہو رہا ہے۔ اور اب تو انشورنس کے انتظام کی وجہ سے یہ عالم ہو گیا ہے، کہ لوگ خود اپنی موٹروں، بسوں، ٹرکوں کو حادثہ کا شکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ اس طریقہ سے بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کی جائے۔ رہی قانونی گرفت تو اس سے بچنے کی راہیں تو ملک کے نام نہاد قوانین اور پیچیدگیوں، دشواریوں نے بڑی حد تک ہموار کر دی ہیں۔

۴۔ چوتھا مقصد بیمہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ اس کے ذریعہ پسماندگان کی مالی

امداد بڑی حد تک ہو جاتی ہے۔ لوگ بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کسمپرسی کے عالم میں مبتلا نہ ہو۔ اس مقصد کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر کسی جگہ اسلامی نظام معیشت کی ترویج صحیح معنی میں ہو تو کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لئے خوف زدہ نہیں رہ سکتا کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد مصیبتوں کی شکار ہوگی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسلام کے دستور مملکت میں یہ دفعہ بھی شامل ہے۔

"حدثنا محمود قال اخبرنا اسرائيل عن ابی حصين عن ابی صالح عن ابی هريرة ؓ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم انا اولی بالمؤمنين من انفسهم فمن مات وترک مالاً فماله لموالی العصبة ومن ترک کلاً او ضياعاً فلادع له." (بخاری ص ۹۹۹ ج:۲)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مؤمنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال تو اس کے عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑے تو مجھے اس کے لئے بلایا جائے۔"

نہ صرف شخص متوفی کے پسماندگان کی مالی امداد اسلامی حکومت کے ذمہ ہے بلکہ اگر اس پر کسی کا قرض بھی ہو تو اس کو بار آخرت سے سبکدوش کرانا اور قرض خواہ کو اس کا حق دلوانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"فمن مات وعليه دين ولم يترک وفاءً فعلی قضاءه."

(سنن ابی داؤد و مسند احمد)

"پس جس شخص نے انتقال کے بعد قرض چھوڑا اور اس کی ادائیگی کا کوئی سامان نہیں ہے تو میرے ذمہ اس کی ادائیگی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ساتھ عام ناداروں اور غریبوں کی کفالت بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت قرض لے کر ناداروں اور غریبوں کی دادرسی فرمائی۔ اور ان کو ننگا بھوکا نہیں رہنے دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد رسالت میں اس ادارہ کے نگران تھے۔ ابوداؤد اور بیہقی نے بلال کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے۔

"وكنت انا الذي الي ذلك عنه منذ بعثه الله الي حين توفي وكان عليه السلام اذا اتاه الانسان مسلماً يراه عاريا يامرني فانطلق فاستقرض فاشتري له البردة فاكسوه واطعمه." (التراتیب الاداریہ)

"اور میں ہی آپ کی بعثت سے لے کر وفات تک اس کا نگران تھا آپ کے پاس اگر کوئی مسلمان ننگا بھوکا آجاتا تھا تو آپ مجھے حکم دیتے تھے میں جا کر کسی سے قرض لیتا تھا پھر اس رقم سے اس کے لئے کپڑے اور کھانے کا انتظام کرتا تھا۔"

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت تھی۔

"انفق بلالاً ولاتخش من ذي العرش اقلالاً."

(الاشراف لابن المنذر بحوالہ التراتیب الاداریہ ص:۳۳۲ ج:۱)

"بلال! خوب خرچ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تنگدستی سے نہ ڈرا کرو۔"

غلاموں کے اوپر خرچ کرنے میں اگر کسی آقا سے کوئی کوتاہی ہو جاتی تھی تو ان کے اخراجات بھی اسی ادارہ کے ذمہ ہوتے تھے۔ مروان بن قیس دوسی کے حالات میں مروی ہے کہ ان کے اخراجات پورا کرنے میں ہمیشہ بخل سے کام لیتے تھے ان دونوں نے بارگاہ

رسالت میں شکایت کی۔ شکایت سننے پر حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا:

" فأمر بلالاً أن یقوم بنفقتهما"

(الاصابۃ: ترجمہ مروان بن قیس دوسی)

"بلال کو حکم دیا کہ ان دونوں کے نفقہ کا انتظام کریں۔"

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے، کہ ایک شخص کے پاس مال وغیرہ سب کچھ ہے، لیکن اس کے بچے چھوٹے ہیں، ڈرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد مال متروکہ کو صحیح طریقہ پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ مال کی نگرانی اور اس کی حفاظت میں دشواریاں ہوں گی۔ اس لئے اپنے مال کو بیمہ کمپنی کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ مال نقصان سے محفوظ رہے اور بچوں کی ضرورت (تعلیم شادی وغیرہ) کے موقع پر ان کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔ اس صورت کا حل "وصایۃ" کے نظم میں موجود ہے۔ یعنی اس شخص کو چاہئے کہ کسی کو اپنا وصی مقرر کر جائے۔ "وصی" کے باضابطہ فرائض ہیں۔ اور وہ ان کے لئے مسئول ہے۔ جس کو فقہی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اجمالی فرائض کا نقشہ ہدایہ میں اس طرح دیا گیا ہے۔

" شراء كفن الميت وتجهيزه وطعام الصغار وكسوتهم ورد الوديعة ورد المغصوب والمشترى شراء فاسداً وحفظ الأموال وقضاء الديون وتنفيذ الوصية والخصومة في حق الميت وقبول الهبة وبيع ما يخشى عليه التوى والتلف وجمع الأموال الضائعة."

(ہدایہ ص:۶۷۹ ج:۵)

" میت کے کفن کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین چھوٹے نابالغ بچوں کے خورد و نوش اور کپڑوں کا انتظام امانت اور غصب کئے ہوئے اموال کی اور بیع فاسد سے خریدے مال کی واپسی، مال و جائیداد کی حفاظت قرضوں کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ کے انتظامات، مرنے

والے کے کسی حق کے لئے نالش کرنا، ہبہ قبول کرنا، جن چیزوں کے خراب ہونے کا ڈر ہو، ان کو فروخت کرنا، گمشدہ اموال کی واپسی کی کوشش کرنا۔"

وصایت کے نظم پر عہد رسالت اور دور صحابہؓ میں برابر عمل ہوتا رہا، چنانچہ جعفرؓ بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی وصایت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے فرمایا:

"انا ولیھم فی الدنیا والآخرۃ."

"میں دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا سرپرست ہوں۔"

اور صاحب سمط الجوہر الفاخر نے ایسے متعدد یتیم بچوں کے نام گنائے ہیں جن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصی تھے جن میں سے تین کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱.....محمد بن عبداللہ بن جحشؓ: انکے والد ماجد غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے شہادت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصی مقرر فرمایا۔ آپ نے ان کے لئے خیبر میں زمین خریدی، جس سے ان کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ اور مدینہ منورہ کے سوق الرقیق میں ایک گھر بطور عطیہ دیا، جس میں ان کی رہائش تھی۔

۲.....ام حبیب بنت سہیلؓ: ان کے والد سعد بن زرارہؓ نے آپ کو وصی مقرر کیا تھا۔

۳.....قبیلہ بنی لیث بن بکر کی ایک بچی: اس کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصی تھے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بار وصایت کے اٹھانے میں بڑے مشہور تھے، چنانچہ ان کو سات جلیل القدر صحابہ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، مقداد بن الاسودؓ، ابن مسعودؓ، زبیر بن بکارؓ، مطیع بن الاسودؓ، ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہم نے وصی مقرر کیا تھا۔

(اسد الغابہ، والاصابہ تذکرہ حضرت زبیر)

ابو عبداللہ المسعودی نے سات کے بجائے ستر کا ذکر کیا ہے، چنانچہ کہا ہے:

"واصى اليه سبعون من الصحابة بأموالهم وأولادهم فحفظها وكان ينفق عليهم من ماله."

(شرح تحریر بحوالہ التراتیب الادار یہ)

"ستر صحابہ نے ان کو اپنے اموال واولاد کا نگران مقرر کیا تھا حضرت زبیر ان پر اپنا مال بھی خرچ کر دیا کرتے تھے۔"

اگر کسی نے وصی مقرر نہیں کیا ہو تو اس کے اموال کی حفاظت اور اولاد کی صیانت کے لئے حاکم کو حق دیا گیا ہے کہ وہ وصی مقرر کر دے، ورنہ بیت المال میں ان کے اموال جمع کرے اور حسب ضرورت خرچ کرتا رہے۔

جواب کا حصہ دوم

سوالنامہ کے فاضل مرتب نے جو سوالات قائم کئے ہیں، یہاں ہم ان کو مع جوابات ترتیب سے درج کرتے ہیں۔

۱ انشورنس کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے، جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

بیمہ کی حقیقت جن حضرات کے پیش نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بیمہ میں دو طرح سے شریعت کا اصطلاحی ربوا پایا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ بیمہ کمپنی بیمہ داروں سے جو رقم وصول کرتی ہے، وہ ضرورت مندوں کو سود پر قرض دیتی ہے۔ دوسرے بیمہ داروں کو ان کی کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہ سود ہوتی ہے۔ کیونکہ بیمہ دار جو رقم بصورت اقساط جمع کرتا ہے وہ دین (۱) ہے۔ اور دین میں اجل (میعاد) کے مقابلہ میں جو "منافع" بطور

(۱) دین کی اصطلاح پچھلے صفحات میں سمجھائی جا چکی ہے۔

حق الی أجل فاذا حل قال أتقضی أم تربی فان قضاہ أخذ والا زاد فی حقہ و زاد الآخر فی الأجل۔"
(ص ۲۶۴ ج ۲)

"امام مالکؒ زید بن اسلمؓ سے آیت ربوا کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں، جاہلیت کا ربوا اس طرح ہوتا تھا کہ ایک کا دوسرے پر کوئی حق ہوتا تھا، (حق عام ہے قرض ہو خریدی ہوئی چیز کی قیمت ہو، یا کچھ اور) اور اس کی ادائیگی کی ایک مدت مقرر ہوتی تھی۔ جب مدت آجاتی تھی، تو وہ کہتا تھا کہ ادا کرو گے یا سود دو گے؟ وہ اگر ادا کر دیتا تھا، تو رقم میں اضافہ نہیں ہوتا تھا، ورنہ وہ اس کے حق (مال میں اضافہ) کر دیا کرتا تھا۔ اور دوسرا اس کے عوض مدت بڑھا دیا کرتا تھا۔"

اور ابن رشد الکبیر "المقدمات" میں لکھتے ہیں۔

"و کان ربا الجاھلیۃ فی الدیون ان یکون للرجل علی الرجل الدین فاذا حل قال لہ أتقضی ام تربی فان قضاہ اخذ والا زادہ فی الحق و زادہ فی الاجل فانزل اللّٰہ فی ذالک ما انزل۔"

"جاہلیت کا ربوا (سود) دیون (۱) میں ہوتا تھا ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کچھ واجب الادا دین ہوتا تھا، جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تھی، تو وہ اس سے معلوم کرتا تھا کہ ادائیگی کا ارادہ ہے یا سود دے گا؟ اگر مدیون ادا کر دیتا، تو دائن اپنی رقم (بغیر سود) لے لیتا، ورنہ مدیون رقم میں اضافہ کر دیتا اور دائن میعاد میں، تو اللہ تعالیٰ نے آیات ربوا نازل فرمائیں۔"

---

(۱) دین کی جمع ہے، دین کی تشریح جو ہم سابق میں کر چکے ہیں پیش نظر رکھیں۔

اس ربا کو حلال سمجھنے والے کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں۔

"فمن استحل الربا فهو كافر حلال الدم يستتاب فان تاب و الا قتل قال الله عز و جل و من عاد فاولئك اصحاب النار هم فيها خالدون۔" (۱)

"جو شخص ربوٰ کو حلال سمجھے وہ کافر ہے، جس کا قتل کرنا حلال ہے۔ پہلے اس سے توبہ کرائی جائے گی اگر توبہ کرلے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ ممانعت کے باوجود پھر سود لیتے ہیں وہ دوزخی ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ائمہ مجتہدین نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے۔ امام محمد ابن ادریس القرشی المطلبی الشافعی فرماتے ہیں۔

"و ذالك ان الربا منه يكون في النقد بالزيادة في الكيل والوزن ويكون في الدين بزيادة الأجل"

"ربوا نقد میں بھی ہوتا ہے اور ادھار میں بھی، نقد کی صورت یہ ہے کہ ناپ تول میں اضافہ کر دیا جائے، ادھار میں یہ ہے کہ میعاد کی زیادتی کے عوض اس میں اضافہ کر دیا جائے۔ (۲)

پھر یہ مسئلہ ایسا اجماعی اور اتفاقی ہے، کہ کسی کو اس سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔ قاضی ابو الولید ابن رشد رقم فرماتے ہیں۔

"علماء کا اتفاق ہے کہ ربوا دو چیزوں میں پایا جاتا ہے، (۱) تجارت کی بعض صورتوں میں۔ (۲) اس چیز میں جو ذمہ میں آجائے مثلاً خریدی ہوئی چیز کی قیمت یا قرض یا سلم وغیرہ ذمہ میں جو چیز آجائے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو متفق علیہ ہے اور وہ ربا جاہلیت کہلاتا ہے۔

(۱) احکام القرآن ص:۱۹۱ ج ۳۔ (۲) الام ص ۳، ج ۳۔

جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور اس کی صورت یہ تھی، کہ وہ میعاد کے اضافہ کے بدلے اصل واجب الاداء رقم میں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے انظرنی ازدک (مدت بڑھا دو میں اس کے عوض بڑھتی دے دوں گا) یہ وہی سود ہے، جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاہلیت کا ربوا ختم کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے ربوا کو ختم کرتا ہوں۔" (۱)

شیخ ابوبکر بن العربی نے احکام القرآن میں آیت ربوا پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

"الربا" لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، زیادتی میں مزید علیہ یعنی وہ چیز جس پر زیادتی کی جائے، ہونا ضروری ہے۔ اس بنا پر اختلاف ہوا کہ یہ آیت ہر قسم کے ربوا کے حرام ہونے میں عام ہے یا یہ مجمل ہے جس کے لئے حدیث کے بیان وتشریح کی ضرورت ہے؟ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے، زمانہ جاہلیت میں جو ربوا رائج تھا، وہ بالکل مشہور و معروف طریقہ پر ان کے یہاں رائج تھا، اس میں نہ کوئی ابہام ہے نہ اجمال۔ ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر قیمت اسی وقت ادا نہیں کرتا تھا، بلکہ ادائیگی کی ایک مدت مقرر کر لی جاتی تھی، جب میعاد پوری ہوتی تو فروخت کرنے والا خریدار سے پوچھتا، تیرا ارادہ ادائیگی کا ہے یا سود دینے کا؟ جیسا وہ جواب دیتا، اس کے مطابق عمل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حرام فرمایا۔

یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ زیادتی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی جائے) کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جب کسی چیز کو غیر جنس (۲) کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے تو زیادتی (بڑھتی) ظاہر نہیں ہوتی۔ اور جب جنس کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے، جب بھی زیادتی

(۱) بدایۃ المجتہد ص: ۱۰۹، ج: ۲۔

(۲) مثلاً روپے کے عوض کوئی جنس گیہوں کپڑا وغیرہ خریدا جائے۔

اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ شریعت اس کو ظاہر نہ کر لے۔ (۱) اسی لئے یہ آیت بعض لوگوں کو مشکل معلوم ہوئی اور مختلف قسم کے اشکالات میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علوم کی روشنی عطا فرمائی ہے، وہ آیت کریمہ کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مجمل ہے وہ لوگ درحقیقت شریعت کے محامل قطعیہ کو نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جن کی زبان عربی تھی۔ تجارت، بیع اور ربوا وغیرہ الفاظ ان کے یہاں عام طور پر سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا ان کو ان معاملات میں صحیح اور سچی بات کی ہدایت کی۔ اور ان چیزوں سے منع کیا جو ناجائز اور غلط تھیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔"

(ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق (۲) مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے) واضح رہے کہ یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ کسی کے مال کو عقد معاوضہ بغیر عوض کے لے لینا۔)

اور تجارت، بیع (خرید و فروخت) کے ہم معنی ہے۔ (پھر اس کی قسمیں بتلائی ہیں) اور ربوا لغت میں زیادتی (بڑھوتری) کو کہتے ہیں۔ اور آیت میں ربوا سے مراد ہر وہ زیادتی ہے، جس کے مقابلے میں عوض نہ ہو۔ دونوں آیتوں (۳) کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مطلق کو حلال کیا ہے۔ جس میں بشرط صحت قصد و عمل معاوضہ پایا جائے۔ اور جس میں معاوضہ اس طریقے پر نہ پایا جائے وہ حرام ہے۔ اہل جاہلیت میعاد اور مدت کے عوض میں

---

(۱) چنانچہ شریعت نے ہدایت کی کہ اس صورت میں زیادتی نہ لی جائے بلکہ صرف اصل کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

(۲) باطل تو بہرحال حرام ہے خواہ رضامندی ہو یا نہ ہو تجارت میں رضامندی کی قید لگائی ہے شریعت نے جن معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان میں فریقین کی رضامندی مؤثر نہیں۔ (تفسیر سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع ۲)

(۳) یعنی یہ آیت اور یہ آیت

بڑھنے کے خواہاں ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ بیع تو ربوا کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح ایک شخص قیمت میں زیادتی لے سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے، کہ میعاد پر نقد دینے کی صورت میں مدت کے عوض زیادتی لے لے۔ ان کے اس خیال باطل کو رد فرمایا۔

اب یہ قرار پایا کہ

اموال ربویہ میں معاوضہ کی مقدار یعنی مساوات شریعت نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اب کوئی شخص ان میں زیادتی کسی طرح کی میعاد وغیرہ کے مقابلہ میں نہیں لے سکتا۔ (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ربوا کی بڑی جامع و مانع تعریف بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں۔

"الربا هو القرض على ان يؤدى اليه اكثر وافضل مما اخذ" (۲)

"ربوا وہ قرض ہے، جو اس شرط پر ہو کہ قرض دار قرض خواہ کو جتنا لیا ہے اس سے زیادہ اس سے اچھا واپس کرے۔"

ربوا شرعی پر علامہ محمود الحسن خان ٹونکی صاحب معجم نے بڑی دقیق بحث فرمائی، ہم یہاں اس کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

"ربوا اور بیع لغات عرب میں سے ہیں۔ جب تک کوئی اصطلاح شرعی توقیفی خلاف لغت کے مغیر نہ ہو کتاب وسنت کے معنی لغت عرب سے معلوم ہوتے ہیں۔ ربوالغۃ "زیادۃ" ہے اور لسان العرب وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے، کہ حقیقت بیع کی "معاهدة فی تعاوض الاموال" ہے پس لغوی اعتبار سے ربوا کی تعریف یہ ہے،

(۱) احکام القرآن ابن العربی ص ۲۴۲ ج ۱۔ (۲) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۹ ج ۲

کہ تجارتی لااموال کے معاہدہ میں عوضین متماثلین میں سے ایک عوض کا دوسرے عوض پر زیادت مذکور ہونا (مذکورہ ہو بلکہ معروف ہو اس کا بھی یہی حکم ہے) باجماع امت ربوا دو قسم پر ہے، ایک حسی جس کو کتاب اللہ نے "لاتاکلوا الربا اضعافا مضاعفة" میں بیان فرمایا ہے۔ اور حدیث صحیح "الفضل ربوا" میں اسی حسی ربوا کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث "لا تاخذوا الدینار بالدینارین ولا الدرهم بالدرهمين" (طبرانی عن ابن عمر) بھی بحق ربوا کتاب اللہ کی تفسیر ہے اور تفسیر اضعافا کے تحت داخل ہے حدیث بخاری کی ربوا حسی کی تفسیر ہے "الذهب بالذهب مثلا بمثل" (رواہ البخاری) یعنی فضل ربوا ہے۔ پس اسی حسی ربوا میں شارع نے لغوی معنی میں مغایرت پیدا نہیں فرمائی۔ پس "حسی ربا شرعی" کی بھی وہی تعریف ہے جس کی عربی عبارت یہ ہے "الفضل الخالی عن العوض المشروط فی البیع" دوسرا ربا حکمی ہے کہ جس میں تفاضل عوضین میں نہیں ہے لیکن شارع نے سداً لباب الربا، صورت تماثل کو بھی "ربوا حسی" کے حکم میں قرار دیا ہے۔ جب کہ معاوضہ ید ابید نہ ہو، کیونکہ مادہ ربوا کا تاخیر وتاجیل ہے۔ نہ بغیر تاخیر کے فضل غیر متحقق ہے اسی معنی پر محمول ہے حدیث مسلم: "لاربا فیما کان یدا بید" "فضل حسی کا درجہ زوائی ربا حکمی سے منقول ہے کہ تجارت حاضرہ میں فضل حسی عادۃً متحقق ہے۔

اسی ربا حکمی کو شارع نے حدیث "نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع دينار" اور حدیث "الذهب بالورق ربا الا

ھاء و ھاء الحدیث فی الاشیاء الستۃ" میں بیان فرمایا ہے۔ (۱)

اقتباسات طویل ہوگئے، اس لئے ان کا خلاصہ ذہن نشین کر لیجئے۔ ربوا شرعی اصطلاحی قرض اور تجارت دونوں میں پایا جاتا ہے۔ ربوا شرعی کو تجارت کی صرف چند شکلوں کے ساتھ خاص کرنا اسلام پر افتراء ہے۔

اسلام کی نظر میں "مہاجنی اور تجارتی سود" دونوں حرام ہیں۔ صرف مہاجنی سود کو حرام قرار دینا اور تجارتی سود کو جائز قرار دینا شریعت سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

ہر وہ چیز جو ذمہ پر آجائے، اس میں زیادتی مشروط یا معروف طریقہ پر لینا سود ہے خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی یا سلم کی شکل میں ہو۔

انشورنس اور بینکنگ میں شرعی ربوا پایا جاتا ہے۔

زیادتی کی شرط کا لفظوں میں بیان کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو شرط معروف ہو وہ بھی مشروط کے حکم میں ہے۔

شریعت میں "حقیقت" (۲) کا اعتبار ہوتا ہے، "تسمیہ" (نام رکھ لینے) کا نہیں شریعت نے جن عقود و معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، اور ان میں حرام و حلال کا فیصلہ فرمادیا ہے، ان میں طرفین کی رضامندی سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ شریعت کے حکم کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ طرفین کی رضامندی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

۲:...... اگر سود مذکور شرعی اصطلاحی ربوا ہے، تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے، اگر نکل سکتی ہے تو کیا؟

---

(۱) رسالہ سود بحوالہ لغات القرآن ج:۳ لفظ ربا۔

(۲) شریعت کا مشہور قاعدہ ہے کہ انما العبرۃ فی العقود للمعانی لا للالفاظ۔ یعنی کسی معاملہ کی حقیقت کا اعتبار ہوگا اور اس کے لحاظ سے شرعی احکام جاری ہوں گے نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوگا، ربوا کا نام اگر منافع رکھ دیا جائے تو اس سے وہ حلال نہیں ہوگا بنی اسرائیل پر جب چربی حرام ہوگئی تھی تو انہوں نے اس کا دوسرا نام رکھ دیا تھا اور کھانا شروع کر دیا تھا۔

مصالح مقصودہ کی بنا پر اگر شرعی حکم ہو اور ان دونوں پر مشتمل ہے ان کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ امام ابو اسحاق الشاطبی نے "الاعتصام" میں اس موضوع پر ایک مستقل باب لکھا ہے اور اس میں مفصل دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مصالح مرسلہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شریعت نے ہمیں کھلی چھٹی دے دی ہے کہ مصالح کو سامنے رکھ کر جس طرح چاہیں قوانین اسلام میں ترمیم کرتے رہیں بلکہ اس کے لئے تین اہم شرطیں ہیں۔

اول: مصالح کے پیش نظر جو قانون بنایا جائے وہ شریعت کے مقاصد کے مطابق ہو نہ کہ ان کے خلاف۔

دوم: جب وہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو عام عقلیں اس کو قبول کریں۔

سوم: وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہو۔ (الاعتصام ص ۱۱۵ ج ۲)

اس کے علاوہ امام موصوف نے "الموافقات" میں مقاصد اور مصالح پر بڑی جامع بحث کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ مصالح وہی معتبر ہیں جو شریعت کی نگاہ میں مصالح ہوں۔ اور شریعت ان کا اعتبار کرے۔ صرف چند ظاہری فائدوں کو "مصالح" نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً شریعت نے "نکاح فاسد" کو قابل قبول نہیں سمجھا حالانکہ اس میں منافع نظر آتے ہیں۔ جیسے نسب کا ثابت ہونا، میراث کا جاری ہونا وغیرہ

بحث کے آخر میں فرمایا۔

"وہی مصالح قابل اعتبار ہیں جو اسباب مشروعہ سے حاصل ہوں، اسباب غیر مشروعہ سے حاصل ہونے والے مصالح شریعت کی نگاہ میں مصالح نہیں ہیں" (ص ۳۳۳ ج ۱)

علاوہ ازیں یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے احکام جو قرآن و حدیث میں منصوص ہیں وہاں مصالح و مفاسد کی بحث ہی پیدا نہیں ہوتی۔ سود اور قمار دونوں کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس لئے کوئی مصلحت ان دونوں کو حلال نہیں کر سکتی۔

۳: زندگی کے بیمہ، املاک اور ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

تینوں قسمیں ربوا اور قمار پر مشتمل ہیں، اس لئے تینوں کا حکم ایک ہی ہے۔

۴: معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو ادائیگی واجب کر، تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر متعین ہے۔ اس معاملہ کو قمار کی حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی ہے؟

بلاشبہ قمار ہے۔ قمار کے بارے میں علمائے شریعت نے جو قاعدہ لکھا ہے وہ یہ ہے: "تعلیق الملک علی الخطر والمال فی الجانبین" (۱) اور بیمہ پر یہ قاعدہ بالکل صادق ہے۔ اس لئے اس پر قمار کا حکم لگایا جائے گا، اور قمار کی حرمت نص قرآن سے ثابت ہے۔ قمار کی حرمت میں غرر اور خطر (۲) کی ساری صورتیں داخل ہیں۔ ابوبکر الجصاص الرازی آیت میسر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ولا خلاف بين اهل العلم في تحريم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار وان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذالك مباحاً الى ان ورد تحريمه."

(احکام ص۳۸۸ ج ۱)

"قمار (جوے) کی حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح

---

(۱) [illegible]

قمار ہے۔

(۲) [illegible]

اس امر میں بھی کہ خطر کی ساری صورتیں قمار میں داخل ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ خطر قمار ہے۔ اہل جاہلیت مال اور بیوی سب کو جوئے کی بازی پر لگادیا کرتے تھے۔ اور شروع میں اس کی اباحت تھی، یہاں تک کہ اس کی حرمت نازل ہوئی۔''

غرر اور خطر میں انجام سے بے خبری ہوتی ہے، ملک العلماء فرماتے ہیں۔ ''والغرر ما یکون مستور العاقبة'' (1) غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو۔

حاصل یہ ہوا کہ مال کو بازی پر لگانا اور انجام سے بے خبر ہونا جوا ہے، اس طرح وہ معاملہ جس میں دونوں طرف مال ہو اور انجام معلوم نہ ہو، قمار کی حدود میں داخل ہے، خواہ وہ خرید وفروخت کی شکل میں ہو یا کسی شکل میں۔

امام دار الہجرہ مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں:

''ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلته او دابته او غلامه وثمن هذه الاشیاء خمسون دینارا فیقول انا اخذها منک بعشرین دینارا فان وجدها المبتاع ذهب من مال البائع ثلاثین دینارا وان لم یجدها ذهب البائع منه بعشرین دینارا وهما لایدریان کیف یکون حالها فی ذالک ولایدریان ایضا اذا وجدت تلک الضالة کیف تو خذ وماحدث فیها من امر اللہ مما یکون فیه نقصها وزیادتها فهذا اعظم المخاطرة.''

(مدونہ الکبری ص ۲۵۴ ج ۳)

''ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پاس آجائے جس کا اونٹ یا کوئی جانور یا غلام گم ہوگیا ہو۔ اور ان کی قیمت مثلاً پچاس دینار ہو، وہ جاکر

---

(1) بدائع ص ۱۶۳ ج ۳

اس سے کہے کہ میں گمشدہ چیز کو بیس دینار میں خریدتا ہوں، سو اگر خریدنے والے کو گمشدہ چیز مل جاتی ہے تو مالک کو تیس دینار کا نقصان ہوگا۔ اور اگر نہیں ملتی تو اس کو بیس دینار مفت میں مل جائیں گے۔ ان دونوں کو معاملہ کرتے وقت کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوگا، وہ چیز ملتی ہے یا نہیں۔ اور اگر ملتی بھی ہے، تو کس حال میں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس میں کیا زیادتی کمی ہو چکی ہے یہ سب خطر میں داخل ہے۔"

۵:..... اگر یہ قمار ہے، یا غرر ہے، تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

جب تک بیمہ کا موجودہ نظام برقرار ہے کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

۶:..... اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ میں سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے، اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

سود کے ساتھ ہی ساتھ بیمہ زندگی یا بیمہ املاک میں قمار کی جو صورت ہوتی ہے، اس سے بھی احتراز کرے، تب تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن ربوا اور قمار کے کاروبار کی اعانت و امداد کی قباحت بدستور رہے گی۔

۷:..... جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے، اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جائے۔

جب تک معاملہ کی حقیقت تبدیل نہ ہو صرف نام رکھ لینے یا سمجھ لینے سے مسئلہ شرعی میں فرق نہیں پڑتا۔

۸:..... اگر کوئی مسلمان کسی دارالحرب کا باشندہ ہو، (مقامی نہیں) اور کمپنی بھی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

دارالحرب میں فقہاء نے عقود فاسدہ [1] کی اجازت دی ہے، عام کتابوں میں

---

(۱) وہ معاملات جو شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں، البتہ ان میں رضامندی کی شرط ضروری ہے، بقدر کی اجازت نہیں۔

اگرچہ مستامن کی قید ہے، لیکن شرح السیر الکبیر سے حربی مسلم کے لئے بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

"ثم قد علم ان الربا لا یجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب." (ص ۱۱۳ ج:۳)

"پھر یہ امر معلوم ہے، کہ ربوا دار الحرب اور دار الاسلام کے باشندوں کے درمیان جاری نہیں ہے۔

اس کی دلیل بھی خود مؤلف کی زبانی سنئے:

"حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کب اسلام لائے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے قبل ہی اسلام لا چکے تھے بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں گرفتار کر لئے گئے اور اس کے بعد اسلام لائے پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ واپس جانے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرما دی مکہ میں سکونت پذیر رہے اور وہاں سودی کاروبار فتح مکہ تک کرتے رہے حالانکہ سود کی حرمت اس سے قبل آ چکی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سود لیا ہو تو واپس کر دو، علاوہ ازیں "لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة" (سود کھاؤ دو چند سہ چند) آیت کریمہ غزوہ احد کے زمانہ میں اتری تھی۔ اور مکہ اس کے کئی سال بعد فتح ہوا، فتح مکہ کے زمانے میں آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پچھلے سارے معاملات کو باطل قرار نہیں دیا سوائے ان معاملات کے جن میں ابھی تک قبضہ نہیں ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ ہو سکتا ہے۔" (شرح السیر الکبیر ص ۲۲۱ ج ۳)

ابو یوسفؒ اور جمہور کے قائل ہیں، واضح ہے۔

"ولو كان المسلم في منعة المسلمين فكلم الحربي من حصنه وعامله بهذه المعاملات الفاسدة فيما بين المسلمين فإن ذلك لا يجوز، وقد بينا أن كثيرا من مشايخنا يقولون بالجواز ههنا لأن مال الحربي مباح في حق المسلم"

"اگر کوئی مسلمان دار الاسلام کے لشکر میں ہو اور حربی نے اپنے قلعہ سے مسلمان سے گفتگو کی اور معاملات فاسدہ میں سے کوئی معاملہ کر لیا تو یہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، البتہ ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ اس مسئلہ میں بھی جواز کے قائل ہیں کیونکہ حربی کا مال مسلمان کے حق میں (جب کہ اس میں دھوکہ فریب نہ ہو) مباح ہے۔"

دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف منتقل ہو جانے پر بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت ہے۔

"دار الحرب والوں نے دار الاسلام والوں سے اگر صلح کر رکھی ہو اس زمانہ میں دار الاسلام کا باشندہ ان کے یہاں گیا اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچا تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس صلح سے دار الحرب دار الاسلام نہیں بن جاتا مسلمانوں کے لئے تو دار الحرب والوں کا مال ان کی خوشی اور رضامندی کے بغیر لینا حرام ہے کیونکہ اس میں غدر (دھوکہ و فریب) پایا جاتا ہے لیکن جب انہوں نے خوشی اور رضامندی سے یہ معاملہ کیا تو دھوکہ فریب کے معنی معدوم ہو گئے اور ان سے یہ معاملہ مباح ہو گیا۔" (شرح السیر الکبیر ص ۱۴۲۸ ج ۳)

دار الحرب میں "عقود فاسدہ" کے جواز کا مسئلہ صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہی نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ امام مالکؒ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں البتہ

امام موصوف کے نزدیک ایک شرط ہے وہ یہ کہ دار الاسلام سے دار الحرب کی صلح نہ ہو۔

"سئل الامام مالک هل بين المسلم اذا دخل دار الحرب وبين الحربي ربوا فقال الامام: هل بينكم وبينهم هدنة؟ قالوا: لا! فقال مالک فلا بأس في ذلک."

"امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مسلم اگر دار الحرب میں داخل ہو، تو وہاں کے لوگوں سے سود لے سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے دریافت کیا کہ کیا تم میں اور ان میں صلح ہے؟ کہا گیا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ (المدونۃ الکبریٰ ص ۲۸۱)

علامہ شامی کے فتوے میں بھی صریحوں سے اس قسم کے معاملات کی اجازت آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے، کہ ربوا اور قمار بنص قرآن حکیم حرام ہیں۔ اور ان دونوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لئے اس قسم کے معاملات سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ انتہائی ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس طرح کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس موقعہ پر ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے ازالہ کے لئے ہم مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی عبارت نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال پیدا ہو گیا۔

یعنی

"غیر اسلامی حکومت کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے، خلا ربوا یا قمار از یں قبیل کے کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آ جائے، تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا

نہیں، یا چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے، اور مباح و جائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے، مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کا مالک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک بن جاتا ہے۔ اور یہی ان کا وہ مشہور نقطۂ نظر ہے، جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں میں لا ربوا بین الحربی والمسلم (الحربی غیر مسلم اسلامی حکومت کا باشندہ اور المسلم اسلامی حکومت کا باشندہ کے درمیان ربوا سود نہیں ہے) کا ذکر پایا جاتا ہے، گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے، عوام چونکہ اس کے اصل منشاء سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے، کہ ربوا (سود) جب اسلام میں حرام ہے، تو ہر جگہ اور ہر شخص سے لینا حرام ہونا چاہئے حربی یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایک مباح مال کو قبضہ میں لے کر اسے ملک بنانا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر ربوا کا معاملہ کیا جائے تو وہ بھی "ربوا" نہ ہوگا، ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے، بھلا ایک مجتہد کو اس کا حق کیا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا مال ہے۔"

(اسلامی معاشیات ص: ۳۰۸)

۹: ... اگر بیمہ کا روبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بناء پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ربوا کے مصداق سے خارج ہو سکتی ہے۔

اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، تب بھی سود کی رقم ربوا کے حدود سے خارج نہیں ہوتی، کیونکہ حق ملک اور ملک میں بنیادی فرق ہے، حق ملک کو ملک قرار نہیں دیا جا سکتا، ملک کی صورت میں ربوا نہیں ہوتا۔ مثلاً شرعی غلام اور آقا اگر کوئی سودی معاملہ کریں، تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ ملک غلام اور آقا کی واحد ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنی آمدنی کو مختلف مدوں میں تقسیم کر کے الگ الگ رکھ لے، پھر ایک مد کے لئے دوسری مد سے قرض لے اور اس میں کچھ رقم بطور سود لگا لے، تو وہ سود نہیں کہا جائے گا، علاوہ ازیں جن دو شخصوں کے درمیان شرکت کا معاملہ ہوا، اور وہ اس مال مشترک میں آپس میں کوئی سودی معاملہ کرلیں تو وہ بھی سود نہیں ہوگا، شرکت کی وجہ سے دونوں کی ملک ایک سمجھی جائے گی۔

حق ملک کی صورت میں سود ہوگا، مثلاً میاں بیوی جب کہ دونوں کی املاک علیحدہ ہوں، اگر آپس میں کوئی سودی لین دین کریں، تو حرام اور ناجائز متصور ہوگا، حالانکہ بیوی کو اپنے شوہر کے مال میں بقدر نفقہ حق ملک ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس باپ اور بیٹا اگر آپس میں ربوا کا معاملہ کریں، تو اس پر حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ کہنا کہ بیٹے کے مال میں باپ کا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انت ومالک لأبیک" (تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے) اس معاملہ کو ربوا کے حکم سے خارج نہیں کر سکتا۔

ملک العلماء ربوا جاری ہونے کی شرائط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"ومنها ان لایکون البدلان ملکا لأحد المتبایعین فانه لایجری الرباء علی هذا یخرج العبد الماذون اذا باع مولاه درهما بدرهمین ولیس علیه دین انه یجوز لانه اذا لم یکن علیه دینا فما فی یده لمولاه فکان البدلان ملک المولی فلا یکون هذا بیعا فلایتحقق الرباء اذ هو یختص بالبیعات وکذلک المتفاوضان اذا تبایعا درهما

بدرهمين يجوز لان البدل من كل واحد منهما مشترك بينهما فكان مبادلة ماله بماله فلا يكون بيعا و لا مبادلة حقيقة."

"لیکن اگر معاملہ کرنے والوں کے ملک نہ ہوں تو معاملہ جائز نہیں ہو گا۔ مثلاً عبد ماذون (عبد ماذون وہ غلام جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہو) اگر اپنے آقا کو ایک درہم کے عوض میں دو درہم بیچ دے، اور غلام پر کسی کا دین نہ ہو تو یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ دین نہ ہونے کی صورت میں غلام کے پاس جو کچھ ہے، وہ اس کے آقا کی ملک ہے۔ جو اب بھی آقا کی ملک ہیں۔ اس لئے یہ بیع ہی نہیں ہوئی، لہذا ربوا بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ ربوا بیع کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح دو شریک جب اس طرح کا معاملہ کریں تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ بدل مشترک ہے اس لئے یہاں حقیقتاً بیع ہی نہیں ہوئی۔"

(بدائع الصنائع ص ۱۹۳ ج ۵)

حقیقت ملک اور حق ملک کا فرق ایک اور مسئلے سے بھی واضح ہوتا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ بائع (فروخت کرنے والا) جب خریدنے والے سے کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ مال فروخت کر دیا، اس کو ایجاب کہا جاتا ہے، ایجاب کے بعد خریدنے والے کو حق ہوتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو قبول کرے یا رد کرے۔ بائع کے ایجاب کے بعد خریدنے والے کو قبول کرنے کا حق معاملہ کی مجلس تک باقی رہتا ہے۔ لیکن اگر بائع کے ایجاب کرنے کے بعد جب کہ مشتری نے قبول نہ کیا ہو، اپنے ایجاب سے رجوع کرے تو وہ رجوع کر سکتا ہے، اس صورت میں مشتری کا حق قبول ساقط ہو جائے گا۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ مشتری کو جب مجلس کے ختم ہونے تک حق قبول حاصل ہے تو بائع کو ایجاب سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ اس اعتراض کا جواب صاحب عنایہ اس طرح دیتے ہیں۔ کہ مشتری کو تو حق ملک

حاصل ہے۔ لیکن بائع کو حقیقت ملک حاصل ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے، حقیقت ملک اعلیٰ ہے اور حق ملک ادنیٰ۔ لہٰذا اعلیٰ ادنیٰ کو سوخت کر دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"فالجواب ان الایجاب اذا لم یکن مفیداً للحکم وھو الملک کان الملک حقیقۃ للبائع وحق التملک للمشتری وھو لایمنع الحقیقۃ لکونھا اقوی من الحق لامحالۃ."

"اس کا جواب یہ ہے کہ محض ایجاب سے جب کہ حکم یعنی ملک حاصل نہیں ہوتی تو ملک حقیقت کے لحاظ سے بائع کی ہے اور حق ملک مشتری کا حق ملک ملک کو منع نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حق سے قوی تر ہے۔" (عنایہ بر حاشیہ فتح القدیر ص ۸۰ ج ۵)

۱۱: ..... فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد میں اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن سود کی رقم بصورت ٹیکس یا چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

سود کا لینا حرام ہے اس لئے اس کو لے کر پھر واپس کر دینا ہے اس حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

۱۲: ..... بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو اس صورت میں انشورنس کا معاملہ کیا جائز ہوگا۔

اس صورت میں بھی انشورنس کے کاروبار کی اجازت نہیں ہے، الا یہ کہ ناواقفیت کی بنا پر اگر انشورنس کا معاملہ کرے اور اس سے رقم سود وصول ہو جائے تو یہی طریقہ ہے کہ کسی شخص کو بلا نیت ثواب امداد کے طور پر دیدے۔

۱۳: اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات مذکورہ

کو سامنے رکھ کر اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے، جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں، اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے۔ اگر ہو سکتا ہے تو کیا انشورنس کی مروجہ شکل میں کوئی ایسی ترمیم ہو سکتی ہے جو اسے معصیت سے خارج کردے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہے۔

الف: اس کا بدل پچھلے صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں۔

ب: جب تک کہ ربوا اور قمار موجود ہیں معصیت کے دائرہ سے خارج ہونا مشکل ہے۔

بیمہ مروجہ میں دو صورتیں جائز ہیں۔

۱:...... ''ڈاکخانہ کا بیمہ'' یہ جائز ہے کیونکہ ودیعة باجر میں داخل ہے جس طرح فیس دینا جائز ہے۔

۲:...... جہاز ران کمپنی اگر بیمہ بھی کرے اور مال کی ضمانت بھی دیدے تو مال تلف ہونے کی صورت میں اس کو ضامن بنایا جا سکتا ہے اور نقصان کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے جب کہ تاجر نے اس کمپنی کے جہاز میں اپنا مال بھیجا ہو۔

(ابن عابدین ص: ۲۱۷ ج: ۳ باب ضمان الاجیر)

ضمیمۂ بیمہ

متعلقہ رسالہ بیمہ کی اہمیت

"شائع کردہ"

جنرل منیجر ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

اس رسالہ میں بیمہ کمپنی کی طرف سے بہت لوگوں کی رائیں بیمہ کی اہمیت کے متعلق شائع کی گئی ہیں۔ جن میں کچھ علماء کے اقوال وفتاوی بھی ہیں، عام رایوں کے متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، کہ وہ ان کی شخصی رائیں ہیں۔ جن کا مسئلہ شرعیہ سے تعلق نہیں۔ البتہ علماء کے جو اقوال وفتاوی نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سخت تلبیس اور مغالطہ ہے۔ اور اس کا تعلق شریعت کے حکم سے ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

جن علماء کے اقوال اس میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بجز تین حضرات کے باقیوں کی طرف مروجہ بیمہ کا جواز منسوب کرنا قطعاً غلط اور تلبیس ومغالطہ ہے۔ ان میں چند علماء کے اقوال تو خود ان کی تصریح کے مطابق اس پر مبنی ہیں، کہ ان کو بیمہ کمپنی کے قواعد اور معاملات کا علم ہی نہیں تھا۔ صرف اتنی بات سامنے تھی، کہ اس سے امداد باہمی اور ضرورت کے وقت کے لئے آمدنی میں سے بچت کے نکلتے ہیں۔ جس کے مفید اور محمود ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً حضرات ذیل:

۱. مولانا محمد مسلم عثمانی فاضل دیوبند مرحوم

۲. شمس العلماء تاجور نجیب آبادی مرحوم

۳. مولانا عبدالقادر فاضل دیوبند

۴. مولانا ابو محمد یونس صاحب فاضل دیوبند مرحوم

آگے

۵... مولانا شمس الرحمٰن صاحب مدرسہ نیلا گنبد لاہور

۶... مولانا سید محمد طلحہ صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

ان سب حضرات نے اس کی تصریح پوری وضاحت سے فرمائی ہے، کہ ہمیں بیمہ کے اصول وقواعد اور معاملات کی تفصیل معلوم نہیں، صرف غریبوں کے لئے کچھ پس انداز کرنے کی اور حوادث کے وقت امداد باہمی کی ایک صورت سمجھ کر اس کے جواز کا حکم لکھ رہے ہیں۔

ایسی حالت میں ان کے قول کو بیمہ کے جواز کا فتویٰ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آمدنی سے کچھ پس انداز کرنا جو ضرورت کے وقت کام آسکے، اور حوادث کے وقت مصیبت زدہ کی امداد اگر خلاف شرع امور سے خالی ہو تو اس کے جائز بلکہ پسندیدہ اور موجب ثواب ہونے کا کون انکار کرسکتا ہے۔

لیکن رسالہ ہذا میں پوری تصریح و تفصیل کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے، کہ بیمہ کی مروجہ صورت میں سود بھی ہے اور قمار (جوا) بھی، اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر انہیں حضرات سے ہم تمام تفصیلات جن کی رو سے بیمہ کا سود وقمار پر مشتمل ہونا واضح ہو جاتا ہے پیش کر کے سوال کیا جاتا تو یقین تھا کہ ان میں سے ایک بھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتے۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ بیمہ زندگی کے حرام و ناجائز ہونے پر طبع شدہ مشہور و معروف ہیں۔ اور ان کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں، ان کا کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی بیمہ کے جواز سے نہیں ہے۔

مثلاً اکابر علماء دیوبند... مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، شمس العلماء سید نجم الحسن صاحب لکھنوی۔

ان حضرات کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ ان سب کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینے کے جواز میں جو بعض فقہاء نے گنجائش دی ہے۔ بعض نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ اور بعض نے یہ گنجائش بھی نہیں رکھی۔ البتہ جب ان کو یہ بتلایا گیا کہ مسلمان جو اپنی رقم کا سود انگریزی بینکوں میں چھوڑ دیتے ہیں تو حکومت اس کو عیسائی مشن کے ذریعہ نصرانیت کی تبلیغ میں خرچ کرتی ہے، تو انہوں نے صرف یہ فتویٰ دیا، کہ ایسی صورت میں سود کی حرام رقم کو بینک میں نہ چھوڑیں۔ وہاں سے وصول کر کے غریبوں پر صدقہ کر دیں۔ مطبوعہ رسالہ جن لوگوں کے سامنے ہو، وہ حرف بحرف اس کی تصدیق کریں گے۔ کہ ان فتاویٰ میں صرف مسئلہ کی یہ نوعیت اس حالت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ جب کہ انسان دارالحرب میں رہتا ہو، اور اہل حرب اس کے سود کی چھوڑی ہوئی رقم کو اسلام کے خلاف کاموں میں استعمال کرتے ہوں، ان مسائل کا پاکستان کی اسلامی حکومت سے کیا واسطہ پاکستان دارالاسلام ہے۔ یہاں سود کی رقم نصرانیت کی تبلیغ پر خرچ کرنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بتلایئے، کہ اس مسئلہ کا بیمہ مروجہ کے جواز سے کوئی علاقہ ہے کہ رسالہ بیمہ کی اہمیت میں ان فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۲۲ میں ان بزرگوں پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انہوں نے بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے دیئے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

مولانا کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی اور مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دارالعلوم نے فتوے صادر فرمائے ہیں کہ زندگی کا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں، یہ ایک قسم کی تجارت ہے، جو کہ فضول خرچیوں اور اسراف بے جا کے دباؤ سے بچانے کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے۔

کتنی بڑی جسارت ہے، کہ ان اکابر علماء کی طرف بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے منسوب کر دیئے، حالانکہ ان سب حضرات کے فتاویٰ جو عموماً شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ان میں زندگی کے بیمہ مروجہ کو صراحۃً حرام کہا گیا ہے۔ اور شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے، ان

میں سے بہت سے حضرات کے فتاویٰ شائع بھی ہو چکے ہیں۔

بیمہ کمپنی کے ذمہ دار توجہ فرمائیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں بیمہ کا کاروبار کرنے والے حضرات عموماً مسلمان ہیں۔ خدا کے لئے اس چندروزہ کاروبار پر آخرت کو قربان نہ کریں حرام معاملات پر حلال کا لیبل لگانے کے بجائے اس کی فکر کریں کہ امداد باہمی کی شرعی اور جائز صورت کو اختیار کریں، جو رسالہ ہذا میں لکھ دی گئی ہے۔ اور جو رقمیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں۔ ان کو تجارت پر لگا کر سود کے بجائے تجارتی نفع تقسیم کریں۔ جو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے، اور پوری قوم کے لئے نفع بخش جائز و حلال معاملہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ وہ حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر چند روزہ مال و دولت کمانے کو اپنا مقصد بنا ہی چکے ہیں، تو کم از کم علماء اور اہل فتویٰ پر اپنی رائے تھوپنے اور ان پر تہمت لگانے سے تو پرہیز کریں، کہ یہ تحریف دین کا دوسرا گناہ ہے۔ جس کی اس کاروبار میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

وہ اپنی اس ذمہ داری کو بھی محسوس کریں کہ ان بزرگوں کی طرف غلط فتووں کو منسوب کرنا اخلاقی کے علاوہ قانونی جرم بھی ہے۔ مسلمانوں کو آئندہ اس میں نہ ڈالیں کہ وہ اس معاملہ کو عدالت میں چیلنج کرنے پر مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مال و دولت کی ایسی محبت سے بچائے، جو ان کی آخرت کو برباد کرے۔

واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع

خادم دارالعلوم کراچی ۱۴

سود، انشورنس اور انعامی بانڈز کی حرمت سے متعلق ایک سوالنامہ کا جواب

تاریخ تالیف ـــــ درج نہیں ہے

مقام تالیف ـــــ جامعہ دارالعلوم کراچی

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سود، بیمہ، انعامی بانڈ اور پراویڈنٹ فنڈ سے متعلق ایک سوالنامہ بھیجا گیا، جس کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے درج ذیل تحریر روانہ کی جس میں سود کی حقیقت، اس کی اقسام، بیمہ کی حرمت، اسلامی نظام بینکاری، بیمہ کا اسلامی طریقہ، انعامی بانڈ کی حقیقت وحرمت اور پراویڈنٹ فنڈ کے جواز کو مختصر مگر جامع طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب سوالنامہ متعلقہ "ربا"

اسلامی نظریاتی کونسل

(الف) قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ تخصیصاً کیا ربا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دوگنا اور سہ گنا (اضعافاً مضاعفۃ) کر دیتا ہے یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب بھی شامل ہے؟

(۱) قرآن کریم نے جس "ربا" کو حرام قرار دیا ہے اس کے مفہوم میں کوئی تفکک یا اشتباہ نہیں۔ قرآن کریم، سنت نبویہؐ، آثار صحابہؓ اور اجماع امت نے قرض پر طے کر کے لی جانے والی ہر زیادتی کو "ربا" قرار دیا ہے، خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ اس سلسلے میں دلائل کی تفصیل پیش کی جائے تو ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے اور بہت سے حضرات نے اس پر مستقل مقالات اور کتابیں لکھی ہیں۔ احقر نے بھی اپنے ایک رسالے "مسئلہ سود" میں اس حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ یہ رسالہ سوالنامے کے ساتھ منسلک ہے، تاکہ تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ تاہم یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ مناسب ہوگا۔

(۱) قرآن کریم نے "ربا" کی حرمت کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲۷۸)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ربا کی جو کچھ رقم باقی ہو اسے چھوڑ دو، اگر تم مؤمن ہو۔

اس میں "مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا" (ربا کی جو کچھ رقم باقی ہو) کے الفاظ عام اور سود کی ہر مقدار کو شامل ہیں، آگے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

(البقرہ ۲۷۹)

اور اگر تم (ربا سے) توبہ کرو تو تمہارے راس المال تمہیں مل جائیں گے، (اس طرح) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر کسی کی طرف سے ظلم ہوگا۔

اس آیت نے واضح طور سے بتا دیا ہے کہ "ربا" سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ راس المال (اصل زر) کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، اور لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ سے اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اصل رقم پر ہر اضافہ، خواہ کتنا کم کیوں نہ ہو، ظلم میں داخل ہے۔ رہا قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (سود کو چند در چند کر کے مت کھاؤ۔ ۳:۱۳۰) سو اس میں "چند در چند" کا لفظ حرمت سود کی قانونی شرط نہیں ہے، بلکہ اس جرم کی صرف ایک قبیح ترین صورت پر تنبیہ ہے۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ ۴۱) یعنی "میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت نہ کرو" ظاہر ہے کہ یہاں "تھوڑی سی قیمت" ممانعت کی قانونی شرط نہیں ہے، چنانچہ کوئی بھی معقول آدمی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آیات الٰہی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ اس کے بجائے یہ الفاظ محض جرم کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" کا ہے جرم کی شناعت بیان کرنے کے لئے ایک صورت

ذکر کر دی گئی ہے، ورنہ اگر یہ قانونی شرط ہوتی تو سورۂ بقرہ کی آیت میں یہ نہ کہا جاتا کہ ربا سے توبہ کی صورت میں راس المال قرض خواہ کو ملے گا، اور ساری رقم اسے چھوڑنی ہوگی۔

(۲) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اصل رقم پر لیا جانے والا ہر اضافہ ''ربا'' اور حرام ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام شافعیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں:-

الا ان کل ربا کان فی الجاھلیۃ موضوع عنکم کلہ،
لکم رءوس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون واول
ربا موضوع ربا العباس بن عبد المطلب کلہ

(تفسیر ابن کثیرؒ ص ۳۳۱ ج ۱ مطبوعہ ۱۳۵۷ھ)

یعنی: ''سنو! کہ ہر وہ ربا جو جاہلیت میں واجب تھا تم سے پورے کا پورا ختم کر دیا گیا، تمہارے لئے صرف قرض کی اصلی رقم ہے، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے، اور سب سے پہلے جو ربا ختم کیا گیا وہ عباس ابن عبدالمطلبؓ کا ربا ہے جو پورے کا پورا ختم کر دیا گیا''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا

ہر وہ قرض جو کوئی نفع کھینچ کر لائے ربا ہے

(الجامع الصغیر للسیوطی بحوالہ حارث بن ابی اسامہ ص ۹۴ ج ۲ حدیث نمبر ۶۳۳۶)

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن لغیرہ ہے

(السراج المنیر للعزیزی ص ۸۱ ج ۳)

(۳) چنانچہ صحابہؓ و تابعینؒ بھی ''ربا'' کا یہی مطلب سمجھتے تھے کہ قرض پر طے کر کے لیا جانے والا ہر اضافہ ''ربا'' ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ،

مشہور صحابی ہیں، وہ ربا کی یہ تعریف کرتے ہیں:۔

كلّ قرض جرّ منفعةً فهو وجه من وجوه الربا

ہر وہ قرض جو کوئی منفعت کھینچ کر لائے وہ ربا کی اقسام میں داخل ہے

السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۵۰ ج۵

اور امام بخاریؒ نے کتاب الاستقراض "باب اذا أقرضه إلى أجلٍ مسمّى" میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول تعلیقاً نقل کیا ہے کہ:۔

قال ابن عمرؓ في القرض الى اجل لا بأس به وان أعطى افضل من دراهمه ما لم يشترط (صحیح بخاری ص۳۲۳ ج۱)

معین مدت کے لئے قرض دینے میں کوئی حرج نہیں۔ خواہ قرض دار اس کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کرے، بشرطیکہ (یہ بہتر دراہم ادا کرنا) قرض کے معاہدے میں طے نہ کیا گیا ہو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاہدہ میں یہ طے کر لیا جائے کہ قرض کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کیے جائیں گے تو وہ ربا میں داخل ہو کر حرام ہوگا۔

نیز حضرت ابو بردہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے مجھے نصیحت کی کہ تم ایک ایسی سرزمین میں آباد ہو جہاں ربا بہت عام ہے، لہٰذا اگر کسی شخص پر تمہارا قرض واجب ہو اور وہ تمہیں بھوسے یا جَو یا چارے کا گٹھا ہدیۃً دینا چاہے تو تم اسے قبول نہ کرو، کیونکہ وہ ربا ہے۔ (صحیح بخاری۔ مناقب عبداللہ ابن سلامؓ ص۵۳۸ ج۱)

اور حضرت قتادہ بن دعامۃ السدوسیؒ آیت "وان تبتم فلكم رؤس أموالكم" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما كان لهم من دين فجعل لهم أن يأخذوا رؤوس أموالهم ولا يزدادوا عليه شيئا

(تفسیر ابن جریرؒ ص۶۷ ج۳)

جس شخص کا کچھ قرض دوسرے پر ہو، اس کے لئے قرآن نے اصل رقم لینے کی اجازت دی، لیکن اس پر ذرا بھی اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(۴) علماء لغت نے بھی "ربا" کی یہی تشریح کی ہے، چنانچہ لغت عرب کے مشہور امام زجاج ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کل قرض یؤخذ بہ اکثر منہ "(تاج العروس ص ۱۴۱ ج ۱۰) یعنی "ہر وہ قرض جس کے ذریعہ اس سے زیادہ رقم وصول کی جائے" نیز لسان العرب وغیرہ میں بھی ربا کی یہی تعریف نقل کی گئی ہے۔

چنانچہ امت کے تمام علماء وفقہاء بلا اختلاف "ربا" کی یہی تعریف نقل کرتے آئے ہیں۔ امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اہل جاہلیت کے ربا کی قانونی اور جامع ومانع تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

"وهو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض" (احکام القرآن ص ۵۵۷ ج ۱)

قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت تک ادائیگی اور قرض دار پر مال کی کوئی زیادتی طے کر لی گئی ہو۔

مذکورہ بالا تصریحات نے "ربا" کے مفہوم میں کوئی تخفیف یا ابہام یا اجمال باقی نہیں چھوڑا، اور ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرض کے معاملہ میں قرض دار کے ذمہ اصل پر جو اضافہ بھی معاہدے میں طے کر کے لیا اور دیا جائے وہ ربا ہے، اس میں کم و زیادہ یا مفرد و مرکب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہی قرآن وسنت کا حکم ہے، یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے، اور اسلامی شریعت میں اس کے سوا کسی نظریہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(ب) کیا ظہور اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیش نظر ربا کی نئی تشریح کی جا سکتی ہے؟

ج: اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ جس چیز کی تشریح خود قرآن و حدیث نے کر دی ہو، جس پر صحابہ و تابعین متفق رہے ہوں، اور جس پر امت کا اجماع منعقد ہو

کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔

نیز یہ ارشاد ہے کہ:۔

"بین یدی الساعة یظهر الربا والزنا والخمر"

(طبرانی ورواته رواة الصحیح)

قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب کی کثرت ہو جائے گی۔

ان احادیث میں آپ صراحۃً بتلا رہے ہیں کہ آئندہ ایک زمانہ ایسا آ جائے گا جب سود یا اس کے غبار سے بچنا مشکل ہوگا، اس کے باوجود آپ اس سود کو "ربا" ہی قرار دیتے ہیں، اور کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ایسا نہیں دیتے کہ اس دور میں ربا کی "نئی تشریح" کر کے اسے حلال کر لینا چاہئے۔ پھر حدیث کی پیشن گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، لیکن جس ربا کی کثرت ہے وہ تجارتی سود ہے، کیونکہ مہاجنی سود کی ایسی زیادتی نہ ہوئی ہے اور نہ آئندہ بظاہر امکان ہے کہ اس سے کوئی انسان خالی نہ رہے، یہ بینکوں ہی کا سود ہے جس کے اثرات ہر کس و ناکس تک پہنچتے ہیں، اس سے مزید معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے، اس میں تجارتی اور مہاجنی ہر طرح کے سود شامل ہیں۔

سوال نمبر ۴

"کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق:

(۱) دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا

(۲) ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟"

ج: جہاں تک دو مسلم ریاستوں کا تعلق ہے، ان کے درمیان سود کے لین دین کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف رہا ہے کہ کسی غیر مسلم ریاست سے

سود لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس کی وجہ سود کا جواز نہیں، بلکہ یہ ہے کہ دار الحرب میں رہنے والے کافروں کا مال ان کی رضامندی سے وصول کر کے اس پر قبضہ کر لینا ان فقہاء کے نزدیک جائز ہے، دار الحرب کے کافر وہ مال خواہ کوئی نام رکھ کر دیں، ان فقہاء کے مسلک کے مطابق مسلمان اسے بحیثیت سود نہیں، بلکہ اس حیثیت سے وصول کر سکتے ہیں کہ وہ ایک حربی کا مال مباح ہے۔ لہٰذا اضطراری حالت میں اس نقطۂ نظر کو اختیار کر لینے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۳

"حکومت قومی ضروریات کے لئے جو قرضے جاری کرتی ہے کیا ان پر ادا ہونے والا سود ربا کی ذیل میں آتا ہے؟"

ج: یہ بھی ربا کی ذیل میں آتا ہے، کیونکہ "ربا" جس طرح انفرادی طور پر مسلمان کے لئے حرام ہے اسی طرح حکومت کے لئے بھی حرام ہے۔

سوال نمبر ۴

"کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بنکاری ممکن ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ان مفروضات کے مطابق؟"

ج: غیر سودی نظام بنکاری بلاشبہ ممکن ہے، اس کی تفصیلات تو اس مختصر سوالنامے کے جواب میں نہیں سما سکتیں، لیکن اس کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔ اس پر عمل کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس نظام کی مکمل تفصیلات مدون کرنے کے لئے صاحب بصیرت فقہاء اور ماہرین معاشیات و بنکاری کی ایک مجلس خاص اسی غرض کے لئے بنائی جائے جو ربا کی حلت و حرمت کی بحث میں وقت ضائع کرنے کے بجائے مثبت طور پر غیر سودی نظام بنکاری کی تفصیلات مرتب کرے۔ خاکہ درج ذیل ہے۔

اسلامی احکام کے مطابق بنکاری ''ربا'' کے بجائے ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کے اصولوں پر استوار کی جائے گی جس پر عمل مندرجہ ذیل طریقے سے ہوگا:۔

عوام جو رقمیں بینک میں رکھوائیں گے وہ دو قسموں پر مشتمل ہوں گی، عندالطلب قرضے (Current account) اور دوسرے مد مضاربت (Fixed Deposit) سیونگ اکاؤنٹ پہلی قسم میں شامل ہو جائے گا۔

عندالطلب قرضوں میں تمام رقوم بینک کے پاس فقہی نقطہ نظر سے قرض ہوں گی، کھاتہ دار ہر وقت بذریعہ چیک ان کی واپسی کا مطالبہ کر سکے گا، اور ان پر کوئی منافع کھاتہ دار کو نہیں دیا جائے گا۔ جیسا کہ موجودہ نظام بینکاری میں بھی اس مد پر سود کوئی سود نہیں دیا جاتا۔

البتہ مضاربت کے کھاتہ دار متعین مدت کے لئے جو تین ماہ سے ایک سال تک ہو سکتی ہے، رقم رکھوائیں گے اور اس رقم سے بنک (اس طریقے کے مطابق جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) جو منافع حاصل کرے گا اس میں متناسب طور سے (Proportionately) شریک ہوں گے۔ یعنی ان کی رقم کل لگے ہوئے سرمایہ (Invested money) کا جتنا فی صد حصہ ہے، بنک کے کل منافع میں سے اتنا ہی فیصد حصہ انہیں ملے گا۔

عندالطلب قرضوں اور مضاربت کھاتے کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقوم میں سے بنک ایک حصہ مد محفوظ (Reserve) کے طور پر رکھ کر باقی سرمایہ کاروباری افراد کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر دیگا۔ کاروباری افراد اس سرمایہ کو صنعت یا تجارت میں لگا کر جو نفع حاصل کریں گے اس کا ایک طے شدہ فی صد حصہ بینک کو اصل رقم کے ساتھ ادا کریں گے، اور بنک یہ منافع اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں کے درمیان طے شدہ متناسب حصوں کی صورت میں تقسیم کرے گا۔

مذکورہ طریق کار کے علاوہ غیر سودی نظام میں بنک اپنے وہ تمام وظائف بھی جاری

رکھے گا جو وہ اجرت پر انجام دیتا ہے، مثلاً لاکرز، ٹریولرچیک، بنک ڈرافٹ اور لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنا، بیع وشراء کی دلالی، کاروباری مشورے دینا وغیرہ۔ ان تمام خدمات کو بدستور جاری رکھ کر ان پر اجرت وصول کی جاسکے گی۔

یہ غیر سودی بنکاری کیلئے انتہائی مجمل اشارات ہیں۔ اس موضوع پر مفصل کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں اس نظام کی جزوی تفصیلات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ذاتی طور پر متعدد ماہرین بنکاری سے مشوروں کے دوران انہوں نے اس طریق کار کو بالکلیہ قابل عمل قرار دیا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ خاص اس غرض کے لئے ماہرین کی ایک مجلس بنادی جائے جو غور و خوض کے بعد اس نظام کی عملی تفصیلات مرتب کرے۔

سوال نمبر ۵

"کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے؟"

ج: اسلامی احکام کے اعتبار سے نجی بنکوں اور سرکاری بنکوں میں کوئی فرق نہیں؟ جن خدمات کی اجرت لینا نجی بنکوں کے لئے جائز ہے، ان کی اجرت سرکاری بنکوں کے لئے بھی جائز ہے اور سود کے معاملات نہ نجی بنکوں کے لئے جائز ہیں نہ سرکاری بنکوں کے لئے۔

سوال نمبر ۶

"کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیر نگرانی چلنے والے بنکاری کے کسی ادارہ کو نامعلوم مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اسلام کی رو سے ایسے ادارہ کی کیا

حیثیت ہوگی؟"

ج: جو بنک حکومت نے قائم کیے ہوں وہ حکومت کی ملکیت ہیں، لہٰذا انہیں مجہول الملک کے سوال میں داخل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۷

(الف) آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عامل پیداوار قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جاسکتا ہے؟

(ب) اگر جواب اثبات میں ہے تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

ج: یہ ایک نظریاتی بحث ہے جسے قرآن و سنت میں صراحۃً نہیں چھیڑا گیا، البتہ اس سلسلے میں قرآن و سنت کے احکام سے جو صحیح پوزیشن سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ "سرمایہ" کو عامل پیداوار شمار کیا گیا ہے، البتہ جس چیز کو آجکل علم معاشیات میں سرمایہ یا اصل (Capital) کہا جاتا ہے اور جس کی تعریف "پیدا شدہ ذریعہ پیدائش" سے کی جاتی ہے، وہ اسلامی شریعت کے اعتبار سے دو قسموں پر منقسم ہے:۔

(۱) وہ سرمایہ جس کا عمل پیداوار میں استعمال کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے، جیسے روپیہ اور اشیائے خوردنی۔

(۲) وہ وسائل پیداوار جن کا عمل پیدائش میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی اصل شکل و صورت برقرار رہتی ہے، مثلاً مشینری۔ تقسیم دولت میں ان دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کا حصہ منافع (Profit) ہے نہ کہ سود، اور دوسری قسم کو حصہ زمین کی طرح اجرت یا کرایہ (Rent) ہے۔

یہاں مختصراً اتنا اشارہ کافی ہے، اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور اس کی فنی تفصیلات احقر کے مقالے "اسلام کا نظام تقسیم دولت" میں موجود ہے جو ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۸

(الف) کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کئے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بنکاری کے اخراجات ادا کئے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو موثر طریقے سے چلانا ممکن ہے؟

(ب) اگر مندرجہ بالا سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل حل تجویز کر سکتے ہیں؟

ج: جی ہاں! ممکن ہے۔ یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بنک اپنی جن خدمات پر اجرت وصول کرتا ہے، مثلاً لاکرز، لیٹر آف کریڈٹ، بنک ڈرافٹ، بیع و شرا کی دلالی وغیرہ، انکی اجرت لینا جائز ہے، البتہ سود کا کاروبار ناجائز ہے، اور اسکی متبادل صورت سوال نمبر ۳ کے جواب میں آچکی ہے۔

سوال نمبر ۹

''کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے؟''

ج: جی ہاں! اور اس کی صحیح اسلامی صورت یہ ہے کہ:۔

(۱) بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اصولوں کے مطابق تجارت میں لگایا جائے، اور متعین سود کے بجائے اسی طریقے پر تجارتی نفع تقسیم کیا جائے جس کا ذکر غیر سودی بنکاری کے ذیل میں آیا ہے۔

(۲) بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی لینے والے اپنی رضامندی سے اس معاہدے کے پابند ہوں کہ اس کاروبار کے منافع کا ایک معتدبہ حصہ نصف یا تہائی یا چوتھائی ایک ریزرو فنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر اسے وقف قرار دیں گے، اور اسے حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول و قواعد کے ماتحت خرچ کیا جائیگا۔

(۳) بصورت حوادث یہ امداد صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی جو اس معاہدہ کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات شرعاً جائز ہیں ۔وقف علی الاولاد میں اس کی نظیر موجود ہے۔

(۴) اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی (الا یہ کہ کاروبار میں خسارہ ہو) اور وہی اس کی ملک سمجھی جائے گی، امداد باہمی کا ریزرو فنڈ وقف ہوگا جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا، اور اپنے وقف سے خود کوئی فائدہ اٹھانا اصول وقف کے منافی نہیں، جیسے کوئی رفاہ عام کے لئے ہسپتال وقف کرے، پھر بوقت ضرورت اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے، یا قبرستان وقف کرے، پھر خود اسکی اور اسکے اقربا کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

(۵) حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں، جو صورتیں عام طور پر حوادث کی شمار کی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتد بہ رقم مقرر کی جائے، اور جو صورتیں عرفاً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتیں جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جانا، اس کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لئے ساٹھ سال کو عمر طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر امداد دی جائے۔ متوسط تندرستی کو پہچاننے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جا سکتا ہے، اور بیمار یا کمزور آدمی کے لئے کسی پہلے سے عمر طبعی کا ایک اندازہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

(۶) کوئی شخص چند قسطیں ادا کرنے کے بعد سلسلہ بند کر دے تو اس کی رقم ضبط کر لینا، جیسا کہ آج کل معمول ہے، ظلم صریح اور حرام ہے۔ البتہ کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدے کی ایک شرط یہ رکھی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی، اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرح بھی کم رکھی

جو سکتی ہے۔ یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اثر معاملہ کے جواز و عدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری اور اجمالی خاکہ ہے، اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو تو اس پر مزید غور و فکر کر کے اسے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی قواعد کے ماتحت تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بنکنگ اور انشورنس کا مروجہ نظام بھی تو راتوں رات وجود میں نہیں آ گیا، بلکہ اس پر غور و فکر اور تجربات میں ایک عرصہ لگا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ مذکورہ بالا طریقے کا تجربہ کیا جائے، اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے تحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں غیر سودی بنکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آ سکتا ہے۔

سوال نمبر ۱۰ (۱)

"پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟"

ج: جہاں تک سیونگز بنک اکاؤنٹ کا تعلق ہے اس پر دیا جانے والا نفع بلاشبہ ربا ہے، کیونکہ وہ ربا کی اس تعریف میں داخل ہے جس کی تشریح سوال نمبر ا کے جواب میں کی گئی ہے۔

رہا پراویڈنٹ کا مسئلہ، سو اس کا بھی صاف اور بے غبار طریقہ تو یہی ہے کہ اس فنڈ کو بھی شرکت یا مضاربت کے اصول پر تجارت میں لگایا جائے اور اس سے جو تجارتی نفع حاصل ہو وہ فنڈ کے حصہ داران میں ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے۔ لیکن آجکل

(۱) جواب کی سہولت کے پیش نظر سوال نمبر ۱۰ کو مقدم اور نمبر ۹ کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔

جو طریقہ مروج ہے کہ محکمہ اس فنڈ کو تجارت وغیرہ میں لگا کر حصہ داروں کو سود کے نام سے کچھ معین رقوم دیتا ہے، ملازمین کیلئے ان کے لینے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ فقہی اعتبار سے وہ رقم ربا کی تعریف میں نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے کہ تنخواہ کا جو حصہ ملازم کو وصول نہیں ہوا وہ ابھی اس کی ملک میں نہیں آیا، بلکہ بدستور محکمہ ہی کی ملک ہے۔ اب محکمہ یا گورنمنٹ نے جو زیادتی پراویڈنٹ فنڈ کی رقم سے تجارت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی ہے وہ زیادتی ملازم کی مملوک شئے سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ نہیں، بلکہ اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے، اب اگر محکمہ اپنی ملک سے ملازم کو کوئی حصہ دیتا ہے تو وہ شرعاً سود نہیں بلکہ تبرع ابتدائی یعنی انعام ہے اس لئے ملازم کیلئے اسے وصول کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل احقر کے ایک رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ" میں موجود ہے جس کی دوسرے حضرات علماء نے بھی تصدیق فرمائی ہے۔ یہ رسالہ جواب کے ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۱

(الف) ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنا پڑتی ہے وہ جو بعد میں اس کے اسی فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

ج: پراویڈنٹ فنڈ کے معاملہ میں جو تشریح سوال نمبر ۱۲ کے جواب میں کی گئی ہے اس کی روشنی میں شرعی نقطہ نگاہ سے یہ نہ قرض ہے نہ سودی معاملہ۔ قرض تو اس لئے نہیں کہ ملازم کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اور جس کے مطالبہ کا اسے حق تھا اس نے اسی کا ایک حصہ وصول کیا ہے۔ اور بعد کی تنخواہوں سے جو رقم ادائے قرض و سود کے نام سے بالاقساط کاٹی جاتی ہے وہ بھی ادائے قرض نہیں، بلکہ فنڈ میں جو رقم معمول کے مطابق ہر ماہ کٹتی تھی، اسی کی طرح یہ بھی ایک کٹوتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ان مہینوں میں کٹوتی کی مقدار زیادہ ہوگئی، جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب رقم بالآخر اسی کو واپس ملے گی۔

(ب) اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی جانب سے کچھ رقم کا اضافہ کرے تو صورت حال کیا ہوگی؟

ج: اس سے بھی مذکورہ صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ آجر جس رقم کا اپنی طرف سے اضافہ کر رہا ہے وہ اسکی طرف سے تبرع (ایک طرح کا انعام) ہے۔

سوال نمبر ۱۲

''کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بنک اکاؤنٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

ج: انعامی بانڈز میں یہ ہوتا ہے کہ بانڈ خریدنے والے ہر شخص کی رقم پر سود لگایا جاتا ہے، لیکن معینہ مدت پورے ہونے پر ہر شخص کو سود اسی کو دینے کے بجائے سود کی مجموعی رقم صرف ان افراد پر تقسیم کر دی جاتی ہے جن کا نام قرعہ اندازی میں نکل آئے، لہٰذا جو رقم بانڈ پر ''انعام'' کے نام سے دی جاتی ہے وہ درحقیقت سود اور ربا ہے، فرق یہ ہے کہ عام حالات میں اتنی رقم پر جتنا سود ملتا، بانڈ کے ''انعام'' میں اتنے سود کے علاوہ بعض دوسرے افراد کی رقموں پر لگنے والا سود بھی شامل ہوتا ہے جو انعام یافتگان کو بذریعۂ قمار دیا جاتا ہے۔

اس طرح انعامی بانڈز کے مروجہ طریقے میں سود کی رقم کو قمار کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ اہل علم کے مشورے سے اس طریقے میں ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے جس کے ذریعہ اس میں سود اور قمار باقی نہ رہے۔

رہا سیونگ بنک اکاؤنٹ، سو اس کے بارے میں پیچھے بار بار عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ خالص ربا کا معاملہ ہے، لہٰذا اس پر انعام کے نام سے جو رقم دی جائے گی وہ ''عقد ربا'' پر دیا جانے والا انعام ہے جس کا لینا جائز نہیں۔

سوال نمبر ۱۳

''کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا

"درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے
بلا سود ہوں؟"

ج: سوال نمبر ۱ کے جواب میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ "ربا" کی حقیقت ہر وہ زیادتی ہے جو کسی قرض کے مقابلہ میں طے کر کے لی اور دی جائے۔ اس میں یہ سوال قطعی خارج از بحث ہے کہ قرض لینے والا کس مقصد کیلئے قرض لے رہا ہے؟

اس معاملہ میں اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو قرض دے رہا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو پہلے یہ متعین کرنا چاہئے کہ وہ یہ روپیہ اس شخص کی امداد کے طور پر دے رہا ہے یا اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہے، اگر وہ روپیہ دوسرے کی امداد کی غرض سے دے رہا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس امداد کو امداد ہی رہنے دے اور نفع کے ہر مطالبہ سے دستبردار ہو جائے، وہ صرف اتنے ہی روپے کی واپسی کا مستحق ہوگا جتنے اس نے قرض دیئے تھے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ روپیہ دے کر کاروبار کے نفع سے مستفید ہو تو اسے "شرکت" یا "مضاربت" کے طریقوں پر عمل کرنا پڑے گا یعنی اسے کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں کی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی۔ ان دو صورتوں کے سوا اسلام میں کوئی تیسری راہ نہیں ہے جس کے ذریعہ کوئی فریق اپنا نفع ہر حال میں متعین کرلے جب کہ دوسرے کا نفع موہوم اور مشتبہ ہو۔

سوال نمبر ۱۴

"کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لئے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟"

وسوال نمبر ۱۵

"اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے تو اسلامی نظام معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لئے کونسے محرکات استعمال کئے جائیں گے؟"

ج: یہ دونوں سوال درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور ان کا جواب یہ ہے کہ اگر بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے تو کھاتہ داروں کو آج کی معمولی شرح سود سے کہیں زیادہ منافع حاصل ہوگا، کیونکہ وہ پورے کاروبار کے شریک ہوں گے، لہٰذا جو بچت قومی مقاصد کے لئے ضروری ہے اس کے لئے اس سے بڑھ کر ترغیبی نظام اور کیا ہوگا؟

صرف سیونگ اکاؤنٹ کا مسئلہ رہ جاتا ہے، کیونکہ غیر سودی نظام میں نہ اس پر سود ملے گا اور نہ منافع، لیکن اول تو جدید ماہرین معاشیات کی عام رائے یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ کی معمولی شرح سود بچت کے لئے کوئی قوی اور فیصلہ کن محرک نہیں ہوتی۔ بچت کی اصل وجہ بذات خود کفایت شعاری اور پس اندازی ہی کا جذبہ ہوتا ہے۔ اسلئے سیونگ اکاؤنٹ پر سود نہ دینے سے اس مد میں کوئی معتدبہ کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ مد مضاربت (Fixed Deposit) کی مدتیں کم کر کے تین ماہ سے ایک سال تک بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ اس طرح بچت کے ساتھ نفع کے خواہش مند اس مد کی طرف بآسانی رجوع کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۶

> "جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنی اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے، مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تشکیل میں ماہرین معاشیات "فرضی شرح سود" سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی کمیابی کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ کیا اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے؟"

ج: سوال پوری طرح واضح نہیں ہے، تاہم اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقیاتی منصوبہ بندی وغیرہ میں فرضی شرح سود کو بنیاد بنا کر فیصلے کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تو اسکا

جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت وہیں پیش آسکتی ہے جہاں سود عملاً جاری وساری بھی ہو۔ لیکن اگر معیشت کو غیر سودی نظام کے مطابق استوار کر لیا جائے تو فرضی شرح سود کی کوئی ضرورت یا فائدہ باقی نہ رہے گا۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

احکام القمار

جوے، سٹے، لاٹری اور معمے وغیرہ کے احکام

تاریخ تالیف ——— شعبان ۱۳۷۴ھ (مطابق ۱۹۵۵ء)

مقام تالیف ——— لاہور

مدت تالیف ——— ایک دن

اشاعت اول ——— ادارہ اسلامیات لاہور

آج کل قمار بازی کی مختلف صورتیں معاملات میں رواج پا گئی ہیں۔ اس رسالہ کا مقصد ان کی تشریح و توضیح اور قرآن و سنت اور فقہ سے ان کے احکام بیان کرتا ہے۔

احکام القمار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی:

اما بعد! آج کل دین کے ہر شعبہ اعتقادات، عبادات، معاملات سبھی میں ہماری سستی اور غفلت کی انتہا ہو گئی ہے، اگر اسلام کی صحیح تفسیر کے مطابق مسلمانوں کو وزن کیا جائے، تو دنیا کے کروڑوں مسلمانوں میں بہت ہی کم تعداد نکلے گی، جو سچا مسلمان کہلانے کا مستحق ہو، خصوصاً معاملات کا تو یہ حال ہو گیا کہ گویا ان کو جزو دین ہی نہیں سمجھا گیا، جو لوگ مسجد میں پکے اور سچے مسلمان نظر آتے ہیں، بازاروں، کارخانوں، سرکاری ملازمتوں میں وہ بھی اسلام اور اس کی تعلیمات سے بے گانہ اور بے بہرہ محسوس ہوتے ہیں، اور معاملات میں وہ بھی سب کچھ وہی کرتے ہیں، جو اسلام اور اس کی تعلیمات کے منکر کیا کرتے ہیں، بہت سے وہ حضرات جو زہد و عبادت میں معروف اور مشائخ و مقتداء مانے جاتے ہیں، حیرت یہ ہے کہ ان میں بھی معاملات کے بارے میں بڑی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، حالانکہ حلال روزی سارے اعمال کی روح ہے۔

بعض حضرات نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ شاگرد امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کہا کہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، مگر تصوف و سلوک میں کوئی کتاب نہیں لکھی، فرمایا کہ لکھ تو دی، کتاب البیوع اور کتاب المعاملات، سارا تصوف اسی پر منحصر ہے کہ انسان کا کھانا

جیتا حلال ہو، اور وہ انہیں کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

یوں تو ہمارے معاملات سارے ہی گڑ بڑ ہیں، مگر اس وقت خصوصیت سے ایسے معاملات کی کثرت ہوگئی، اور ہوتی جاتی ہے، جن میں قمار (جوا) شامل ہے، جس کو قرآن میں ایک حیثیت سے بت پرستی کے برابر قرار دیا گیا ہے، اس لئے دل میں تقاضا کہ قمار کے متعلق قرآن وحدیث کی وعیدیں اور اس کے مروجہ احکام رسالہ کی صورت میں جمع کردیئے جائیں، اتفاقاً شعبان ۱۳۷۰ھ میں مجھے کراچی سے لاہور کا سفر کرنا ہوا، اور یہاں اتفاقی طور پر چند روز قیام کرنا پڑا، اس فرصت میں اس مسئلہ کا خیال آیا، اور برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہٗ ناظم ادارۂ اسلامیات لاہور سے اس کا ذکر آیا، انہوں نے اصرار کیا کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس وقت یہ رسالہ لکھ دیا جائے، بنام خدائے تعالیٰ قلم اٹھایا، اور بعونہٖ تعالیٰ یکم شعبان ۱۳۷۰ھ روز سہ شنبہ کو ایک ہی دن میں یہ رسالہ مکمل ہوگیا، اللہ اس کو ہم سب مسلمانوں کے لئے نافع ومفید بنادیں۔ آمین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

یکم شعبان ۱۳۷۰ھ

قمار کی تعریف

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو، اصطلاحِ شرع میں قمار اور میسر کہلاتا ہے، اردو زبان میں اس کو جوا کہا جاتا ہے، جیسے دو شخص آپس میں بازی لگائیں کہ تم آگے بڑھ گئے، تو میں تم کو ایک ہزار روپیہ دوں گا، اور میں بڑھ گیا تو تمھیں ایک ہزار دینے پڑیں گے، یا اس طرح کہ اگر آج بارش ہوگئی، تو تم ایک ہزار روپیہ مجھے دینا اور اگر نہ ہوئی تو میں تم کو دوں گا۔

یا بند ڈبے ایک مقررہ قیمت مثلاً چار آنہ فی ڈبہ کے حساب سے فروخت کئے جائیں، کسی ڈبہ میں پانچ روپیہ کی چیزیں ہوں، اور کسی میں دو پیسے کی تو اس ابہام اور دائر بین النفع والضرر صورت میں اس کی خریداری قمار ہے، اس کی مختلف لاتعداد صورتیں ہوسکتی ہیں، اور ہر زمانہ میں، ہر خطہ میں مختلف طریقوں سے قمار کھیلا جاتا رہا ہے۔

عرب میں اس کا ایک خاص طریق تھا، کہ قمار کے لئے دس تیر دس ناموں سے متعلق تھے، اور تیر کے نام پر کچھ حصے ایک یا دو یا تین یا زیادہ مقرر تھے، بعض تیر بے نصیب بھی تھے، جن پر کوئی حصہ مقرر نہ تھا، ان تیروں کو رلا ملا کر ایک ایک شخص کے نام سے ایک ایک تیر کسی شخص سے نکلواتے تھے، جس شخص کے نام پر جس قسم کا تیر نکل آیا، وہی اس کا نصیب ہوتا تھا، اور اس تیر پر جتنے حصے مقرر تھے، وہ ان کا مالک سمجھا جاتا تھا، اور جس شخص کے نام پر بے نصیب تیر نکلا وہ بالکل محروم رہتا تھا، اس کے ساتھ عادت یہ تھی کہ ایک اونٹ ذبح کر کے اس کو ان تیروں کے مقررہ حصوں کے موافق تقسیم کرتے تھے، اور جس شخص کے نام بے نصیب نکلا ایک طرف تو وہ اونٹ کے گوشت سے محروم رہتا تھا، دوسری طرف اونٹ کی قیمت بھی اسی کو ادا کرنا پڑتی تھی، اس خاص قسم کے قمار کو قرآن میں میسر اور ازلام کے نام سے موسوم فرمایا ہے، میسر وہ اونٹ جو قمار کے لئے ذبح کر کے تقسیم کیا جائے، اور ازلام وہ تیر جن کے ذریعہ قمار کے حصوں کی مقدار متعین کی جائے، اس کے علاوہ خرید و فروخت میں

بھی مختلف صورتیں قمار کی رائج تھیں، جن کو بیع ملامسہ، یا منابذہ وغیرہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور احادیث نبویہ میں ان کی حرمت وارد ہوئی ہے۔

اسلام سے پہلے قمار نہ صرف رائج بلکہ شرافت وعزت اور مایۂ فخر سمجھا جاتا تھا، اور مزید تفاخر کے لئے یہ لوگ جو کچھ قمار میں جیت لیتے تھے، اس کو نہ کھاتے بلکہ فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ (تفسیر کبیر للرازی ص ۲۳۳، ج ۲)

قمار کی حرمت

دین اسلام جو الٰہیات اور عبادات کی طرح معاشیات اور اقتصادیات میں بھی اپنا ایک عادلانہ اور معتدلانہ نظام رکھتا ہے، وہ اس اندھیر نگری کو کب روا رکھ سکتا تھا، جس میں کوئی شخص کسی کے مال کو بغیر صحیح استحقاق کے قبضہ میں لے، اور جس کے نتیجہ میں کوئی غریب سے غریب اور مفلس سے مفلس ہوتا چلا جائے، اور دوسرا بغیر کسی عمل کے قارونی خزانے جمع کرتا جائے، یا غرباء و فقراء کی جیبوں سے ایک بڑی رقم جمع کر کے کسی ایک فرد کو بلا وجہ شرعی اس کا مالک بنا دیا جائے، اس لئے ضروری تھا کہ اس کو ناجائز قرار دے۔ لیکن دین فطرت کی وسعت و ہمہ گیری اور انسانی جذبات کی رعایت قابل دید ہے۔ یہی حکمت ہے کہ شراب اور قمار جو عام لوگوں کی طبیعت ثانیہ بنے ہوئے تھے، ان کو حرام کرنے کا ارادہ کیا گیا تو یک وقت ان کی حرمت مطلقاً نازل نہیں ہوئی، بلکہ ابتداء ان کی خرابیاں بتلائی جاتی رہیں، ایک عرصہ کے بعد جب ان کی برائی قلوب میں مستقر ہوگئی، اس وقت حرمت کے احکام نازل کئے گئے۔

چنانچہ ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے متعلق سوال کیا گیا کہ یہ حرام ہے یا حلال ہے؟ ان کے لئے پہلی آیت سورۂ بقرہ کی نازل ہوئی:

يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير و
منافع للناس و اثمهما اكبر من نفعهما. (سورۂ بقرہ: ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں، (مگر) ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے۔

اس آیت میں حرمت یا حلت کا معاملہ پوری طرح صاف نہ ہوا خاص خاص صحابہ کرامؓ تو وحی کی روش اور طرز سے اس کا ناپسندیدہ ہونا معلوم کر کے ابتداء ہی ان چیزوں سے پرہیز کرنے لگے، لیکن عام طور پر مسلمان صریح حرمت نازل ہونے تک استعمال کرتے رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس میں کوئی قطعی فیصلہ صادر نہ ہوا، تا آنکہ سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔

یا ایها الذین امنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر و یصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوۃ فهل انتم منتهون۔

اس آیت میں پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ شراب وقمار کی حرمت نازل ہوگئی، اور اس کی حرمت کو اتنی تاکیدوں کے ساتھ بیان کیا گیا کہ حسب تحریر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اول اس کے بیان کو لفظ انما سے شروع فرمایا جو عربی محاورہ کے اعتبار سے ایک خاص تاکید کا مضمون پیدا کرتا ہے، دوسرے ان چیزوں کو رجس (یعنی گندی چیز) فرمایا گیا جس سے طبع سلیم خود ہی اجتناب کرے، تیسرے اس کو شیطان کا کام قرار دیا گیا، چوتھے خمر وقمار کی حرمت کو بت پرستی کے ساتھ جمع کر کے اس کی انتہائی شدت جتلائی گئی کہ یہ چیزیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور یہ سب کچھ بتلا کر فاجتنبوہ یعنی اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا، پھر اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس کی دنیوی اور دینی خرابیاں اگلی آیت میں اس طرح بیان کی ہیں کہ

شیطان ان چیزوں سے تمہاری دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنا چاہتا ہے کہ دنیا میں اس کی وجہ سے تمہارے آپس میں بغض و عداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے، جس کے مفاسد بہت دور تک پہنچتے ہیں، اور ان چیزوں کی عادت اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز جیسے فریضہ سے انسان کو روک دیتی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے آمین۔

نزولِ حرمت کے بعد صحابۂ کرام کا جذبۂ اطاعت شعاری

دیرینہ عادات اور قومی رسوم انسان کی طبیعت میں جبلت اور فطرت کی جگہ لے لیتی ہیں، امت مسلمہ کیلئے یہ ایک سخت ترین امتحان کا وقت تھا کہ جو چیزیں آج تک ان کی جزو زندگی اور مایۂ شرافت و اعزاز تھیں، آج ان کو سخت ترین حرام قرار دے دیا گیا، یہ وقت بھی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

سبحان اللہ ایک طرف دینِ فطرت کے قانون میں انسانی جذبات و عادات کی رعایت جس طرح قابلِ شکر و امتنان تھی، اسی طرح نزولِ حرمت کے بعد امتِ مسلمہ کا جذبۂ فرمانبرداری و اطاعت شعاری بھی دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت مذکورہ نازل ہونے پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک منادی بھیج دیا، جو مدینہ کی گلیوں میں یہ اعلان کردے۔

الا ان الخمر قد حرمت

خبردار! کہ شراب حرام کردی گئی۔

منادی کی آواز تھی، یا کوئی بجلی کی رو جس نے طبائع اور جذبات کو یکسر بدل ڈالا شراب جواب سے چند منٹ پہلے عرب کی محبوب ترین چیز اور جزو زندگی تھی، اس آواز کے سنتے ہی جس کے ہاتھ میں جام تھا، اس نے جام کو زمین پر پھینک دیا، جس کے منہ سے لگا ہوا تھا، کلی کر دی، گھر گھر سے جام و سبو کے توڑنے کی آوازیں آنے لگیں، مدینہ کی گلیوں میں

شراب اس طرح بہ رہی تھی، جیسے بارش کے بعد رو کا پانی۔

جلیل القدر صحابی حضرت انس ابن مالک کا بیان ہے کہ اس وقت ابوطلحہ کے مکان میں صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی، جس میں ابوعبیدہ بن الجراح، ابودجانہ، معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء جیسے اکابر شامل تھے، میں اس جماعت میں ساقی بنا ہوا ان کو شراب پلا رہا تھا، کہ یکایک منادی کی آواز میرے کان میں پڑی اور دوسرے حضرات نے بھی سنی۔

ہم میں سے کسی نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ باہر نکل کر معاملہ کی مزید تحقیق کر لیں، بلکہ جام شراب ہاتھوں سے پھینک دیے، مٹکے اور صراحیاں توڑ کر ساری شراب نالیوں کے راستے بہا دی گئی، اور ہم سب وضو اور غسل کر کے مسجد کی طرف چلے وہاں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیات مذکورہ تلاوت فرما رہے تھے۔

(ابن کثیر ص ۹۴، ج ۲)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ایک جماعت کے ساتھ پینے اور پلانے میں مشغول تھے، منادی کی آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ جس کے ہاتھ میں جام شراب تھا، ہاتھ سے پھینک دیا اور جس کے منہ کو لگا ہوا تھا، اس نے فوراً اسی جام میں کلی کر دی، جو بڑے برتنوں میں تھی، سب کو پھینک دیا گیا۔ (ابن کثیر ص ۹۵، ج ۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی کا کاروبار یہی تھا کہ خیبر سے شراب لاتے اور مدینہ میں فروخت کرتے تھے، اتفاقاً نزول حرمت کے وقت وہ خیبر شراب لینے کے لئے گئے ہوئے تھے، کافی مقدار شراب کی مشکیزوں میں لئے ہوئے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، کہ کوئی صحابی راستہ میں مل گئے، اور یہ خبر سنا دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، شراب لانے والے یہ بزرگ جس جگہ تک پہنچے تھے، وہیں کھڑے رہ گئے، اور اس کو گوارا نہ فرمایا کہ حرمت کی خبر سننے کے بعد شراب کے مشکیزوں کو لے کر ایک قدم بھی آگے بڑھائیں، بلکہ وہیں ایک ٹیلہ پر یہ سب مشکیزے رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کیا صحیح ہے؟ آپ نے تصدیق فرمائی، پھر

عرض کیا کہ کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں نے جس سے خریدا ہے، اسی کو واپس کر دوں، فرمایا نہیں، اب وہ کا داپس کرنا بھی آپ کے لئے جائز نہیں، عرض کیا کہ میں یہ کسی غیر مسلم کو ہدیہ دیدوں جس کے مجھ پر احسان ہیں، ارشاد ہوا کہ (یہ بھی) نہیں، پھر عرض کیا کہ اس مال میں چند یتیموں کا مال بھی شامل تھا، جو میری سرپرستی میں ہیں، اس کا کیا کروں؟ ارشاد فرمایا کہ جب ہمارے پاس بحرین کا مال (سرکاری خزانہ) آئے، اس وقت آ جاؤ، یتیموں کے حق کا معاوضہ بیت المال سے دے دیا جائے گا، (یہ بزرگ خدمت اقدس سے واپس ہوئے) اور اسی ٹیلے پر مشکیزوں کے دہانے کھول دیے جس کے نیچے شراب اس طرح بہنے لگی، جیسے بارش کا پانی۔ (تفسیر ابن کثیر ص:۹۶، ج:۲)

یہ موقع حرمت شراب کی روایات و واقعات جمع کرنے کا نہیں، مگر چونکہ شراب کی حرمت میسر و قمار کے ساتھ ساتھ نازل ہوئی، اس لئے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کے جذبۂ اطاعت شعاری کا ایک نمونہ پیش کرنے کے لئے یہ روایات قلم پر آ گئیں۔

انہیں روایات سے اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ جب ان مقبولان الٰہی کا شراب جیسی چیز کے بارے میں یہ حال ہے، جس کا ایک وقت چھوڑنا بھی دشوار تھا، تو میسر و قمار سے ان حضرات کے اجتناب و پرہیز کا کیا حال ہوا ہوگا۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آیت کے نزول کے بعد جن امور میں قمار کا شبہ بھی ہوتا، تو صحابہ کرام اس کے پاس نہ جاتے تھے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قال لصاحبه تعال اقامرک فليتصدق۔ اگر کسی شخص نے کسی سے محض زبان سے بھی کہہ دیا کہ آؤ جوا کھیلیں (خواہ عمل نہ کیا ہو) تو وہ بھی ایک گناہ کا مرتکب ہو گیا، اس کو چاہئے کہ اس گناہ کی تلافی کے لئے صدقہ کرے۔

تنبیہ

افسوس ہے کہ شراب اور قمار جن کی حرمت قرآن کریم میں اس قدر تاکید سے آئی، اور حدیث میں محض زبان سے کہہ دینے کو بھی جرم قرار دیا گیا، آج کے مسلمان اس سے اتنے غافل ہیں کہ گویا قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت ہی نہیں ہے، یا معاذ اللہ ان کا قرآن و حدیث پر ایمان ہی نہیں، اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اس میں بہت سے وہ لوگ بھی مبتلا ہیں، جو نماز روزہ کے اعتبار سے دیندار سمجھے جاتے ہیں، ان کی واقفیت اور اطلاع کے لئے قمار کی وہ صورتیں بھی لکھی جاتی ہیں، جو آج کل عموماً رائج ہیں۔

قمار کی مروجہ صورتیں

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الشطرنج من المیسر (رواہ ابن ابی حاتم)

شطرنج بھی قمار میں داخل ہے۔

کل شیٔ من القمار فھو من المیسر حتی لعب الصبیان بالجوز۔ (ابن کثیر ص: ۱۰۱ ج:۲)

ہر چیز جو قمار میں داخل ہے وہ میسر ہی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ بچے جو اخروٹ وغیرہ سے ہار جیت کا کھیل کھیلتے ہیں وہ بھی قمار ہے۔

اور حضرت راشد بن سعد اور حمزہ بن حبیب کا قول بھی یہی ہے کہ بچے جو لکڑیوں سے یا اخروٹ اور بیضوں سے ہار جیت کا کھیل کھیلتے ہیں یہ بھی قمار میں داخل ہیں۔

قمار کی مذکور الصدر تعریف اور حضرات صحابہ و تابعین کی توجیہ سے ثابت ہوا کہ ہمارے زمانہ کے مندرجہ ذیل کھیل بھی قمار میں داخل ہیں، اور قرآن کریم کی وعید شدید ان پر عائد ہوتی ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے اعمال کا جائزہ لے کر

ان سے بچنے اور بچانے کی فکر کریں۔

گھوڑ دوڑ

موجودہ زمانہ کی ریس (گھوڑ دوڑ)(۱) گھوڑوں کے نمبر پر اپنا اپنا لگانا اور اس سے فیس جمع کرانا کیونکہ یہ وہی نفع و نقصان دائر، مبہم قماری صورت ہے، جس میں کوئی شخص اپنی جمع کردہ فیس بھی ہار دیتا ہے اور کوئی شخص بڑی رقم حاصل کر لیتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہر قسم کی لاٹری بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔ جس کی مختلف صورتیں بازاروں اور دکانوں میں رائج ہیں ان میں سے چند مشہور و معروف اقسام کے احکام لکھے جاتے ہیں۔

اخباری معمے

آج کل دنیا کی طرح قمار کی یہ صورت عام ہو گئی ہے جو حل معمہ کے عنوان سے بہت سے اخباروں اور بعض رسالوں کا جزو لازم بن گیا ہے معمہ کی مختلف صورتیں لکھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا صحیح حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً ایک روپیہ فیس کا بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان میں سے انعام اس شخص کو دیا جائے گا جس کا نام لاٹری یا قرعہ اندازی کے ذریعہ نکل آئے، اس میں بعض لوگ بڑے بڑے انعامات بھی مقرر کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام غریب طبقہ کے لوگ بھی یہ سمجھ کر کہ فیس معمولی ہے ایک روپیہ ضائع بھی ہو گیا تو کوئی بڑا نقصان نہیں اور اگر کہیں نام نکل آیا تو مالا مال ہو جائیں گے، اس طمع میں قوم کے ہزاروں لاکھوں افراد معموں کے حل اور ان کے ساتھ ایک ایک روپیہ بھیج دیتے ہیں کھلا ہوا قمار (جوا) ہے کہ ہر ایک شخص اپنی فیس کا ایک روپیہ ایسے موہوم طریق پر ڈالتا ہے کہ یا تو یہ روپیہ بھی ضائع ہو گیا اور یا ہزاروں روپے

(۱) گھوڑ دوڑ کی یہ دو صورتیں جو آجکل ہیں اور ان کے متعلق مقالہ اس رسالہ کے آخر میں دیکھئے۔ محمد شفیع

کر آیا، اسی کا نام شرع اسلام میں جوا یا قمار ہے، بعض رسالوں میں یہ کاروبار کروڑوں کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اس میں اگر وہ کوئی اور بے ایمانی بھی نہ کریں، بلکہ وعدہ کے مطابق انعامات تقسیم کر دیں، تب بھی اس کاروبار والوں کو لاکھوں کروڑوں کی رقم بچ جاتی ہے، جو لاکھوں غریبوں کے خون پسینہ کی کمائی ہوتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں، ان کا خون چوس کر لکھ پتی کروڑ پتی بنتے چلے جائیں، قمار کے حرام اور ناجائز ہونے کی ایک یہی وجہ کافی ہے، کیونکہ اسلام کے اقتصادی نظام میں اصولی طور پر شدت کے ساتھ اس کا انسداد کیا گیا ہے کہ دولت عوام کے ہاتھوں سے سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں مقید ہو جائے۔

معمہ بازی کا مروجہ قمار اس وجہ سے اور بھی زیادہ سخت اور ہزاروں گناہوں کا مجموعہ ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کے لئے ڈنکے کی چوٹ تمام عوام کو دعوت دی جاتی ہے، ہر ایک آدمی جو اس میں حصہ لیتا ہے، قرآن کے کھلے ہوئے حکم کی خلاف ورزی کر کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کاروبار کے چلانے والوں پر ان سب کے گناہوں کا وبال عائد ہوتا ہے، اور جو لوگ اس کاروبار کی کسی درجہ میں اعانت کرتے ہیں، وہ بھی شریک گناہ ہوتے ہیں، اس طرح بیک وقت لاکھوں کروڑوں مسلمان علانیہ طور پر اللہ و رسول کے صریح حکم کے خلاف ایک حرام قطعی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اور اس میں ہزاروں لاکھوں دیندار مسلمان بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اور پھر اس کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس وبال سے سب کو نجات عطا فرمائیں۔

مختلف مالیت کے بنڈلوں کی خرید و فروخت

بازاروں اور نمائشوں میں بنڈلے فروخت کئے جاتے ہیں، کسی میں ایک پیسہ کا مال بھی نہیں ہوتا، اور کسی میں زیادہ مال ہوتا ہے، لوگ اس کو قسمت آزمائی سمجھ کر اختیار کرتے

ہیں، یہ بھی کھلا ہوا قمار حرام ہے۔

بچوں کے مختلف کھیل

بعض شہروں میں بچے بادام، اخروٹ یا کانچ کی گولیوں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں، یہ بھی قمار میں داخل ہے، اور حرام ہے، بعض شہروں میں کنکوے اڑا کر پیسوں کی ہار جیت کا کھیل کھیلا جاتا ہے، دیہات میں لکڑی کی گیندیوں یا سرکنڈے کے پوروں سے ہار جیت کھیلی جاتی ہے، یہ بھی قمار ہے۔

سٹہ

سٹہ کا سارا کاروبار سٹہ ہی ہے، اور بنص قرآن حرام ہے، اس کے کاروبار میں کسی قسم کی اعانت بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی

بعض لوگ پتنگ بازی اور کبوتر بازی پر روپیہ کی ہار جیت کھیلتے ہیں، یہ کھیل خود بھی ناجائز ہیں، اور ان میں روپیہ پیسہ کی ہار جیت دوسرا مستقل گناہ اور حرام صریح ہے۔

انشورنس یا بیمہ

بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا نام دے کر جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس کی مروجہ صورتیں جتنی ہماری نظر سے گزری ہیں، سود اور قمار سے خالی نہیں، اس لئے وہ سب حرام ہیں، اختیاری حالات میں اس میں مبتلا ہونا گناہ عظیم ہے، اس مسئلہ کی تفصیل علیحدہ رسالہ بیمہ زندگی میں لکھی گئی ہے، اس میں ملاحظہ فرماویں۔

نمائشوں کے انعامی ٹکٹ

چند سال سے کراچی لاہور وغیرہ میں دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف قسم کی نمائشوں کے

اندر داخلہ کا ٹکٹ ہوتا ہے، اور نمائش کے منتظمین یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو شخص مثلاً دس روپیہ کا ٹکٹ یک مشت خرید لے گا وہ اپنے اس ٹکٹ کے ذریعہ عام لوگوں کی طرح نمائش میں بھی داخل ہو سکے گا، اور ان ٹکٹوں پر بذریعہ قرعہ اندازی کچھ انعام مقرر ہوتے ہیں جس کا نمبر نکل آوے، اس کو وہ انعام بھی ملتا ہے۔

یہ صورت صریح قمار سے تو نکل جاتی ہے، کیونکہ ٹکٹ خریدنے والے کو اس ٹکٹ کا معاوضہ بصورت داخلہ نمائش مل جاتا ہے، لیکن اب مدار نیت پر رہ جاتا ہے، جو شخص موہوم انعام کی غرض سے یہ ٹکٹ خریدتا ہے وہ ایک گونہ قمار کا ارتکاب کر رہا ہے، اور جس کے پیش نظر صرف نمائش میں جانا اور اجتنابِ انعام کی ہوس پیش نظر نہیں پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا، وہ قواعد کی رو سے قمار کے حکم سے نکل گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نوٹ

ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ میں خواجہ ناظم الدین صاحب سابق گورنر جنرل پاکستان نے ریس (گھوڑ دوڑ) کے متعلق ایک سوال بھیجا تھا، جس کا جواب کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا گیا، مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بھی اس رسالہ کا جزو بنا دیا جائے، وہ بطور ضمیمہ ملحق کر دیا گیا ہے۔ واللہ الموفق والمعین

بندہ

محمد شفیع

یکم رمضان ۱۳۷۹ھ

فی اربع ساعات بلاہور

گھوڑ دوڑ کے شرعی احکام

آج کل مسلمانوں کی معاشرت، معاملات، اخلاق اسلام سے جس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں، وہ کسی پر مخفی نہیں سود، قمار، رشوت جو قرآن وحدیث کی بے شمار تصریحات سے باجماع امت حرام ہیں، آج مسلمانوں کا کوئی بازار کوئی سوسائٹی کوئی گھر ان سے خالی نہ رہا۔ الا ماشاء اللہ

ان بلاؤں کا شکار ایک تو وہ طبقہ ہے جس کو حلال حرام اور شریعت کی موافقت مخالفت کی طرف کوئی التفات ہی نہیں، ان کے سامنے تو ان کے احکام پیش کرنا ایک درجہ میں بے سود ہے، لیکن ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو کچھ نہ کچھ اس کی فکر رکھتا ہے، مگر ناواقفیت یا غفلت کی وجہ سے ان میں مبتلا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ضرورت ہے کہ ان کو صحیح احکام سے آگاہ کیا جائے، انھیں مسائل میں سے آج کل ایک اہم مسئلہ ریس (گھوڑ دوڑ) کا ہے، جس میں ابتلاء عام ہے، شریعت اسلام کے عادلانہ اور معتدلانہ نظام میں نہ ہر کھیل سے مطلقاً روکا گیا ہے، اور نہ اس کو غیر محدود وسعت دی گئی ہے، بلکہ جن کھیلوں کے ذریعہ قوت جہاد اور قوت جسمانی پیدا ہوتی ہے، ان کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن قرار دیا گیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کے استحسان کو ثابت فرمایا، آپ نے خود گھوڑ دوڑ کرائی۔ پیادہ دوڑ پر انعام دیا، تیراندازی اور تیراکی سیکھنے کی ہدایت فرمائی، حبشیوں کی نیزہ بازی کی مشق کو خود کھڑے ہو کر معائنہ فرمایا، اور صدیقہ عائشہؓ کو دکھلایا وغیرہ۔ اس کے مقابل ایسے کھیل جن میں کوئی دینی، دنیاوی فائدہ نہیں، یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں، ان کو سختی سے منع فرمایا، انھیں مضر صورتوں میں وہ کھیل ہیں، جن میں قمار (جوا) ہو۔

گھوڑ دوڑ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، ایک مفید کھیل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وعملاً اس کی اجازت دی ہے، اور اس میں بازی لگانے اور بازی لے جانے والے

کے لئے مشروط انعام و معاوضہ کی بھی خاص شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج کل اپنے گھر کے جواہرات چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر دریوزہ گری کو مایۂ ناز سمجھنے لگے، اور صورت و سیرت تمدن و معاشرت سب میں غیروں کی نقالی ہی میں فخر محسوس کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عام کھیلوں میں بھی غیروں کی نقالی ہی رہ گئی، اس نقالی میں کوئی دوسری مضرت نہ ہوتی، جب بھی ایک غیرت مند قوم کے لئے نازیبا تھی، خصوصاً جب کہ غیر مسلموں نے قمار جیسی حرام چیزوں کو ان میں شامل کر دیا، تو مسلمان پر لازم ہو گیا کہ ان سے یکسر اجتناب کرے۔

ہماری گھوڑ دوڑ بھی اسی مشق ستم کا نشانہ بن گئی، جو چیز اسباب جہاد میں داخل اور ذریعۂ عبادت تھی، وہ اب محض ایک قمار اور لہو و لعب بن کر رہ گئی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، ہمارے محترم عزت مآب الحاج خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر جنرل پاکستان کو انھوں نے گھوڑ دوڑ کے متعلق علماء سے استفتاء کرنے کی ضرورت محسوس فرما کر بعض علمائے شام سے فتویٰ حاصل فرمایا، پھر علماء پاکستان سے استفتاء کیا، اس سوال کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک مفید مجموعہ ہو گیا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ عام فائدہ کے لئے اس کو بصورت رسالہ شائع کر دیا جائے، جس میں گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز قسمیں اور جائز قسم کے لئے ضروری شرائط کی تفصیل درج ہے، واللہ الموفق والمعین

بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان کی صورت کھیل تماشہ کی ہے، مگر ان کے ذریعہ قوت جہاد صحت جسمانی وغیرہ کے اہم فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں، ایسے کھیلوں کو شریعت اسلام نے نہ صرف جائز بلکہ خاص شرائط کے ساتھ ایک درجہ میں مستحسن سمجھا ہے، اور ان میں بازی لگانے اور مسابقت کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس میں قمار کی صورت نہ ہو، جس طرح ایسے کھیلوں سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، جن میں قمار بازی ہو، یا جن کے سبب میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں۔

گھوڑ دوڑ

حدیث میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ کرائی۔ (جصاص ص:۸۸، ج:۱) اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا سبق الا فی خف او حافر او نصل۔ (جامع صغیر، مسند احمد عن ابی هریرةؓ) حدیث میں لفظ سبق وارد ہوا ہے، جس کے معنی اس معاوضہ یا انعام کے ہیں، جو کسی بازی میں آگے بڑھنے والے کو دیا جاتا ہے، (صرح بہ فی شرح الجامع الصغیر) اس لئے معنی حدیث کے یہ ہیں کہ کسی مسابقت بازی میں معاوضہ یا انعام مقرر کرنا جائز نہیں، بجز اونٹوں کی دوڑ یا گھوڑ دوڑ یا تیر اندازی (نشانہ بازی) کے۔ احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خاص صورتوں میں بازی و مسابقت اور اس پر معاوضہ یا انعام مقرر کرنا صرف مذکورہ تین چیزوں میں جائز ہے، اور بعض حضرات فقہاء نے پیادہ دوڑ میں بازی لگانے کو بھی مذکورہ تین قسموں کے ساتھ شامل کر کے چار قسمیں کر دی ہیں۔ کیونکہ پیادہ دوڑ بھی قوت جہاد کے اسباب میں سے ہے، اور حضرت صدیقہ عائشہؓ کی ایک حدیث اس کی مؤید ہے۔

(شامی ص:۳۵۵، ج:۵ کتاب الکراہیۃ)

پھر گھوڑ دوڑ وغیرہ کی بازی اور اس پر معاوضہ یا انعام کی چند صورتیں ہیں، جن میں حسب تشریح قرآن و حدیث بعض جائز ہیں بعض ناجائز۔

گھوڑ دوڑ کی جائز صورتیں

مندرجہ ذیل تمام صورتوں میں جواز کے لئے دو صورتیں لازمی ہیں، اول یہ کہ اس کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہو، بلکہ قوت جہاد یا ورزش جسمانی ہو، دوسرے یہ کہ جو انعام مقرر کیا جائے، وہ معلوم متعین ہو، مجہول یا غیر متعین نہ ہو۔ (شامی وغیرہ)

۱:..... مشروط معاوضہ پر گھوڑ دوڑ کی جائز صورت ایک یہ ہے کہ فریقین جو اپنے اپنے گھوڑے دوڑا کر بازی لگا رہے ہیں، آپس میں کسی کو کسی سے کچھ لینا دینا نہ ہو، بلکہ حکومت

وقت یا کسی تیسرے شخص یا جماعت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم آگے بڑھنے کے لئے مقرر ہو۔ بدائع الصنائع میں ہے:

کذالک مایفعله السلاطین و هو ان یقول السلطان لرجلین من سبقکما فله کذا فهو جائز لما بینا ان ذالک من باب التحریض علی استعداد اسباب الجهاد خصوصاً من السلطان.

(بدائع ص:۲۰۶، ج:۲ و شامی ص:۳۵۴، ج:۵)

۲:...... دوسری صورت یہ ہے کہ آگے بڑھنے والے کے لئے معاوضہ یا انعام فریقین ہی میں سے ہو، مگر صرف ایک طرف سے ہو، دو طرفہ شرط نہ ہو، مثلاً زید و عمر گھوڑوں کی دوڑ میں بازی لگا رہے ہیں، زید یہ کہے کہ اگر عمر آگے بڑھ گیا تو میں اس کو ایک ہزار انعام دوں گا، دوسری طرف سے یہ نہ ہو کہ اگر زید بڑھ گیا، تو عمر ایک ہزار دے گا، دو طرفہ شرط کی صورت قمار حرام ہے۔

۳:...... فریقین میں دو طرفہ شرط بھی حنفیہ کے نزدیک ایک خاص صورت میں جائز ہے، وہ یہ کہ فریقین ایک تیسرے گھوڑے سوار کو مثلاً خالد کو اپنے ساتھ شریک کرلیں، پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

الف:...... شرط کی صورت یہ ٹھہرے کہ زید آگے بڑھے، تو عمر ایک ہزار روپیہ اس کو دے، اور عمر آگے بڑھے، تو زید اتنی ہی رقم اس کو ادا کرے، اور اگر خالد بڑھ جائے، تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہیں۔

ب:...... شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے، تو زید و عمر دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپیہ دیں، اور زید و عمر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھے تو خالد کے ذمہ کچھ نہیں، لیکن زید و عمر میں باہم جو آگے بڑھے دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم آئے۔

ان دونوں صورتوں میں جو تیسرا آدمی شریک کیا گیا ہے، اس کو حدیث کی اصطلاح میں

محلل کہا گیا ہے، اور دونوں صورتوں میں یہ امر مشترک ہے کہ تیسرے آدمی کا معاملہ نفع وضرر میں دائر نہیں بلکہ ایک صورت میں اس کا نفع متعین ہے، دوسری میں اس کا کچھ نقصان نہیں۔

شرط:...... اس تیسری صورت کے لئے حسب تصریح حدیث یہ ضروری شرط ہے کہ یہ تیسرا گھوڑا زید وعمر کے گھوڑوں کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہو، جس کی وجہ سے اس کے آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہنا عادۃً یقینی ہو، یا زیادہ قوی اور چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو، حدیث میں ہے:

من ادخل فرساً بین فرسین و هو لایامن ان یسبق فلا باس به و من ادخل فرساً بین فرسین و هو آمن ان یسبق فهو قمار۔ (ابوداؤد ومسند احمد)

بدائع الصنائع میں شرائط جواز بیان کرتے ہوئے مذکور الصدر پوری تفصیل لکھی ہے، (بدائع الصنائع ص:۲۰۶، ج:۶) نیز عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ باب:۶ اور شامی ص:۳۵۲، ج:۵ میں بھی یہ سب تفصیل موجود ہے۔

گھوڑ دوڑ کی ناجائز صورتیں

۱:...... گھوڑ دوڑ وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشہ یا روپیہ کی طمع کے لئے ہو، اور استعداد و قوت جہاد کی نیت نہ ہو۔ (شامی)

۲:...... معاوضہ یا انعام کی شرط فریقین میں دوطرفہ ہو، اور کسی تیسرے کو اپنے ساتھ بتفصیل مذکورہ بالا نہ ملایا جائے تو یہ قمار اور حرام ہے۔ (بدائع، شامی، عالمگیری۔

۳:...... ریس کی مروجہ شکل کہ گھوڑوں کی دوڑ کسی کمپنی کی طرف سے ہوتی ہے، گھوڑے کمپنی کی ملک اور سوار اس کمپنی کے ملازم اور دوسرے لوگ گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگاتے ہیں، جس کی فیس ان کو داخل کرنا ہوتی ہے، جس نمبر کا گھوڑا آگے بڑھ جائے، اس پر

داؤ لگانے والے کو انعامی رقم مل جاتی ہے، باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے۔

یہ صورت مطلقاً قمار حرام ہے، اول تو اس ریس کو قوت جہاد پیدا کرنے سے کوئی واسطہ نہیں، کیونکہ بازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں، نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ کام ہے، ثانیاً جو صورت معاوضہ رکھی گئی ہے، کہ ایک شق میں داؤ لگانے والے کو انعامی رقم ملتی ہے، اور دوسری شق میں اس کو اپنی دی ہوئی فیس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، یہ عین قمار ہے، جو بنص قرآن حرام ہے۔

مروجہ ریس کی جو صورت معلوم و معروف تھی، اس کا حکم لکھا گیا ہے، اگر اس میں کچھ مزید تفصیلات ہوں، تو وہ تفصیلات لکھ کر ان کے متعلق دوبارہ سوال کیا جا سکتا ہے۔

تنبیہ

جو احکام اور جائز ناجائز کی تفصیل گھوڑوں کی دوڑ میں لکھی گئی ہے، یہی حکم اونٹوں کی دوڑ اور پیادہ دوڑ اور نشانہ میں بازی لگانے کا ہے۔ (کما مر من الحدیث)

دوسرے کھیلوں میں بازی لگانے کے احکام

مذکور الصدر اقسام چہارگانہ یعنی گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ پیادہ دوڑ، نشانہ بازی کے علاوہ دوسرے کھیلوں میں کچھ تفصیل ہے۔

مفید کھیل

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، وہ جائز ہیں، بشرطیکہ انھیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے، محض لہو ولعب کی نیت نہ ہو، لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی روزش ہوتی ہے، یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوت جہاد میں معین ہو سکتے ہیں، اسی طرح معمہ بازی، شعر بازی،

تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے، مگر اس پر رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ قمار حرام ہے۔

ولا یجوز الاستباق فی غیر ھذہ الاربعۃ کالبغل بالجعل و اما بلا جعل فیجوز فی کل شیء و قال بعد ذالک لان جواز الجعل فیما مر انما ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس فیجوز ما عداھا بدون الجعل و فی القھستانی من الملتقط من لعب بالصولجان یرید الفروسیۃ یجوز و عن الجواھر قد جاء الاثر فی رخصۃ المصارعۃ لتحصیل القدرۃ علی المقاتلۃ دون التلھی فانہ مکروہ. (شامی ص: ۳۵۵، ج:۵)

بے فائدہ کھیل تماشے

ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین دنیا کا نہیں ہے، وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں، خواہ ان پر بازی لگائی جائے، یا انفرادی طور پر کھیلا جائے، پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں۔ اور رقم بھی دو طرفہ ہو، یا ایک طرفہ بہر حال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں حدیث میں ہے:

کل لھو المسلم حرام الا ثلثۃ ملاعبۃ اھلہ و تادیبہ لفرسہ و مناضلۃ بقوسہ. (شامی ۲۵۳، ج:۵)

کبوتر بازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ

إزالة الأوہام

متکلم اسلام محقق مذاہب عالم مجاہد حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ردِ عیسائیت پر فارسی زبان میں سب سے پہلی نایاب کتاب جو موصوف نے ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء میں تصنیف کی جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے الزامی، تحقیقی، عقلی، نقلی، مکمل و مدلل، جامع و مسکت جوابات دیے گئے ہیں نیز مسئلہ تثلیث و بشارات محمدی ﷺ پر حاصل گفتگو کی گئی ہے

تالیف

متکلم اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم شرح و تحقیق

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

تقریظ پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دار العلوم کراچی

المقالات الفقهية

لفضيلة الشيخ المفتي محمد رفيع العثماني حفظه الله
رئيس جامعة دار العلوم كراتشي

الناشر
مكتبة دار العلوم كراتشي
باكستان